علم مشکل القرآن
(تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کی روشنی میں)
پسند فرمودہ
ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ چوبرجی لاہور
مصنفہ
حافظہ ضوفشاں نصیر
دار المعارف

علم ”مشکل القرآن“

”تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کی روشنی میں“

پسند فرمودہ

پیر طریقت رہبر شریعت استاذ العلماء

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم العالی

شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ، چوبرجی لاہور۔

مصنفہ

حافظہ ضوفشاں نصیر

ناشر

دار المعارف

L-G 10، بادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور۔

042-37321526 / 0302-4284770

شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

نام کتاب ـــــــــ علم ''مشکل القرآن'' (تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کی روشنی میں)

مصنفہ ـــــــــ حافظہ ضوفشاں نصیر

ترتیب و کمپوزنگ ـــــــــ محمد صادق بٹ 0321-4093927

مطبع ـــــــــ پریس اینڈ پبلی کیشنز ڈیپارٹمنٹ

ناشر ـــــــــ دار المعارف

صفحات ـــــــــ 432

دار المعارف، L-G، ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور۔

042-37321526 / 0302-4284770

مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ 042-37228196

ممتاز اکیڈمی، فضل الٰہی مارکیٹ چوک اُردو بازار، لاہور۔ 042-37229506

اسلامی کتب خانہ، الحمد مارکیٹ اُردو بازار، لاہور۔ 042-37116257

مکتبہ احیاء العلوم، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ 0423-7361232

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنتساب

اللہ و لرسولہٖ

(اپنی مرحومہ والدہ کے نام)

فہرست مضامین

تقریظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم۔

اما بعد!

اللہ رب ذوالجلال کا بہت بڑا احسان اور فضل وکرم ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دین مبین کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون الایۃ اور عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا یوں انتظام فرمایا کہ اہل حق کی ایک جماعت کو چن لیا ہے جو قیامت تک دین متین کے تمام شعبوں کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

پھر جس طرح دین کی مبین کی پاسداری کے لیے مردوں سے مبارک شخصیات کو چنا اسی طرح خواتین میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سی اپنی نیک بندیوں کو چنا ہے جیسے میرے حضرت پیرو مرشد حضرت صوفی سرور صاحب دامت برکاتہم فرمانے لگے دین کے تین حصے ہیں دو حصے اُمّت تک پہنچانے والی حضرت امیر المؤمنین اماں جان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور ایسے ہی قیامت تک اللہ تعالیٰ کی بہت سی خوش نصیب بندیاں دین کی خدمت اور اشاعت میں حصہ ڈالتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی خوش نصیب بندیوں میں سے ایک محترمہ حافظہ ضوفشاں نصیر صاحبہ سلمھا اللہ ہیں جنہوں نے بڑی عقیدت اور محنت سے مشکلات القرآن کے موضوع پر عمدہ مقالہ مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ محترمہ کی اس نیک کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

محترم جناب مفتی محمد حسن صاحب
مہتمم جامعہ محمدیہ، چوبرجی

محمد حسن عفی عنہ

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ قرآن حکیم علوم دینیہ وعقلیہ کا منبع وسرچشمہ ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ بات مبرھن ہو کر سامنے آرہی ہے کہ علومِ عقلیہ بالخصوص بے شمار جدید سائنسی علوم کا تانا بانا بھی اس ابدی وسرمدی کتاب سے عملاً جڑ جاتا رہا ہے۔ موجودہ دور کے ذرائع ابلاغ وترسیل، کائنات کا ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر لینا ان سب کی طرف قرآن حکیم میں واضح اشارات ملتے ہیں۔

کلامِ الٰہی ہونے کی نسبت سے قرآن حکیم کی عظمت، اعجاز واسرار اسی طرح لامحدود ہیں جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ کی شانِ علو وبرتر جس کی قدرت واختیارات کا احصاء محال وناممکن ہے۔ قرآن حکیم کو کلامِ الٰہی ہونے کے سبب ہی ابدی معجزہ کی حیثیت حاصل ہے۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک مسلمان قرآن حکیم میں غور وفکر کرتے ہوئے نئے نئے علوم دریافت کر رہے ہیں اور اس کے اسرار وعجائبات کو منکشف کرنے کی سعی حسنہ سے عنداللہ خادمینِ قرآن کی فہرست میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

عصرِ حاضر تک خدمتِ قرآن کے حوالے سے جو مساعی ہمارے سامنے آئی ہیں ان کی متنوع اور ہمہ گیر جہات ہیں۔ ان میں تفاسیر قرآن بھی ہیں، علوم قرآن سے متعلق کلی وجزوی کتب بھی ہیں۔ اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں قرآنی ہدایات سے مرقع موضوعاتی کتب بھی۔ الغرض قرآن وعلوم القرآن کی خدمت کے حوالے سے وافر علمی سرمایہ موجود ہے۔ اس دینی سرمایے میں علوم قرآن میں سے ایک اہم ''علم'' ''علم مشکل القرآن'' پر علماء کی تالیفات بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم کے معانی ومفاہیم جاننے کے لیے ایک عالم اور عامی کو درپیش مشکلات میں فرق ہے۔ ایک عامی کے لیے علمائے کرام کی بیان کردہ توضیحات فہم آیات کا موثر ذریعہ ہیں البتہ ایک عالم جو علوم اسلامیہ وعربیہ سے واقف ہو اس کے لیے قرآنِ حکیم کے

مشکل مقامات کی نوعیت مختلف ہوگی۔ صحابہ کرام جو کہ اہلِ زبان تھے اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت میسر تھی، انہیں بھی بعض مقامات پر قرآنِ حکیم کا مطلوب و مقصود سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ان سے استفسار کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بالعموم باہم ایک دوسرے سے استفسار کرتے۔ بعض صورتوں میں شعرِ عرب کی طرف بھی رجوع کرتے تھے۔

زیرِ نظر کتاب علم مشکل القرآن (تفسیر بیان القرآن اور تفسیرِ عثمانی کی روشنی میں) عزیزہ حافظہ ضوفشاں نصیر کی تحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے جسے انہوں نے ایم فل علومِ اسلامیہ شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی میں اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ انہوں نے اس میں مشکل القرآن کا تعارف، اس کی مختلف صورتوں اور وجوہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے دورانِ تفسیر مشکل مقامات کا نہ صرف تعارف کرایا بلکہ وارد ہونے والے اشکالات کو رفع بھی کیا۔ حافظہ ضوفشاں نے اس موضوع سے متعلق مباحث کو جامع اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ جواب عام استفادے کے لیے کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو قرآن حکیم کے پڑھنے اور سمجھنے کا ذریعہ بنائے تاکہ ہم پیش آمدہ نت نئے مسائل کو سمجھ سکیں اور ان کے حل کے لیے اہلِ علم کی طرف رجوع کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ عزیزہ ضوفشاں نصیر کو قرآن حکیم کی اس خدمت پر اجرِ جزیل عطا فرمائے اور انہیں اس کتابِ مبین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور دارین کی کامیابیوں و کامرانیوں سے نوازے۔

ڈاکٹر جمیلہ شوکت

استاذۃ الاساتذہ پروفیسر آف امریطس

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تقریظ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس نے ہماری ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا۔ درود وسلام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کا مقصدِ بعثت قرآن، تزکیہ نفوس اور تعلیم قرآن وحکمت قرار دیا گیا۔ علمائے کرام اور مفسرین کرام نے قرآن کے مختلف گوشوں کو کھول کر بیان کر کے ہمارے لیے اس کتاب ہدایت سے استفادہ ممکن بنایا۔ علم مشکل القرآن علوم القرآن کا ایک اہم موضوع ہے جس علم کے تحت علماء نے قرآن کے اندر بلحاظ لفظ یا معنی پائے جانے والے اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور رفع اشکال کے اصول وضع کیے ہیں۔ پھر مفسرین نے اُن اصولوں کی جزئیات پر اپنے اپنے انداز میں تطبیق کرتے ہوئے کلامی وفقہی مباحث کی ہیں۔ اس حوالے سے تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

حافظہ ضوفشاں نصیر نے پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی زیر نگرانی شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب میں اس موضوع پر بہت وقیع تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے جسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ علم مشکل القرآن پر عربی میں بہت کام ہو چکا ہے۔ مگر اردو میں اس موضوع پر بہت کم لٹریچر موجود ہے۔ اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ برصغیر کے تناظر میں اس موضوع پر بحث کی جائے۔ ان شاء اللہ یہ کتاب علوم اسلامیہ کے اردو لٹریچر میں ایک خوبصورت اضافہ متصور ہوگا۔ علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبہ اس کتاب سے بہت مستفید ہونگے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظہ ضوفشاں نصیر کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے توشہ آخرت بنائے۔

ڈاکٹر محمد اعجاز
ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر
جامعہ پنجاب، لاہور

تقریظ

علم ”مشکل القرآن“ (تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کی روشنی میں)

امت مسلمہ (علی صاحبہا الف الف صلاۃٍ وسلام) کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے نبی پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید کی حفاظت وخدمت اس انداز اور اس بڑے پیمانے پر کی ہے کہ دوسری امتیں اس کے عشر عشیر پر بھی قادر نہ ہوئیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

حفاظت بصورت حفظ یا بصورت کتاب، بطریق استنباط احکام ہو یا بطریقِ تفسیر و تشریح، مفردات وغرائب، بطریقِ تفصیلِ اجمال ہو یا بطریقِ توضیح مبہم علوم القرآن کی پچاس سے زائد انواع واقسام اس خدمت قرآنی کی ادنی سی جھلک ہیں۔ ہر ہر نوع پر بیسیوں مستقل تصانیف اس امت کی قرآن کے ساتھ قلبی وابستگی پر شاہد عدل ہیں۔ پھر تفسیر قرآن کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ”لا تنقضی عجائبہ“ (ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا معنی ہے ”اس کتاب الٰہی کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔“) کا مظہرِ صدق ہے۔

علم ”مشکل القرآن“ انہی انواعِ علوم القرآن میں سے ایک نوع ہے۔ عربی میں زبان میں اس نوع پر مستقل کتب تالیف کی گئی ہیں لیکن اس کی وسعت اور تنوع کسی جامع تعریف کا متقاضی ہے۔ پھر اس تعریف کے اعتبار سے متن قرآنی پر اس کا انطباق اور مخصوص کتب تفسیر سے ان مقامات کی توضیح یقیناً بجائے خود ایک مشکل کام ہے۔

شیخ زاید اسلامک سنٹر میں ایم فل کے طلبہ کو ایک طرف علوم القرآن کا مضمون پڑھایا جاتا ہے اور دوسری طرف مخصوص تفاسیر کا باقاعدہ عربی متن بھی مستقل مضمون کے طور پر شامل نصاب ہے۔ اس سے طلبہ میں کتب تفسیر اور علوم القرآن کی مختلف انواع پر تحقیقی کام کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ بطور جملہ معترضہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آج ملک بھر میں ایم فل کی سطح پر علومِ اسلامیہ کی درس وتدریس کا رجحان بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ آئندہ وقتوں

میں اس سطح پر طلبہ کی تعداد ایم۔اے کی سطح پر ان کی تعداد سے بڑھ جائے۔لیکن کمیت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ کیفیت میں جو تنزل ہے وہ کسی واقف حال سے مخفی نہیں۔

حافظہ ضوفشاں نصیر کا ایم فل کا مقالہ علم ''مشکل القرآن'' (تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی کی روشنی میں) بلاشبہ اعلی پائے کی تحقیقی کاوش ہے جس پر طالبہ اور ان کی نگران مقالہ استاذۃ الاساتذہ پروفیسر آف امریطس پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔

حافظہ ضوفشاں نے اولاً مشکل القرآن کی فنی واصطلاحی تعین وتعریف بڑی تحقیق وجستجو سے کی ہے۔ثانیاً مشکل القرآن کی حکمت، تاریخ، اسباب اور حل کے بنیادی اصول، تمام ممکنہ میسر مصادر اصلیہ سے نقل کیے ہیں اور پھر بڑی محنت سے قافلۂ علم وعرفان کے راہرو اور حکمتِ نانوتوی کے امین مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی (رحمھما اللہ) کی شہرۂ آفاق تفاسیر سے ان منتخب آیات کی توضیح کی ہے جو مشکل شمار ہوتی ہے۔

اللہ کریم اس کاوش کو قبول فرمائیں، مؤلفہ ومُشرِفہٗ وجمیع معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور روز قیامت خدام قرآن میں شمار فرمائیں۔

از

ڈاکٹر حافظ عبدالباسط خان

اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر،

جامعہ پنجاب، لاہور

تقریظ

الحمدللہ ''مشکل القرآن'' کے حوالے سے عصرِ حاضر میں جو بھی کام ہوا ہے اور جس تک رسائی ہونا ممکن نظر آتا ہے، اس مواد میں محترمہ ضوفشاں نصیر صاحبہ کی تحقیق وتدقیق سے لبریز تحریر، ایک بہترین کاوش، اور لاجواب اضافہ ہے، محترمہ نے جن شخصیات کی علمی دنیا میں دھاک اور چھاپ، کئی نسلوں سے ہے اور آئندہ کئی نسلوں تک رہے گی۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الاسلام کی شخصیات ناں تو کسی تعارف کی محتاج ہیں اور نہ ہی ان کی علمی تحقیقات کسی حاشیے اور تشریح کی منتظر ہیں۔

محترمہ نے انتہائی مشکل عنوان کو چن کر، انتہائی سلیقہ مندی اور سہل اُسلوبِ تحریر میں انتہائی اہم عنوانات پر قلم اٹھایا، جستہ، جستہ دیکھنے کا اتفاق ہوا مگر جہاں سے بھی تحریر نظر آئی۔ الحمد للہ بہت خوب نظر آئی۔ علمِ تفسیر کے شائقین، اور علومِ قرآن کے ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے یہ انتہائی اہم اور گراں بہا تحفہ ہے۔ اللہ کریم محترمہ کے علم وفہم کو مزید برکات عطا فرمائے۔ اور قلم میں خوب خوب برکات وترقیات عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بندہ حقیر
محمد کفیل خان صاحب
استاذ جامعہ اشرفیہ، لاہور

اظہار تشکر

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہارے لیے (نعمت) بڑھادوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ اس اصول کے پیش نظر سب سے پہلے کروڑھا شکر ہے اس خدائے بزرگ و برتر لم یزل کا جس کی توفیق اور رحمت سے میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہوسکی ہوں۔ اللہ رب العزت نے قدم قدم پر میرے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں اور اپنی رحمت و کرم سے لوگوں کو میرے لیے معاون و مددگار بنایا جیسا کہ کہا جاسکتا ہے۔

رب مہربان تے سب مہربان

پس اللہ رب العزت نے میرے اساتذہ والدین بہن بھائیوں میرے شریک سفر اور بیٹیوں سب کو میرے لیے مددگار بنادیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔''

پس اللہ رب العزت کے بعد بندوں میں سے اپنے والدین، ادارے کے اساتذہ کرام بالخصوص اپنی نگران مقالہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود قدم قدم پر میری رہنمائی کی اگر میں اپنی نجی یا تدریسی مصروفیات کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں بھی پہنچ پاتی تھی تو وہ مجھے اپنے گھر پر وقت دیتی تھیں۔ اللہ رب العزت انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔

اس موقع پر سب سے بڑھ کر میں سپاس گزار ہوں اپنے رفیق حیات کامران اختر کی جن کی حوصلہ افزائی، معاونت اور بے حد صبر و تحمل نے مجھے اس منزل کی تکمیل تک پہنچایا کئی بار جب میں بہت زیادہ ذمہ داریوں کے باعث ہمت ہار چکی تو فقط انہی کی حوصلہ افزائی نے میری ڈھارس بندھائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہانوں میں راحت نصیب کرے اس کے علاوہ میں

شکر گزار ہوں اپنی ساس صاحبہ عذرا اختر کی جن کی معاونت بھی ہر وقت میرے شامل حال رہی۔

میں اپنی تین معصوم بیٹیوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتی جن کے معصوم چہروں اور ننھی ننھی شرارتوں نے ہمیشہ میری تھکاوٹ دور کی، پس زینب، حفصہ اور مریم اور ان تینوں کا صبر اور محبت بھی میرے لیے منزل کی تکمیل کی آسانی کا سامان کرتا رہا ہے۔

میں اپنے والد بزرگوار جو میرے لیے انتہائی مہربان اور شفیق ہستی ہیں، ان کی بھی شکر گزار ہوں جن کی خصوصی دعائیں اور ہلکی ہلکی سرزنش بھی مجھے اس کام کی آمادگی پر اُبھارتی رہی اور ہمیشہ ان سے ملاقات میرے لیے ایک اکسیر کا کام دیتی تھی اور نیا عزم و حوصلہ عطا کرتی تھی۔ اللہ رب العزت ان کا سایہ شفقت ہم پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ ایک اور ہستی جو میرے لیے میری ماں کی جگہ ہے اور بے حد مخلص ہے وہ میری بڑی بہن ارم شاہد ہیں ان کی محبتوں اور تعاون پر اُن کی شکر گزار ہوں۔

لائبریریوں کے عملہ کا ذکر نہ کرنا انتہائی ناسپاس گزاری ہوگی اس حوالے سے میں تمام لائبریریوں خصوصاً ادارہ ہذا کی لائبریری، ادارہ علومِ اسلامیہ کی لائبریری، محدث لائبریری اور جامعہ اشرفیہ کی لائبریری کے تمام حضرات کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

مقالے کی کمپوزنگ کے حوالے سے میں عادل شہزاد کا بہت شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے بھرپور تعاون کرتے ہوئے محنت اور لگن کے ساتھ کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کے علاوہ میں اپنی تمام دینی بہنوں، طالبات اور دیگر اقارب و متعلقین کی بھی سپاس گزار ہوں جو تمام اس کام میں میرے لیے دعا گو رہے اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی عزتیں و برکتیں اور خوشیاں نصیب فرمائے۔ (آمین)

حافظہ ضوفشاں نصیر

مقدمہ

''الحمد للّٰہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی سید الرّسل وافضل الرسل واکمل الرسل واجمل الرسل خاتم الانبیاء وصلیّ اللہ علیہ واصحابہ اجمعین''

تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں جس نے تمام عالمین اور اس کی مخلوقات کو تخلیق فرمایا اور اپنی تدبیر اور حکمت سے ان کے نظام کو چلایا اور درود وسلام ہو وجہ وجوہ تخلیق کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی رحمت سے یہ دو جہاں قائم ودائم اور شاداب ہیں۔

موضوع کا تعارف:۔

اللہ رب العزت کے بنی آدم پر بے شمار احسانات ہیں خاص طور پر امت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اللہ جل جلالہ نے اس امت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم المرتبت رسول نصیب فرمائے جن کی رسالت عالمگیر ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء:۲۱/۱۰۷)

اور جو عظیم الشان کتاب اس نبی معظم کے وسیلے سے اس امت کو عنایت فرمائی اس کی شان یہ ہے کہ کتاب ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے قیامت تک کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

اسی لئے ارشاد فرمایا: اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾ (التکویر۸۱:۲۷)

ایک اور جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران:۳:۱۳۸)

ان آیات سے قرآن کی عالمگیریت اور نزول کا مقصد واضح ہوتا ہے کہ اس کا مقصد متقین کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید اللہ رب العزت کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ جاوید عملی معجزہ ہے یہ کتاب اپنے اسلوب بیان، قوت استدلال، نظم وضبط، تذکیر اور رشد وہدایت کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے اور کوئی بھی اس کلام کا مقابلہ نہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ (بقرہ۲: ۲۳)

مگر آج تک کوئی قرآن کی ایک آیت کا بھی مثل نہ لا سکا ہے نہ یہی قیامت تک لا سکتا ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں عربوں کے محاوروں کے عین مطابق نازل ہوا یہ بات خود قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ (النحل۱۶: ۱۰۳)

قرآن مجید میں مسائل اور احکام کا ذکر بڑی صاف، سادہ اور آسان زبان میں کیا گیا ہے لہذا اہل عرب عربی زبان سے واقف ہونے کی بناء پر قرآن کے مضامین کو آسانی سے سمجھ لیتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی چاہتے تھے کہ قرآن مجید کے اس مفہوم اور مطالب و معانی پر توجہ مرکوز رکھی جائے جو پہلی نظر میں سمجھ آجاتے ہیں متشابہ آیات کی تاویل کی گہرائیوں سے واقفیت، صفات باری تعالیٰ کے باریک اور پیچیدہ، حقائق سے بحث اور قصوں کی تفصیلات جاننے میں اپنا وقت صرف نہ کیا جائے لہذا دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان مسائل کے بارے میں بہت کم سوالات کئے گئے اور بہت کم جوابات دیئے گئے پھر جب اسلام میں عجمی عناصر کا اضافہ ہوا تو انہیں قرآن فہمی میں دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ عجمیوں کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ انہیں اکثر مقامات پر قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں۔ اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ پہلے عربی زبان کی لغت اور اس کے قواعد کا علم حاصل ہو پھر اُس کے ذریعہ فہم قرآن کی منزل سر کی جائے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تحقیق و تلاش اور سوالات

وجوابات کا سلسلہ شروع ہوا حتیٰ کہ تفسیر کا باقاعدہ علم وجود میں آ گیا۔ اُس دور میں جتنے بھی علوم مدون ہوئے اُن کا بنیادی محرک قرآن فہمی اور قرآن کے مشکل مقامات کو حل کرنا تھا۔ مثلاً علم لغت، علم الصرف، علم النحو، علم اصول تفسیر، علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کیونکہ ان تمام علوم کا براہ راست تعلق قرآن سمجھنے اُس کی مراد تک پہنچنے اور اس کی تعبیر و تشریح سے ہے۔ لہٰذا مقالہ ہذا کا عنوان بھی ''علم مشکل القرآن'' تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کی روشنی میں ہے۔ اس مقالہ میں قرآن کا مفہوم سمجھنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اُن کو ذکر کیا گیا ہے۔ نیز ان مشکلات کو حل کرنے اور قرآن کی صحیح وضاحت وتشریح کے چند طریقے ذکر ہیں تا کہ آج کے دور میں جب کہ ہر طرح کی گمراہیاں اور فتنے سر اُٹھا رہے ہیں اور ملحدین قرآن کی انہی مشکل آیات کی باطل تاویلات کے ذریعہ اپنے مذموم عقائد ونظریات کو ثابت کر رہے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن پاک کو اقوال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ، تابعین اور ائمہ امت کے نہج پر سمجھا جائے نیز اُن کے بیان کردہ اصولوں اور طریقوں پر قرآن کی مشکل اور متشابہ آیات کی تاویل ذکر کی جائے تا کہ گمراہی سے بچا جا سکے۔

اس مقصد کی مزید وضاحت کے لئے دو معتبر اردو تفاسیر سے مشکل آیات کی توجیہات کو بطور امثلہ ذکر کیا گیا ہے تا کہ عام قاری بھی قرآن کے اصل مفہوم سے واقف ہو سکے اور قرآن کی صحیح مراد کو پا سکے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت:۔

قرآن کریم کی آیات میں پائی جانے والی مشکلات کی معرفت اور ان اشکالات کو دفع کرنا ایک انتہائی اہم امر ہے جو انتہائی کوشش بصیرت، اجتہاد اور تدبر کا متقاضی ہے۔ اس موضوع کی اہمیت اس اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ جب ایک قاری قرآن کو کوئی اشکال پیش آتا ہے تو اس اشکال کے دفع ہونے تک وہ آیات قرآنیہ کے تدبر میں رہتا ہے اور قرآن مجید میں

غور وفکر کا حکم خود اللہ رب العزت نے فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝ (النساء۴:۸۲)

سورۃ محمد میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (محمد:۲۴)

لہٰذا تدبر کا لازمی نتیجہ قرآن فہمی ہے اور قرآن کریم کے مطالب و معانی کی تفہیم ہی علم تفسیر کی غرض و غایت ہے۔ یہ ''علم مشکل القرآن'' علم تفسیر کی فروعات میں سے ایک ہے اسی لئے ہر مفسر کے لئے اس کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے تا کہ وہ قرآن حکیم میں پائی جانے والی مشکلات کے اسباب جان لے اور ان مشکلات کو دور کرنے کے طریقے اچھی طرح پہچان لے۔ اس علم کا سیکھنا ایمان میں زیادتی کا سبب ہے وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص قرآن حکیم کے مفہوم اور صحیح تاویل جان لے گا۔ اُس کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا کہ یہ کلامِ حق ہے اور اس میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے اسی بات سے اس کا ایمان مزید بڑھے گا۔ اس موضوع کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ یہ اہل بدعت، زنادقہ اور ملحدین کے رد میں بے حد معاون علم ہے۔ زنادقہ قرآن کریم کے اندر حقیقی تعارض اور تناقض کا دعوی کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرد علی الزنادقہ والجہمیہ'' میں زنادقہ کے اس دعویٰ کا رد کیا ہے اور جن آیات کے متعلق وہ تعارض کا دعویٰ کرتے تھے اُن میں جمع و تالیف کے ذریعہ صحیح مفہوم کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح ابوالحسن الملطی اپنی کتاب ''التنبیہ والرد علی اہل الأہواء والبدع'' میں فرماتے ہیں۔

''هلكت الزنادقة، وشكوا في القرآن، حتیٰ زعموا ان بعضه ينقض بعضا في تفسير الآي المتشابه كذبا وافتراء على الله جل اسمه، من جهلهم بالتفسير

للآی المحکم فمن طلب علم ما اشکل علیه من ذلک
عند اہل العلم بہ من تفات العلماء وجدّ مطلبہ''

''زنادقہ برباد ہوئے انہوں نے قرآن میں شک کیا اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے کہنے لگا کہ آیات متشابہات کی تفسیر میں بعض آیات بعض سے متعارض ومتناقض ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ گمان آیات محکم کی تفسیر سے نابلد ہونے کی بناء پر ہے جو شخص ان مشکل معانی کو ثقہ اہل علم کے پاس تلاش کرے گا تو وہ اپنی مراد پالے گا''۔

اللہ رب العزت کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اس کتاب سے فائدہ تب ہی اُٹھایا جاسکتا ہے۔ جب اس کے معنی ومفہوم سے آگاہی حاصل ہو ایک مسلمان جب قرآن کا صحیح مفہوم سمجھ لے گا تو اس کے لئے اللہ رب العزت کی توفیق سے عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ اس موضوع کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ اللہ کے بندوں کو کتاب الٰہی سے روشناس کروایا جائے۔ تاکہ اصلاح اور عمل کا جذبہ زیادہ سے بڑھے۔ نیز صحیح تاویل اور اصل معنی مرادی تک رسائی کا طریق کار واضح ہوتا ہے تاکہ ہر طرح کی گمراہی سے بچا جاسکے اس علم سے قرآن کے دقیق معانی ظاہر ہوتے ہیں۔ اعجاز کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں اور قرآن کی فصاحت وبلاغت خوبصورت انداز میں سامنے آتی ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جس سے اس علم کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور اس علم میں محنت اور کوشش مختلف علوم مثلاً علم تفسیر، علوم القرآن، علم حدیث واصول حدیث، علم فقہ واصول فقہ، علم بلاغہ، صرف ونحو اور علم لغت وغیرہ میں قرآن سے متعلق منتشر مباحث کو جمع کرتی ہے اور مجتہد کے لئے ان علوم میں مہارت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب:۔

مندرجہ ذیل چند اسباب کی وجہ سے میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔

1۔ تمام علوم میں سے علوم القرآن اور علم تفسیر کی عظمت اور شرافت کی وجہ سے تا کہ میں اس عظیم اور بابرکت علم سے مکمل طور پر فیض یاب ہوسکوں اور قرآن جو تمام علوم کا سرچشمہ اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے اس سے زیادہ سے زیادہ واقفیت اور معرفت حاصل کر کے ہر قسم کے فتنہ اور گمراہی سے بچ سکوں۔

2۔ دوسرا سبب قرآن کی خدمت اور اس سے تعلق حاصل کرنا تھا۔ تا کہ تدبر قرآن اور قرآن میں مشغولیت کے فضائل کا بھی حصول ہو سکے نیز مشکل آیات کی تفسیر کا صحیح طریقہ واضح ہو جائے۔

3۔ اس موضوع کا یا اس علم 'مشکل القرآن' کا دوسرے علوم سے جیسے علم توحید، علم اصول تفسیر، علم حدیث واصول حدیث اور علم فقہ اور اصول فقہ سے ربط کے باعث یہ علم قابل توجہ اور قابل تحقیق ہے۔

4۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مختلف تفاسیر اور مفسرین کے اسلوب اور مناھج سے واقفیت حاصل ہو سکے اور ان سے استفادہ کرنے کا طریقہ اور سعادت نصیب ہو۔

5۔ پانچواں اور اہم سبب اس موضوع کے اختیار کرنے کا یہ ہے کہ اس پر تالیفات بہت کم ہیں۔ بلکہ اردو زبان میں کوئی ایسی تحقیقی کاوش میری نظر سے نہیں گزری جو جامعیت اور اختصار کے ساتھ ''مشکل القرآن'' کے کئی پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہو۔ پس اس ضرورت کی وجہ سے خواہش ہوئی کہ اس علم کو اس کی تعریف کو اور تمام پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ ظاہر کیا جائے۔

دورانِ تحقیق پیش آنے والی مشکلات:۔

اس موضوع کی تحقیق کے دوران کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کئی دفعہ دلبرداشتہ ہو کر اس کام کو چھوڑنے کا بھی پکا ارادہ کر لیا لیکن اللہ رب العزت کے کرم سے اساتذہ کی شفقت اور

اپنے رفیق حیات کی مہربانیوں اور تعاون کے باعث یہ کام اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی مشکل میری کم علمی اور عربی زبان پر عبور کی کمی تھی اور اس موضوع سے متعلق تمام کتب عربی زبان میں ہی تھیں۔ مشکل القرآن کی تلاش میں علوم القرآن کی کئی کتب کو چھپانا اور مطالعہ کیا لیکن پھر بھی یہ اصطلاح واضح نہ ہوسکی اور میری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ جب تک کوئی کام اچھی طرح مجھے سمجھ نہ آجائے مجھ سے وہ کام نہیں کیا جاتا۔ مشکل القرآن کے معنی جاننے کے لئے کئی تفاسیر کا مطالعہ کیا اور خاص کر اُن کتب کا مطالعہ کیا جن میں فقط مشکل آیات کی تفسیر مذکور ہے۔ مثلاً باہر البرھان فی مشکلات القرآن از بیان الحق نیساپوری، ابن تیمیہ کی تفسیر آیات التی اشکلت علی کثیر من العلماء اسی طرح عز بن عبدالسلام کی فوائد فی مشکل القرآن علامہ کرمانی کی متشابہ القرآن، زکریا انصاری کی فتح الرحمن مایلتبس من الرحمن، ابن قتیبہ کی تاویل مشکل القرآن انور شاہ کاشمیری کی مشکلات القرآن وغیرہ مطالعہ کیا تاکہ معلوم ہوسکے کہ ان علماء نے مشکل سے کیا مراد لی ہے۔ اب تمام علماء کے ہاں مشکل کی اصلاح عام ہے خواہ اُس کا تعلق علم لغت سے ہو، علم کلام سے، علم صرف ونحو سے علم بلاغہ، علم قرأت، علم تعارض آیات سے علم فقہ یا اصول فقہ سے غرض ہر قسم کا علم اس اصطلاح میں شامل تھا اس لئے مشکل کی تعیین اور تحدید میرے لئے بے حد دشوار تھی کیونکہ یہ ایک اجتہادی میدان ہے اور ہر مفسر نے اپنے علم کے مطابق اس میدان میں جولانیاں دکھائی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الاتقان اور زرکشی کی البرھان فی علوم القرآن کی تمام کی تمام انواع مشکل کی ہی انواع معلوم ہوتی تھی۔ کئی علماء سے اس سلسلے میں مشورے کیے آخر تمام کی متفقہ رائے سے میرے دل میں یہ بات آئی کہ تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کا بالتفصیل مطالعہ کیا جائے پس بارہا ان دونوں تفاسیر کا مطالعہ کیا اور سب سے پہلے مشکل آیات کو الگ کیا پھر دوسری کتب جس میں فقط مشکل آیات کی تفسیر تھی ان کی تمام آیات کو ان مذکورہ تفاسیر میں بھی دیکھا اگر کوئی آیت مشکل القرآن کے حوالہ سے قابل ذکر ملی تو اُن آیات کو بھی الگ کرلیا پھر غور کیا کہ ان آیات میں اشکال کا سبب کیا ہے اور دونوں مفسرین نے اس

اشکال کو کیسے دور کیا ہے۔ اس طرح مشکل کے اسباب کی تحدید ممکن ہوسکی اور انہی اسباب کو لیا گیا جن کی امثلہ تفسیر عثمانی اور بیان القرآن میں موجود تھیں۔ پھر ان میں سے کچھ اسباب کو بے حد معروف و مشہور ہونے اور گہرے تدبر کا محتاج نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا مثلاً عام، خاص، مطلق مقید، مجمل مفسر، حقیقت مجاز وغیرہ اور ان اشکالات کو مدار بنایا گیا جو گہرے تدبر اور غور وفکر کے محتاج ہیں۔ پھر آسانی کی خاطر ان اسباب کو دو انواع میں تقسیم کر دیا گیا مشکل کے اسباب کی پہلی نوع تعارض آیات سے متعلق ذکر کی اور دوسری نوع میں لغوی، نحوی، بلاغی اور عمومی اشکالات کو داخل کیا گیا۔ پس اس کام میں اس وجہ سے بے حد وقت بھی صرف ہوا۔ مگر اللہ کی توفیق سے یہ کام آخرکار پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔

سابقہ کام کا جائزہ:۔

علوم القرآن کی جتنی بھی کتب متقدمین اور متاخرین کی موجود ہیں اُن میں اس موضوع ''علم مشکل القرآن'' پر جزوی طور پر بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں بھی قرآن فہمی میں دشواری کے اسباب کے نام سے جزوی بحث موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر زیادہ تر کتب عربی زبان میں ہیں اور اُن کتب میں مشکل آیات کو ذکر کر کے ان کے مفہوم کی وضاحت ملتی ہے جیسے فوائد فی مشکل القرآن از عز بن عبدالسلام، باہر البرھان فی معانی مشکلات القرآن از بیان الحق نیساپوری، تاویل مشکل القرآن از ابن قتیبہ البرھان فی مشکلات القرآن از ابوالمعالی بن منصور الخیلی، متشابہ القرآن از علامہ کرمانی اور مشکلات القرآن از مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ۔ ان کتب میں فقط مشکل آیات کی تفسیر ملتی ہے مگر مشکل آیات میں اشکال کی وجہ اور اشکال کو حل کرنے کے اصول کہیں ذکر نہیں کیے گئے۔ خود انور شاہ کاشمیری کی کتاب میں یہ بات موجود ہے مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''وکان یقول ان مشکلات القرآن تربوا علی مشکلات

الحديث، بيد ان الاسف على ان الامة المرحومة لم تخدم القرآن مثل خدمة الحديث وكان الاعتناء به اهم منه بالحديث وقد مر قوله من انه ليس فى ذخيرة التفاسير المطبوعة تفسير للقرآن يوازى فى الرتبة فتح البارى لصحيح البخارى حاويا للمزاياه وصادعا بغوامضه''

''مولانا انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی مشکلات حدیث کی مشکلات سے زیادہ ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ امت محمدیہ نے حدیث کی جتنی خدمت انجام دی ہے اتنی قرآن کی نہیں دی۔ حالانکہ حدیث سے زیادہ قرآن سے اعتناء کرنا اہم اور ضروری تھا۔ مطبوعہ ذخیرۂ تفاسیر میں کوایسی تفسیر نہیں جو علم حدیث میں ابن حجر کی فتح الباری کے برابر ہو اور جو قرآن کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو اور اس کے غوامض کھول دینے والی ہو''۔

پس اردو زبان میں کوئی ایسا تحقیقی مقالہ یا کتاب میری نظر سے نہیں گزرا جس میں ''علم مشکل القرآن'' سے متعلق تمام امور پر تفصیلی بحث کی گئی ہو۔ عربی زبان میں چند مقالے جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ جامعہ ام القریٰ میں ایم۔ اے۔ کی سطح کا ایک مقالہ جس کا عنوان موہم الاختلاف والتناقض فی القرآن الکریم۔ اس موضوع سے متعلق ہے جو کہ یاسر بن احمد الشمالی کا ہے۔ لیکن یہ مشکل القرآن کے ایک پہلو متعارض آیات کے درمیان تطبیق سے متعلق ہے۔ اس میں قرآن کی مشکلات کے باقی پہلو مفقود ہیں۔

2۔ دوسرا مقالہ بھی ایم۔ اے کی سطح پر مولانا عبدالعزیز بن علی الحربی کا لکھا ہوا ہے جو کہ جامعہ ام القریٰ کے طالب علم ہیں۔ اس کا عنوان مشکل القرأت العشریۃ الفرشیۃ لغۃ تفسیر أو اعرابا ہے یہ بھی مشکل القرآن کی فقط ایک نوع سے متعلق ہے اس میں مشکل

قرأت کی توجیہ اوران کے درمیان تطبیق دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

3۔ تیسرا تحقیقی مقدمہ ہے جو کہ علامہ کرمانی کی کتاب متشابہ القرآن پر عدنان محمد زرزور نے لکھا ہے۔ یہ کافی مفصل مقدمہ ہے جس میں مشکل اور متشابہہ میں ربط کو ذکر کیا گیا ہے۔ نیز آیات میں مکرر الفاظ کے بیان، تقدیم و تاخیر، الفاظ کی زیادتی و کمی وغیرہ کی حکمت سے بحث کی گئی ہے۔۔ یہ بھی تمام اسباب یا مشکل کی تمام انواع کو محیط نہیں ہے۔

4۔ ڈاکٹر عبدالجبار العبیدی کا مضمون ''مشکل القرآن'' جو کہ 20 صفحات پر مشتمل ہے اور ''مجلہ الرسالۃ الاسلامیہ'' شمارہ محرم وصفر 1409ھ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مشکل کی تعریف اس کے نزول کی علت، مشکل کی تفسیر میں صحابہ کے رک جانے کا سبب اور مشکل کی اقسام کا ذکر ہے لیکن یہ بہت مختصر بحث ہے۔

5۔ باہر البرھان فی معانی مشکلات القرآن از بیان الحق نیساپوری کے مقدمہ التحقیق کی تیسری فصل اس موضوع سے متعلق ہے۔ لیکن اس میں فقط مشکل اور متشابہ کی تعریف اور اس کا علم شامل ہے۔

زیر نظر مقالہ کو چار ابواب میں منقسم کیا گیا ہے:

باب اول: علم مشکل القرآن تعارف اہمیت ارتقاء و تدوین'' میں تین فصول ذکر کی گئیں ہیں پہلی فصل تعارف پر مشتمل ہے اس میں مشکل کی لغوی اصطلاحی تعریف اور مفسرین کے ہاں مشکل کی مختلف صورتوں کا بیان ہے۔ دوسری فصل اس علم کی اہمیت وحکمت نیز مشکل آیات کی تحقیق وجستجو کے حکم پر مبنی ہے جب کہ تیسری فصل میں اس موضوع سے متعلق چیز مطبوعہ و نادر کتب کا تذکرہ ہے۔

باب دوم: ''مشکل القرآن'' کے اسباب اوران کا حل کے بنیادی اصول سے متعلق ہے۔

باب سوم: تفسیر عثمانی، تفسیر بیان القرآن اوران کے مؤلفین کے تعارف پر مبنی ہے۔ پہلی فصل میں تفسیر عثمانی اور ان کے مؤلفین کا تعارف ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس تفسیر کی چند خصوصیات کا بیان ہے۔

دوسری فصل تفسیر بیان القرآن کے تعارف، خصوصیات اور مؤلف کے تعارف پر مبنی ہے۔

تیسری فصل میں ''علم مشکل القرآن'' کے حوالے سے مذکورہ تفاسیر کے منہج کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

باب چہارم: چوتھے اور آخری باب میں دونوں تفاسیر کی روشنی میں قرآن کی چند مشکل آیات کی توجیہات کو ذکر کیا گیا ہے۔

اسلوب تحقیق:۔

مقالہ ہذا میں تحقیق کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

☆ اس مقالہ میں تفسیر عثمانی اور مؤلف کی زندگی کے حالات سے متعلق تفصیلات کے لئے تفسیر عثمانی کے مقدمہ سے بھی مدد لی گئی ہے جو مدینہ پریس بجنور، یوپی۔ انڈیا سے شائع ہوا نیز تمام امثلہ کے لئے تفسیر عثمانی کا وہ ایڈیشن استعمال کیا گیا ہے جو کہ مکتبہ بشریٰ کراچی والوں کا ہے۔ اسی طرح تفسیر بیان القرآن کے دو تین ایڈیشن اس مقالہ میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک ایچ۔ ایم سعید کراچی والوں کا ہے۔

☆ دوسرا ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان والوں کا ہے ان دونوں ایڈیشنوں کے مقدمہ سے تفسیر اور اس کے مؤلف سے متعلق معلومات لی گئیں ہیں اور شروع تا آخر تمام امثلہ کے لئے بیان القرآن کا وہ ایڈیشن استعمال کیا گیا ہے جو کہ مکتبہ رحمانیہ لاہور والوں کا ہے۔

☆ دوسرے باب میں مشکل القرآن کے اسباب اور ان کے حل کے جو اصول ذکر ہوئے ہوں وہاں وضاحت کے لئے مختلف قدیم تفاسیر سے مدد لی گئی ہے اور چوتھے باب میں

ان دو تفاسیر سے امثلہ ذکر کی گئیں ہیں تا کہ اس علم کے حوالے سے قدیم تفاسیر کا منہج بھی سامنے آجائے نیز قدیم اور جدید تفاسیر میں اس ''علم مشکل القرآن'' کے حوالہ سے موازنہ بھی ہو جائے آخر میں گفتگو کو سمیٹتے ہوئے خلاصہ بحث کو ذکر کیا گیا ہے۔

☆ حوالہ جات میں پہلے مصنف کا نام، پھر کتاب کا نام پھر جلد نمبر (اگر ہے تو) اور بعد ازاں صفحہ نمبر دیا گیا ہے جلد اور صفحہ نمبر کو ۳/۲۶ کے انداز میں لکھا گیا ہے۔

☆ کسی کتاب سے پہلی بار استفادہ کرتے ہوئے اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے بعد ازاں اسی کتاب کے حوالے کے لیے فقط معروف نام درج کیا گیا ہے۔

☆ اگر ایک ہی بیان کے دو یا دو سے زیادہ حوالے دیئے گئے ہیں تو ان کے مابین سیمی کولن (؛) استعمال کی گئی ہے۔

☆ آیات کا حوالہ دیتے وقت پہلے سورۃ کا نام، اس کا نمبر اور پھر آیت نمبر ذکر کیا گیا ہے۔

☆ احادیث کے حوالہ میں کتاب کا نام، باب کا عنوان، حدیث نمبر اور صفحہ نمبر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

☆ دو حوالوں کے یکساں ہونے کی صورت میں ایضاً کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور اگر کتاب یکساں ہو اور صفحہ نمبر مختلف ہو تو پھر کتاب کے نام کی جگہ ایضاً اور پھر صفحہ نمبر لکھا گیا ہے۔

☆ فہرست مصادر میں اُن تمام کتب کو بھی ڈالا گیا ہے جن کا اس موضوع کے حوالے سے مطالعہ کیا گیا اور اس میں بہت وقت کا بھی صرف ہوا اگر چہ کتاب کے اندر اس کا حوالہ موجود نہیں بھی ہے۔

☆ مقالہ ہذا میں عربی نصوص کا مفہوم یا ترجمہ دیا گیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ یا مفہوم اپنے کسی اُستاد سے چیک اور اصلاح کرائے بغیر نہ لکھے جائیں۔ لیکن پھر بھی اگر ترجمہ میں کوئی نقص یا خامی پائے جائے تو امید ہے کہ اسے میری کم علمی پر محمول کرتے ہوئے اس سے درگزر کیا جائے گا۔

☆ اور اس کام میں اپنی ہمت اور موجودہ وسائل کے تحت لاہور کی اکثر و بیشتر لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ہے مثلاً بیت الحکمۃ مرکزی لائبریری جامعہ پنجاب، شیخ زاہد اسلامک سنٹر لائبریری، شعبہ علوم اسلامیہ لائبریری، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، اقبال اکیڈمی لائبریری، قائد اعظم لائبریری، پنجاب پبلک لائبریری، محدث لائبریری، ادارہ معارف اسلامیہ لائبریری، جامعہ اشرفیہ لائبریری، مکتبہ رحمانیہ، مکتبہ سید احمد شہید، مکتبہ ضیاء القرآن منصورہ لائبریری وغیرہ ان تمام سے الحمدللہ استفادہ کرنے کی سعادت حاصل کی اس کے علاوہ موضوع کے حوالے سے مختلف مجلّات وجرائد اور رسائل میں شائع شدہ مضامین وغیرہ سے بھی بھرپور مدد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی نیز انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی اس موضوع سے متعلق مواد اکٹھا کیا گیا۔ الغرض موضوع کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر تمام ممکنہ ذرائع بروئے کار لائے گئے اور اپنے موضوع سے انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی علوم عالیہ میں سے علم تفسیر پر کام کرنا یہ اللہ رب العالمین کا خاص فضل وکرم ہے جو اللہ کی مدد نبی اکرم ﷺ کے وسیلے اور معزز اساتذہ کی شفقت خاص طور میری نگران مقالہ ڈاکٹر شوکت کی رہنمائی سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکا ہے۔ اپنی کم علمی و ناپختہ کاری کا مجھے شدید احساس ہے اور ممکن ہے کئی جگہ اس تحقیق میں مجھ سے کمی اور کوتاہی سرزد ہوئی ہوگی اور اس میدان میں مزید تحقیق وجستجو ابھی بھی تشنہ گام ہے پھر بھی میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ میری غلطیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اس کے فائدے کو عام کرے اور دونوں جہانوں میں میری اور میرے متعلقین کی نجات کا باعث بنائے۔ آمین۔

حافظہ ضوفشاں نصیر

باب اول

علم مشکل القرآن کا تعارف، حکم، ارتقاء و تدوین

فصل اول: علم مشکل القرآن، تعارف، حکم، ارتقاء وتدوین

فصل دوم: مشکل القرآن کی حکمت وحکم

فصل سوم: ''مشکل القرآن'' کی تاریخ وارتقاء

فصل اول: علم مشکل القرآن، تعارف، حکم، ارتقاء وتدوین

تعارف:

مشکل القرآن اور متشابہ القرآن اِن دونوں اصطلاحات کا تذکرہ علوم القرآن کی کتب میں ملتا ہے۔

متقدمین سلف صالحین کے ہاں اِن دونوں اصطلاحات میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا جبکہ متاخرین خاص طور پر علمائے اصولیین میں سے اصحاب احناف نے ان دونوں میں فرق کیا ہے اوران کو الگ الگ فن کی حیثیت سے واضح کیا ہے۔ بہر حال مشکل القرآن اور متشابہ القرآن دو الگ الگ فنون ہیں اگرچہ بعض باتوں میں دونوں میں موافقت بھی پائی جاتی ہے۔

اسی لیے پہلے ''مشکل القرآن'' کے لغوی اور اصطلاحی معنی ذکر ہوں گے اس کے بعد ''متشابہ القرآن'' کے لغوی واصطلاحی معنی ذکر کر کے ان دونوں کے درمیان موازنہ کیا جائے گا۔

مشکل کے لغوی معنی:۔

یہ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

''المشكل: اسم الفاعل من أشكل'' ۔ (۱)

اس کا مادہ ش، ک، ل ہے اور فتحہ کے ساتھ ''اَلشَّكْل'' پڑھا جاتا ہے یعنی الشبہ، والمثل۔ اس کی جمع ''اشکال'' اور ''شکول'' آتی ہے۔ لغت میں مشتبہ اور غیر واضح معاملہ کو مشکل کہتے ہیں۔

صاحب تاج العروس نے اسکے لغوی معنی اسطرح بیان کیے ہیں۔

والشكل : المثل : تقول : ''هذا على شكل هذا اى على مثاله و فلان شكل فلان اى مثله فى حالاته'' (۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشکل کے معنی ''مثل یا مانند'' کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے هذا على شكل هذا یعنی یہ اُسکی طرح ہے اور فلاں اپنے حالات میں فلاں کے مثل ہے۔

ابن منظور نے بھی یہ ہی معنی ذکر کیے ہیں۔

''هذا من شكل هذا أى من ضربه نحوه. هذا أشكل بهذا أى أشبه'' (۳)

امام ازھری نے اپنی کتاب ''تهذيب اللّغة'' میں اُشکل کا معنی ''اختلاط'' اور ''التباس'' ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں:۔

يقال : أشكل علّى الامر : اذا اختلط. التبس. مشكل: مشبّه ملتبس'' (۴)

یعنی جب کوئی معاملہ آپس میں خلط ملط ہو جائے تو اُشکل علیّ الامر کہا جاتا ہے۔

مشکل کی اصل ''مماثلت'' ہے جیسا کہ ابن فارس نے کہا ہے:

''الشين، الكاف والام معظم بابه : المماثلة. تقول هذا شكله اى مثله ومن ذلك يقال : أمر مشكل كمايقال : أمر مشتبه. اى هذا مشابه هذا و هذا دخل فى شكل هذا'' (۵)

امام راغب نے اشکال کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

''الاشكال فى الامر استعاره. كالا شتباه من الشبه۔'' (٦)

اشکال کے معانی (بطور استعارہ) کسی کام کے پیچیدہ ہو جانے کے ہیں جیسا کہ اشتباہ کا لفظ شبہ سے مشتق ہے اور مجازاً کسی امر کے مشتبہ ہونے پر بولا جاتا ہے۔

الحاصل:

مشکل کا لفظ درج ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ملتبس ۲۔مختلط ۳۔مشتبہ

۴۔مثل،مشابہ ۵۔مماثلت وغیرہ

مشکل کے اصطلاحی معنی:۔

مشکل کا لفظ بہت سے علوم مثلاً اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر اور علوم القرآن وغیرہ میں مشترک ہے اور تمام علماء نے اپنے اپنے فن کے مطابق اس کی وضاحت کی ہے پس ان تمام تعریفات کو ذکر کر کے ان کے درمیان ربط ومناسبت کو ذکر کیا جائے گا اور ''مشکل القرآن'' کی مناسب تعریف اختیار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

☆ امام طحاوی مشکل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''انی نظرت فی الآثار المروية ﷺ بالأ سانيد المقبوله الّتی نقلها ذو والتثبّت فيها، والا مانة عليها، وحسن الاداء لها، فوجدت فيها أشياء مما يسقط معرفتها والعلم فيها عن اكثر الناس، فمال قلبی الی تأملها و تبيان ما قدرت عليه من مشكلها، ومن استخراج الاحكام الّتی فيها''۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۷)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام طحاوی کے نزدیک مشکل احادیث میں صرف باہم متعارض احادیث شامل نہیں ہیں بلکہ ایسی تمام احادیث جو کسی بھی اعتبار سے مشکل ہوں مثلاً الفاظ کی غرابت، ظاہری معنی کی پوشیدگی، احکام کا استخراج واستنباط وغیرہ سب مشکل کے مفہوم میں داخل ہیں اور ان کی کتاب کے مطالعہ سے بھی یہ ہی بات ثابت ہوتی ہے۔

ابن الجوزی نے بھی یہی بات نقل کی ہے۔(۸)

☆ امام سرخسی نے مشکل کی تعریف اس طرح ذکر کی ہے۔

''هو اسم لما يشتبه المراد منه بدخوله فی أشكاله علی وجه لا يعرف المراد الّا بدليل يتميّز به من بين

سائر الاشکال۔'' (۹)

یعنی مشکل کا اطلاق ایسے مفہوم میں ہوتا ہے کہ جس کی مراد اپنے ہم شکل معانی میں خلط ملط ہوجانے کی بنا پر مشتبہ ہوجائے اور جب تک کوئی ایسی دلیل نہ آجائے کہ جو اُسکو دیگر ہم شکل معانی سے ممتاز نہ کردے اسکی مراد معلوم نہ کی جاسکے۔

اس کے علاوہ بھی فقہاء نے کئی تعریفات ذکر کی ہیں۔(۱۰)

☆ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

''هو مالا ینال المراد منه الا بتأمّل بعد الطلب المشكل: هو الداخل فی أشكاله، أی فی امثاله، وأشباهه۔'' (۱۱)

مشکل وہ ہے کہ جس کی مراد تلاش بسیار اور غور وفکر کے بعد ہی معلوم ہو۔ مشکل کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ہم مثل اور ہم شکل میں داخل ہوجاتا ہے۔

☆ ابن قتیبہ نے مشکل کی تعریف اس طرح ذکر کی ہے:

''ثم قد یقال لكل ماغمض ودق: المتشابه: وان لم تقع الحیرة فیه من جهة الشبه بغیره، ألاترى أنه قد قیل لحروف المقطعه فی أوائل السور: متشابه ولیس الشک فیها، والوقوف عندها لمشاكلتها غیر ها، والتباسها بها۔ ومثل المتشابه المشكل، وسمی مشكلا: لانه أشكل، أی دخل فی شكل غیر ہ فأشبهه وشاكله۔ ثم قد یقال لماغمض وان لم یكن غموضه من هذه الجهة مشكل۔'' (۱۲)

بسااوقات ہر اُس چیز کو متشابہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جسکا مفہوم پیچیدہ ہو۔ اگرچہ اسمیں پیچیدگی

اور حیرانی کا سبب کسی چیز کے ساتھ متشابہت نہ بھی ہو آپ دیکھتے نہیں کہ سورتوں کی ابتداء میں آنے والے حروف ومقطعات کو متشابہ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ ان میں نہ کوئی شک ہے اور نہ ہی ان کے ملتبس اور غیر کے ساتھ مشاکلت کی بناء پر ان کا سمجھنا مشکل ہے۔

متشابہ کی مانند مشکل ہے اسے مشکل اس بناء پر کہتے ہیں کہ یہ غیر کے مشابہ اور ہم مشکل ہو کر اسکے مفہوم میں داخل ہو جاتا ہے چنانچہ بسا اوقات ایسے لفظ کو بھی مشکل کہہ دیا جاتا ہے کہ جسمیں غموض ہو اگرچہ یہ غموض اس قسم کا نہ بھی ہو۔"

☆ محقق ابن امیر الحاج لکھتے ہیں:

"المشکل اصطلاحا من اشکل الامر اذا دخل فی اشکالہ۔" (۱۳)

اصطلاح میں مشکل سے مراد وہ معاملہ ہے جو اپنے ہم مثل وہم مشکل میں داخل ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہو جائے۔

☆ محب اللہ البہاری (۱۱۱۹ھ) کا کہنا ہے:

"ان یدرك المراد بالعقل فھو المشکل۔" (۱۴)

☆ اسی طرح ایک معاصر ڈاکٹر محمود حامد عثمان لکھتے ہیں:

"المشکل ھو الذی یحتاج فی فھم المراد بہ الی تفکر وتأمّل۔" (۱۵)

مشکل اُس بات کو کہتے ہیں جسکی مراد سمجھنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہے۔

☆ اسی طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی نے "محاضرات قرآنی" میں مشکلات القرآن کی وضاحت اسطرح کی ہے۔

"مشکل القرآن یا مشکلات القرآن سے مراد وہ مباحث ہیں جنکو سمجھنے کے لیے بڑی غیر معمولی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہے یہ وہ مباحث ہیں کہ جن کے بارے میں غور وفکر اور احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو بہت سی غلطیاں اور

الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔'' (۱۶)

الغرض مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علمائے لغت، اور علمائے اصول کی تعریفات آپس میں ملتی جلتی ہیں جنکی روشنی میں مشکل القرآن کی درج ذیل جامع تعریف کی جاسکتی ہے۔

''مشکل القرآن سے مراد وہ آیات قرآنیہ ہیں جنکی مراد، مفہوم اور مطلب سمجھنے میں التباس، اخفاء، ابہام، اشتباہ اور پیچیدگی پائی جاتی ہو۔ اس کا سبب آیات کا باہم تعارض بھی ہوسکتا ہے اسکے علاوہ کوئی دوسرا سبب بھی کارفرما ہوسکتا ہے۔''

متشابہ کے لغوی معنی:

متشابہ اسکا مادہ ش۔ب۔ہ۔ آتا ہے یہ شین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ آتا ہے اَلشِّبہ وَالشَّبہ اور اسی سے ایک لفظ تشبیہ ہے بمعنی ''مثل'' اِسکی جمع ''اَشباہ'' آتی ہے

لسان العرب میں متشابہ کے معنی اسطرح نقل کیے گئے ہیں:

''المشکلات : والمتشابهات : المتماثلات والتشبیه : التمثیل'' اسی طرح وَالشُّبهَتهُ: الالتباس أمورٌ مشتبهة ومشبهة: مشکلة یشبّه بعضها بعضاً''

اور اسی طرح وشبّه علیه : خلّط علیه الامر'' ۔(۱۷)

امام ازھری نے بھی متشابہ کے کم وبیش یہ ہی معنی ذکر کیے ہیں:

''شبه الشئ: اذا أشکل'' (۱۸)

امام ازھری نے لیث کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''وقال اللیث: المتشابهات من الامور : المشکلات'' (۱۹)

امام ازھری نے متشابہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شبّهتَ علّی یافلان : اذا خلّط علیک وأشتبه الامر : اذا اختلط'' (۲۰)

اسی طرح شبہ کا لفظ ''التباس'' اور ''مثل'' کے معنی کے لیے بھی آتا ہے۔

جیسا کہ صاحب تاج العروس رقمطراز ہیں:

''والشبهة، الالتباس وأيضاً: المثل'' ۔ (۲۱)

متشابہہ کی اس لغوی وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ درج ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

1۔ مثل اور مانند ہونا

2۔ اختلاط، التباس وغیرہ

3۔ نیز یہ مشکل کے معانی میں بھی آتا ہے۔

متشابہ کے اصطلاحی معنی:۔

امام راغب الاصفہانی نے مفردات القرآن میں اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

''و المتشابه من القرآن : ما أشكل تفسيره لمتشابهته بغيره. إمّا من جهة اللفظ. أو من حيث المعنى'' ۔ (۲۲)

''متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی لفظی اور معنوی مماثلت کی وجہ سے تفسیر بیان کرنا مشکل ہو''۔

ابن جریر طبری نے متشابہات کے ذکر میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں۔

الاول: ان المتشابهات : المنسوخات. قال به ابن عباس وابن مسعود رضى الله عنهما

الثانى: أن المتشابه من آى الكتاب : ما أشبه بعضه بعضاً فى المعانى، وان اختلفت الفاظه. وهو قول مجاهد۔

الثالث: أن المتشابه: ما احتمل من التاويل أوجها. وهو قول محمد بن جعفر بن زبير

الرابع: أن المتشابه : هو ماشتبهت الالفاظ به من القصص عند التكرير فى السور. بقصّه باتفاق الالفاظ واختلاف المعانى، وبقصّه باختلاف

الالفاظ و اتفاق المعانی، و ھو قول عبدالرحمن بن زید بن اسلم
الخامس: أن المتشابه : مالم یکن لاحد الی علمه سبیل مما استاثر الله بعلمه دون خلقه، و ھو قول جابر بن عبداللّٰه بن رئاب (۲۳)

یعنی (۱) متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جو منسوخ ہیں یہ ابن عباس اور ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

(۲) مجاھد کا قول یہ ہے کہ کتاب اللہ میں متشابہہ سے مراد وہ آیات ہے جو معانی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

(۳) محمد بن جعفر بن زبیر کا قول یہ ہے کہ متشابہہ سے مراد وہ ہے جو بہت سی تاویلات کا احتمال رکھتا ہو۔

(۴) عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ متشابہہ سے مراد سورتوں میں تکرار کے وقت جو قصص قرآنی مذکور ہیں ان کے مشابہ الفاظ ہیں کبھی الفاظ (قصص کے) ایک جیسے ہوتے ہیں اور معانی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی الفاظ مختلف اور معانی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

(۵) جابر بن عبداللہ بن رباب فرماتے ہیں کہ متشابہہ سے مراد وہ ہے جو اللہ کے علم میں ہے اور اس کے علاوہ مخلوق اُس سے واقف نہیں اور نہ ہے اسکی معرفت کی کوئی سبیل اُن کے ہاں ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب ''الا تقان فی علوم القرآن'' میں متشابہہ کی اصطلاحی تعریف میں کئی ایک اقوال نقل کئے ہیں جن میں چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱: محکم وہ ہے جس کی مراد صاف طور پر یا تاویل کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے اور متشابہ وہ ہے جس چیز کا علم اللہ نے اپنے لیے خاص کیا ہے جیسے قیامت کا قائم ہونا اور دجال کا خروج اور سورتوں کے اوائل کے حروف مقطعہ وغیرہ۔

۲: جس کے معنی واضح اور کھلے ہوں وہ محکم ہے اور جو اسکے برعکس ہے وہ متشابہہ ہے۔

۳: جس امر کی ایک ہی درجہ پر تاویل ہو سکے وہ محکم اور جس کی تاویل کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہو وہ متشابہہ ہے۔

۴: جس بات کے معانی عقل میں آتے ہیں اور عقل اس کو قبول کرتی ہے وہ محکم ہے اور جو اسکے خلاف ہے وہ متشابہہ ہے۔

۵: جو شے مستقل بنفسہ ہے وہ محکم ہے اور جو چیز فہم معنی میں غیر کی محتاج ہو اور مستقل بنفسہ نہ ہو اور اپنے معانی پر دلالت نہ کرتی ہو وہ متشابہہ ہے۔(۲۴)

الحاصل متشابہہ کی اِن اصطلاحی تعریفات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آیت میں تشابہ درج ذیل باتوں سے ہوسکتا ہے۔

۱۔ غیر کے ساتھ معانی یا لفظ کے لحاظ سے التباس اور مماثلت کی وجہ سے

۲۔ تاویل کی متعدد وجوہ کی وجہ سے

۳۔ معنی کے غیر واضح ہونے کی وجہ سے

۴۔ اپنی وضاحت میں متشابہہ آیت کا غیر کی محتاج ہونے اور فی نفسہ اپنے معنی پر دلالت نہ کرنے کی وجہ سے

۵۔ آیت کے منسوخ ہونے کی وجہ سے

۶۔ نیز یہاں امام راغب نے متشابہ کے لیے مشکل کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام راغب کے نزدیک یہ دونوں اصطلاحات ایک ہی ہیں۔

مشکل اور متشابہ میں موازنہ:

درحقیت متشابہ دو اقسام پر مبنی ہے۔

۱۔متشابہ بلحاظ لفظ: ایسے الفاظ یا کلمات جن کا مفہوم لفظ کے اعتبار سے پوشیدہ ہوتا ہے اور غور و فکر سے سمجھ میں جاتا ہے۔

۲۔متشابہ بلحاظ معنی: جیسے صفات باری تعالی، احوال قیامت کہ یہ اوصاف نہ محسوس کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی محسوسات کی جنس سے ہیں اس لیے انکا تصور ہمارے لیے ناممکن ہوتا ہے۔

سلف صالحین اور علمائے اصولیین (احناف کے علاوہ) نے ہمیشہ مشکل کو متشابہ لفظی میں ہی

شامل رکھا اور اُس کو ایک الگ نوع کے اعتبار سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ امام راغب اصفہانی کا متشابہ کے متعلق قول گزر چکا ہے اُن کے نزدیک بھی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح ابو الولید الباجی کا قول ہے:

''المتشابه : ''هو المشكل الذى يحتاج فى فهم المر ادبه الى تفكّر و تأمّل۔''(۲۵)

''یعنی متشابہ سے مراد وہ مشکل ہے جنکا معنی سمجھنے کے لیے بہت غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اسی طرح امام شاطبی نے بھی ان دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔

''المتشابه: ما أشكل معناه، ولم يبيّن مغزاه۔'' (۲۶)

اسی طرح علامہ زرکشی اپنی کتاب ''البرھان فی علوم القرآن'' کی چھتیسویں نوع جسکا نام ''معرفة المحكم من المتشابه'' ہے میں لکھتے ہیں:

''المتشابه مثل المشكل۔'' (۲۷)

اسی طرح سیوطی نے بھی ان دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔

البتہ متأخرین اور علمائے احناف نے ان کو الگ الگ قرار دیا ہے جیسا کہ ابن عقیلہ نے اپنی کتاب ''الزيادة والاحسان فى علوم القرآن'' میں اس طریق کو اختیار کیا ہے۔

پس ابن عقیلہ نے اپنی کتاب میں سوویں ((100 نوع کی ابتدا میں مشکل کی تعریف ذکر کی ہے اور اس نوع کا نام ''علم نصه و مشكله'' رکھا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''وامّا المشكل: فهو ما أشكل معناه على السامع ولم يصل الى ادراكه الاّ بدليل آخر۔'' (۲۸)

مشکل وہ ہے جس کے معنی میں سامع کو اشکال واقع ہو اور اُسکو اس کے معنی کا کسی دوسری دلیل کے بغیر ادراک نہ ہو سکے۔''

اسی طرح امام زبیدی نے ''تاج العروس'' میں مشکل اور متشابہ کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ (۲۹)
متشابہ بلحاظ معنی یہ محکم کے مقابلے میں ہے جسکا ذکر سورت آل عمرآن کی آیت نمبر ۷ میں موجود ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ (آل عمرآن ۳:۷)

اس متشابہ کے معنی تک عقلاً، نقلاً یا کسی اور ذرائع سے بھی رسائی ممکن نہیں ہے۔ مثلاً حروف مقطعات صفات باری تعالی اور احوال قیامت وغیرہ۔ راسخین فی العلم کا ان آیات کے مفہوم سے آگاہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے ان آیات کا حکم یہ ہے کہ ان کا علم اللہ کے سپرد کر کے ان پر ایمان لایا جائے اور ان سے بحث کرنے اور ان کی بے جا تاویلات بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔''

الحاصل اس ساری بحث سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ متقدمین اور اصولیین نے متشابہ اور مشکل کو ایک قرار دیا ہے جبکہ متاخرین کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ ہیں۔

۲۔ علماء جہاں ان دونوں کو ایک کہتے ہیں۔ وہاں ان کے نزدیک متشابہ سے مراد متشابہ لفظی ہوتا ہے۔

۳۔ مشکل یا متشابہ لفظی سے مراد ایسی آیات ہیں جنکا مفہوم یا معنی غیر واضح ہوتا ہے اور یہ ابہام غور و فکر سے دور ہوسکتا ہے اسی لیے متشابہ بلحاظ معنی اس بحث سے خارج ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''ولا قال قط أحد من السلف الصالحين ولا من الائمة المتبوعين: ان فی القرآن آیات لایعم معناها ولا یفهمها

رسول ﷺ ولا أهل العلم والایمان جمیعهم وانما قد ینفون علم بعض ذلك عن بعض الناس، وهذالاریب فیه‘‘ (۳۰)

یعنی امت کے سلف صالحین اور اُن کے پیروکار آئمہ میں سے کسی نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ قرآن میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جنکا مفہوم و معنی نہ تو رسول اللہ ﷺ جانتے تھے اور نہ ہی سارے کے سارے اہل علم وایمان اس سے ناواقف ہیں البتہ بعض لوگوں کا علم دوسرے لوگوں سے بڑھا ہوا ہے اور اس میں شک کی کوئی بات نہیں۔

مفسرین کے ہاں ’’مشکل القرآن‘‘ کی مختلف صورتیں

محدثین کی طرح مفسرین نے بھی ’’مشکل‘‘ کی اصطلاح کو عام رکھا ہے اور ہر ایسی چیز کو جس سے قرآن کریم کی آیت کا سمجھنا دشوار ہو جائے اور اسکا معنی مرادی واضح نہ ہو ’’مشکل‘‘ میں شامل کیا ہے۔ کتب تفسیر اور علوم القرآن کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ ہی بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ مفسرین کے ہاں ’’قرآن کریم کی آیت میں ’’اشکال‘‘ کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

’’مشکل‘‘ بلحاظ لفظ:

لفظ یا کسی بھی کلمہ سے متعلق درج ذیل اسباب کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔

(۱) لفظ کا غریب ہونا: اگر کسی لفظ کا معنی واضح نہ ہو تو یہ چیز بھی مفسرین کے نزدیک آیت کو مشکل بنا دیتی ہے۔

(۲) اگر ایک لفظ کئی معنوں میں مشترک ہو۔ تو یہ بھی مفسرین کے ہاں آیت کے اشکال کا باعث ہے کہ اِن مشترک معنوں میں سے کونسا معنی آیت کی وضاحت کرتا ہے اس لئے ایسی آیات کو بھی وہ مشکل کہہ دیتے ہیں۔

(۳) اگر ایک لفظ کا اطلاق حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں یکساں ہو۔ تو یہ چیز بھی مفسرین کے ہاں آیت کے مفہوم کو مشکل کر دیتی ہے۔

اسکی بے شمار مثالیں کتب تفاسیر میں منتشر ہیں تمام کو یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں اس لیے یہاں ایک دو مثالیں ذکر کی جائیں گی تا کہ ان سے واضح ہو جائے کہ واقعی مفسرین لفظ سے متعلق ان اسباب کو آیاتِ قرآنی کے مفہوم کے اشکال کا سبب گردانتے ہیں۔

۱: امام طبری اپنی تفسیر ''جامع البیان'' میں اللہ رب العزت کے اس ارشاد گرامی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ ۲:۲۲۸)

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''قروء'' کا معنی واضح نہ ہونے کی وجہ سے مفسرین کے ہاں اللہ رب العزت کے اس قول کی وضاحت مشکل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد وہ علماء کے لفظ ''قروء'' سے متعلق اقوال ذکر کرتے ہیں۔(۳۱)

۲: مکی بن ابی طالب نے اپنی تفسیر کا نام ''تفسیر المشکل من غریب القرآن العظیم'' رکھا ہے۔ اِس کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ''غریب القرآن'' بھی ''مشکل القرآن'' کی ایک صورت ہے۔

مشکل بلحاظ معنی:۔

اگر الفاظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے تو واضح ہوں لیکن یہ معلوم نہ ہوتا ہو کہ لغوی معنی کا آیتِ قرآنیہ میں اطلاق کس طرح کیا گیا ہے یا پھر کلام کے بلاغی اسلوب کے دقیق ہونے کی بناء پر بھی مفسرین آیت کے مفہوم کو مشکل قرار دیتے ہیں مثلاً:

۱: امام طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں اللہ رب العزت کے اس قول

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ ۲:۱۸۲)

کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''فان 'أشكل' ماقلنا من ذلك على بعض الناس فقال :

مماوجه الاصلاح حينئذ والاصلاح انمايكون بين المختلفين فى الشئى؟ قيل۔۔۔۔ الخ (۳۲)

''بعض لوگوں کو اس آیت کے متعلق اشکال ہوا وہ یہ کہ یہاں صلاح کی کیا صورت ہوگی جبکہ صلح تو کسی چیز کے بارے میں دو اختلاف کرنے والوں کے درمیان کرائی جاتی ہے۔ اس کے بعد امام طبری آیت کی مفصل تشریح کرتے ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں صاحب ذوق تفسیر میں وضاحت ملاحظہ فرمالیں۔ پس اس مثال میں ''صلح'' کا لغوی معنی معلوم ہونے کے باوجود آیت کے مفہوم میں ابہام ہے جیسا کہ امام طبری نے اسکے لیے ''اشکل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۲: ابن کثیر اپنی تفسیر ''تفسیر القرآن العظیم'' میں سورہ یوسف کی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ (یوسف ۱۲:۹۹)

''وقد أشكل لقوله تعالى على كثير من المفسرين. فقال بعضهم: هذا من المقدم والمؤخر۔۔۔۔۔۔ الخ'' (۳۳)

بہت سے مفسرین کو اس آیت میں اشکال پیدا ہوا ہے پس ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے۔ اسکے بعد ابن کثیر بہت سے اقوال اِسکی وضاحت میں ذکر کرتے ہیں۔

پس اس مثال سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ کے تمام الفاظ کے لغوی معنی ظاہر ہونے کے باوجود عبارت کے اندر تقدیم وتاخیر کی وجہ سے مفہوم غیر واضح اور مشکل ہوگیا۔

نمبر ۳:۔ ابوحیان اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں جب سورۃ یونس کی اس آیت تک پہنچتے ہیں:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یونس ۱۰:۶۱)

اسکے ضمن میں وہ علامہ زمخشری کا کلام نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشکال پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

''وانما أشكل عنده لان التقدير يصير : الا فى كتاب فيغرب. وهذاكلام لا يصح وخرّجه ابوالبقاء على أنه استثناء منقطع تقديره : لكن هو فى كتاب مبين ويزول بهذا التقدير الاشكال۔'' (۳۴)

''زمخشری کے نزدیک یہ مقام مشکل المعنی ہے کیونکہ تقدیری عبارت یوں بن رہی ہے (الا فی کتاب فیعزب) اور یہ کلام ٹھیک نہیں ہے۔ ابوالبقاء نے اسکی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہاں استثناء منقطع ہے، تقدیری عبارت یوں ہے۔ لكن هو فى كتاب مبين۔ یوں اس تقدیری عبارت سے اشکال ختم ہوجائے گا۔

پس سورۃ یونس کی اس آیت میں ''حذف'' کی وجہ سے کلام غیر واضح ہے اور مفسرین نے اسکے لیے بھی اشکال کا لفظ استعمال کیا ہے گویا یہ بھی ''مشکل القرآن'' کی ایک صورت ہے۔

''مشکل بلحاظ قرأت''

بعض دفعہ کسی آیت مبارکہ میں ایک لفظ کی مختلف قرأتیں بھی اشکال پیدا کر دیتی ہیں اور مفہوم کو دشوار بنا دیتی ہیں۔ اسی لیے مفسرین نے قرأت کے اختلاف کے سلسلے میں بھی ''مشکل'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اسکی مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱:۔ عز بن عبدالسلام نے اپنی کتاب ''فوائد فی مشکل القرآن'' میں سورۃ البقرہ کی یہ آیت نقل کی ہے:

''قوله عزوجل :

وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ (البقرہ:۲۱۰)

بضم التاء ''مشكل، لأنّه : لا أحد يرجع الامور الى اللّٰه۔'' (۳۵)

یہاں عز بن عبدالسلام نے ترجع میں دو قرأتوں کا ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ تاء کے ضمہ کے ساتھ قرأت یہ (مفہوم کے اعتبار سے) آیت کو مشکل بنا دیتی ہے اس لیے کہ کوئی ایک بھی اللہ کی طرف

معاملات کو لوٹا نہیں سکتا۔

نمبر ۲: ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''قوله تعالٰی (وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾)

(الانعام:۱۰۹)

وفى (أنّها) قرأتان. فقرأة النصب أحسن القرأتين، وهى التّى ''اشكلت'' على كثير من أهل العربيه'' (۳۶)

یعنی أنها میں دو قرأتیں ہیں ایک نصب کے ساتھ اور دوسری کسرہ کے ساتھ پس نصب کی قرأت دونوں سے بہتر ہے اور یہ ہی بات اہل عرب کے ہاں اشکال کا باعث ہے پس یہاں ایک قرأت کی توجیہ کو مشکل قرار دیا جا رہا ہے۔ پس ان مثالوں سے یہ بھی بات واضح ہوتی ہے کہ مفسرین نے قرأت کے اختلاف کے لیے بھی ''مشکل'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اُس کو اشکال کی صورتوں میں سے ایک صورت قرار دیا ہے۔

''مشکل بلحاظ اعراب''

مفسرین کے ہاں ''اعراب'' کی وجہ سے بعض آیات کے مفہوم میں جو پیچیدگی اور ابہام پیدا ہوتا ہے وہ بھی ''مشکل القرآن'' کی صورتوں میں سے ایک ہے اسی لیے اکثر کتب کا نام ہی ''مشکل اعراب القرآن'' ہے مثلاً

نمبر ۱: مکی بن ابی طالب القیسی نے اپنی کتاب کا نام ''مشکل اعراب القران'' رکھا ہے اس کتاب کے مقدمہ میں وہ اعراب سے متعلق اشکالات کو دور کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اذ بمعرفة حقائق الاعراب تعرف اكثر المعانى، وينجلى الاشكال، فتظهر الفوائد، ويفهم الخطاب، وتصّح معرفة حقيقة المراد۔'' (۳۷)

یعنی جب اعراب کے حقائق کی معرفت حاصل ہو جائے تو اکثر معانی معلوم ہو جاتے ہیں،

مشکل حل ہو جاتی ہے، فوائد ظاہر ہوتے ہیں خطاب سمجھ میں آجاتا ہے اور حقیقی معنی مراد کی معرفت درست ہو جاتی ہے۔

نمبر ۲:۔ عز بن عبد السلام لکھتے ہیں:

''قوله عزوجل : (قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ) (ھود ۱۱: ۳۵)

مشكل، لأن المشر كين قالوا: افترى القرآن، فهذا يقتضى أن يكون ''افتريته ماضيا على بابه لكن أئمة العربية أجمعوا على أنّ الشرط لايكون الاّمستقبلا. فان كان المراد المضىّ أخلّ بالشرط، وان كان الاستقبال أخلّ بالجواب اذا لا يكون مطابقا والجواب۔۔الخ (۳۸)

پس اللہ رب العزت کا یہ قول (قل ان افتريته فعلىّ اجرامى) نحوی اعتبار سے مشکل ہے اس لیے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ قرآن گھڑا گیا ہے۔ پس اُن کی یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ یہاں اس آیت میں افتريته اپنے باب افتعال سے ''ماضی'' واقع ہو۔ جبکہ تمام آئمہ عرب اس بات پر متفق ہیں کہ شرط ہمیشہ فعل مضارع ہوا کرتی ہے۔ پس اگر مراد کے مطابق یہاں پر ماضی کا ہی صیغہ ہو تو پھر یہاں شرط کا معنی نہیں پایا جائے گا اور اگر فعل مضارع کو یہاں مانا جائے تو اس شرط کا جواب مفقود ہوگا۔ پس یہاں مطابقت کی کوئی صورت نہیں۔ اسکے بعد عبد السلام اس اشکال کا جواب ذکر کرتے ہیں:

پس نحوی اعتبار سے بھی بعض اوقات آیات کا مفہوم سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور اسکے لیے بھی مفسرین کے ہاں مشکل کی اصطلاح رائج ہے۔

مشکل بلحاظ تعارض آیات:۔

ایسے اشکالات جن کا تعلق اُن آیات سے ہے جن میں تعارض کا وہم ہوتا ہے مفسرین کے ہاں وہ بھی ''مشکل القرآن'' کی ایک صورت ہے اور اسکی بحث میں یہ اشکالات بھی داخل ہیں مثلاً

نمبر ا: ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''تاویل مشکل القرآن'' میں ایک باب باندھا ہے جسکا نام

انہوں نے ''باب التناقض والاختلاف'' رکھا ہے پھر اس باب میں اُن آیات کو ذکر کیا ہے جن کے بارے میں تعارض اور اختلاف کا گمان کیا جاتا ہے پھر اُن کے جوابات ذکر کیے ہیں۔

نمبر ۲: امام رازی اپنی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' میں جب اس آیت پر پہنچتے ہیں تو ذکر کرتے ہیں:

''ظاهر قوله تعالى : (قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹) (المائدہ ۵:۱۰۹)

يدل على أن الانبياء لايشهدون لاممهم. والجمع بين هذا وبين قوله تعالى: (فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝۴۱) (النساء ۴:۴۱) 'مشكل'۔'' (۳۹)

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ سورۃ نساء کی آیات کا مفہوم بظاہر ایک دوسرے کے مخالف ہے اس لیے ان کو جمع کرنا ''مشکل'' ہے۔ اس کے بعد امام رازی اس اشکال کے جوابات ذکر کرتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے تفصیل کو حذف کیا جارہا ہے تفصیل کے لیے تفسیر کا یہ مقام ملاحظہ کرلیا جائے۔

نمبر ۲: اسی طرح امام قرطبی اپنی تفسیر میں سورۃ بقرہ کی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ (البقرہ ۲:۲۵۳)

''هذا آية مشكلة. والاحاديث ثابتة بأن النبى ﷺ قال: لاتخيّروا بين الانبياء۔'' (۴۰)

''سورۃ بقرہ کی یہ آیات اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس میں بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت ثابت ہوتی ہے جبکہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

اسکے بعد امام قرطبی نے اس اشکال کے جوابات ذکر کیے ہیں طوالت کے خوف کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا جارہا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) الحملاوی، احمد بن محمد، شذ العرف فی فن الصرف: ص۹۷، دار ابن کثیر، ط۱، ۱۴۱۱ھ

(۲) زبیدی، محمد مرتضی، تاج العروس من جواهر القاموس، ۱۴/۳۸۰، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۷/۱۷۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ

(۴) الازهری، ابومنصور محمد بن احمد، معجم تهذیب اللغة: ۲/۱۹۱۶-۱۹۱۷، دار المعروفة، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ

(۵) ابن فارس، ابو الحسن احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغة: ۳/۲۰۴، مکتبه دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ

(۶) الاصفهانی، الراغب، العلامة، المفردات فی غریب القرآن: ۲۶۹، قدیمی کتب خانه، کراچی، س-ن

(۷) طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الازدی (م۳۲۱ھ)؛ شرح مشکل الآثار: ۱/۶، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

(۸) ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی محمد القرشی التیمی، (م۵۹۷ھ)، کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱/۶، دار الوطن، سعودی عرب، ط۱، ۱۴۱۸ھ

(۹) سرخسی، محمد بن احمد بن ابی بکر، اصول السرخسی: ۱/۱۶۸، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، س-ن

(۱۰) ملاحظہ فرمائیے: رفیق العجم، ڈاکٹر، موسوعة مصطلحات اصول

الفقه عند المسلمین: ۱۴۱۸، مکتبه لبنان، بیروت، ط ا، ۱۹۹۸؛
محمد ادیب صالح، تفسیر النصوص فی الفقه الاسلامی: ۱/۲۵۳، المکتب الاسلامی، ط ۳، ۱۴۰۴ھ

(۱۱) جرجانی، محمد بن علی، التعریفات: ۱۹۵،۱۹۶، دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۱۴۲۸ھ

(۱۲) ابن قتیبه، عبد الله بن مسلم، ابومحمد، تاویل مشکل القرآن: ۱۰۲، مکتبة العلمیه، بیروت، لبنان، س ن

(۱۳) ابن امیر الحاج، محمد بن محمد، التقریر والتحبیر شرح التحریر: ۱/۱۵۹، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، ۱۹۸۳م

(۱۴) البهاری، محب الله بن عبد الشکور، الهندی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ۲/۵، المطابع الانصاری، دهلی، ۱۸۹۹م

(۱۵) محمود حامد، ڈاکٹر، القاموس القویم فی اصطلاحات الاصولیین: ۲۲۵، دار الحدیث، قاهرة، ۱۹۹۶م

(۱۶) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی: ۳۰۶، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

(۱۷) لسان العرب: ۷/۲۳

(۱۸) معجم تهذیب اللغة، ۲/۱۸۲۴

(۱۹) أیضاً

(۲۰) أیضاً

(۲۱) تاج العروس من جواهر القاموس: ۱۹/۵۱

(۲۲) المفردات فی غریب القرآن: ۲۵۷

(۲۳) طبری، محمد بن جریر بن یزید، ابوجعفر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن: ۶/۱۷۴ تا ۱۸۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ

(۲۴) یہ تعریفات ''الاتقان'' سے ماخوذ کی گئی ہیں مکمل حوالہ درج ذیل ہیں۔

سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۳، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن

(۲۵) الباجی، سلیمان بن خلف القرطبی، ابو الولید، احکام الفصول فی أحکام الاصول: ۱/۱۷۶، دار العرب الاسلامی، دمشق، ط۲، ۱۴۱۵ھ

(۲۶) شاطبی، ابراهیم بن موسی بن محمد، ابواسحاق، امام، (م۷۹۰ھ)، الاعتصام: ۲/۷۳۶، دار ابن عفان، المملكة العربيه السعوديه، ط۱، ۱۴۱۲ھ

(۲۷) زرکشی، محمد بن عبد اللّٰہ بن بهادر المصری الشافعی، ابو عبد اللّٰہ (م۷۹۴ھ)، بدر الدین، امام، البرهان فی علوم القرآن، ۲/۲۰۰، دار المعرفة، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۱۵ھ

(۲۸) ابن عقیله، محمد بن احمد بن سعید (م۱۵۰ھ)، الزیادة والحسان فی علوم القرآن: ۳/۹۲۶ بحواله عبد اللّٰہ بن حمد المنصور، مشکل القرآن الکریم: ۷۷، مکتبه ابن الجوزیه للنشر والتوزیع، امام، سعودی عرب، ۱۴۲۶ھ

(۲۹) ملاحظه فرمائیے: تاج العروس: ۱۹/۵۱

(۳۰) ابن تیمیه، تقی الدین احمد، ابو العباس، شیخ الاسلام، مجموع فتاویٰ ابن تیمیه: ۱۳/۲۸۵، جمع: عبد الرحمن بن قاسم، مجمع الملک فهد للطباعة المصحف الشریف، الریاض، ۱۴۱۶ھ

(٣١) جامع البیان: ۴/۵۱۲

(٣٢) جامع البیان: ٣/۴٠۴

(٣٣) ابن کثیر. عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر، حافظ. تفسیر ابن کثیر: ٣/۴٦٩، دار طیبه، ط١، ١۴١٨ھ

(٣۴) ابوحیان. محمد بن یوسف بن علی بن یوسف، البحر المحیط: ۵/١٧٣، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط٢، ١۴٢٠ھ

(٣۵) عز بن عبد السلام. فوائد فی مشکل القرآن: ٩٧، دار الشروق، جده، ط٢، ١۴٠٢ھ

(٣٦) ابن تیمیه، تقی الدین احمد، ابو العباس، شیخ الاسلام، تفسیر آیات التی اشکلت علی کثیر من العلماء: ١/١٣۵ تا ١٣٦، مکتبه الرشد، السعودیة، ط١، ١۴١٧ھ

(٣٧) القیسی، مکی بن ابی طالب حموش بن محمد، مشکل اعراب القرآن: ٦٣، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۴، ١۴٠٨ھ

(٣٨) فوائد فی مشکل القرآن: ١٣٨ تا ١٣٩

(٣٩) الرازی، فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر بن الحسن، (م ٦٠٦ھ)، مفاتیح الغیب: ١٢/١٠١، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، ط١، ١۴١١ھ

(۴٠) قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن: ٣/٢٦١، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ١۴٠۵ھ

فصل ثانی: مشکل القرآن کی حکمت و حکم

قرآن کریم میں ''مشکل القرآن'' کے وجود کی حکمت:۔

قرآن عظیم اللہ رب العزت کا بے مثال کلام ہے۔ پہلے ہی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں ایک وہ آیات ہیں جو فقط ایک ہی معنی کا احتمال رکھتی ہیں اور ان کا کوئی دوسرا معنی نہیں ہوتا اور دوسری وہ آیات جو کئی معنی کا احتمال رکھتی ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے مفسرین مختلف معنی متعین کرتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں واقع ہونے والے اشکالات کا مقصد کیا ہے اور ان کے قرآن میں پائے جانے کی حکمت کیا ہے؟ نیز یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو اپنے بندوں کی ہدایت اور شریعت کے بیان کے لیے نازل فرمایا ہے اب اس بات میں کیا حکمت تھی کہ متشابہ آیات نازل کی گئیں جن سے بیان اور ہدایت کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ایسا متشابہ جس کا علم ممکن ہے تو اُس کے فائدے ہیں اُن میں سے چند فوائد اور حکمتیں درج ذیل ہیں۔

ا:۔ اسلام سے قبل اہل عرب اپنے آپ کو فصحاء اور بلغاء کہلاتے تھے اور اپنے مقابلے میں دوسری اقوام کو عجمی (گونگا) کہتے تھے۔ عربوں کے ہاں بڑے بڑے ادبی مقابلے منعقد ہوتے تھے اور ان مقابلوں میں مختلف قبائل کے فصحاء اور ادباء شرکت کرتے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور ان مقابلوں کے باعث اِن کے درمیان الفاظ اور اسلوب کا بھی تبادلہ ہوتا پھر آہستہ آہستہ ادب و فصاحت کے تمام مراکز اور گفتگو کی تمام جولانیاں قریش کی لغت میں ضم ہو گئیں اور یہی وہ لغت ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ پس قرآن نے جو اپنا مثل لانے کا چیلنج کیا تھا وہ فقط ایک خاص قبیلہ کے لیے نہ تھا بلکہ تمام عرب کے لیے وہ چیلنج کیا گیا تھا یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم عرب کے اسلوب کے مطابق نازل ہوا تھا۔ اس میں علم المعانی ادب، علم البیان کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں مثلاً اختصار، اطناب، تقدیم و تاخیر اور حقیقت و مجاز وغیرہ۔ لیکن قرآن کریم نے عربوں کے دل و دماغ پر عجیب اثر کیا یہاں تک کہ اکثر

عرب قرآن کریم سنتے اور اُس سے متاثر ہوتے یہاں تک کہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔

اہل عرب کے پاس لسانی اسباب اور قوت بیان کی فراوانی تھی انہوں نے قرآن کی آیات کو خوب پرکھا، ہر لحاظ سے الٹ پلٹ کر دیکھا، اسمیں شعر و نثر کو دیکھا لیکن اُنہیں چھیڑ چھاڑ کی کوئی راہ نہ ملی اور نہ ہی کوئی ایسا راستہ ملا جس سے بالآخر وہ قرآن کریم کا معارضہ کرنے سے عاجز آ گئے حالانکہ وہ اُن کے طرز کلام سے باہر نہ تھا۔ نہ لفظوں میں نہ حروف میں، نہ ترکیب میں اور نہ ہی اسلوب میں، لیکن حروف کا ملانا، خوشنما عبارت، شیریں اسلوب، آیات کی تنبیہ، بیان میں ہر قسم کی صورت حال کی رعایت، اسمیہ اور فعلیہ جملے، نفی اور اثبات، ذکر و حذف، معرفہ و نکرہ کا استعمال، تقدیم و تاخیر، حقیقت و مجاز، طول و اختصار، عام و خاص کی رعایت نص اور مفہوم سے مقصد کو واضح کرنا اسی طرح اور بہت سارے امور ہیں جن میں قرآن کریم کو وہ عظمت و رفعت حاصل ہے کہ انسانی لغوی طاقتیں اسکے سامنے بالکل عاجز ہیں۔

پس اگر سارے کا سارا قرآن واضح اور محکم ہوتا یہاں تک کہ کسی ایک بھی سننے والے پر اُسکی مراد مخفی نہ رہتی تو پھر چیلنج کا کیا فائدہ ہوتا؟ یا پھر اہل عرب اُس کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ پس قرآن میں یہ لغوی، معنوی اور اسلوب بیان کی مشکلات ہی تھیں جنہوں نے عربوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور قرآن کے معارضہ سے عاجز کر دیا۔

۲:۔ مشکلات کی قرآن کریم میں پائے جانے کی دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ علماء کو ایسے غور و فکر پر آمادہ کرنے کا موجب ہے جس سے قرآن مجید کی مخفی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور اُسکی باریکیوں کو کریدنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے دقائق کی معرفت کی طرف مائل ہونا قرب و ثواب کا باعث ہوا کرتا ہے۔

۳:۔ اس طرح کے اشکالات کے پیش آنے سے انسانوں کا فہم میں باہم کم و بیش ہونا اور اُن کے درجوں کا تفاوت عیاں ہوتا ہے ورنہ اگر تمام قرآن پاک اسی طرح کا محکم ہی ہوتا جس میں تاویل اور غور فکر کی ضرورت نہ ہوتی تو اُس کے سمجھنے میں تمام مخلوق کا درجہ یکساں اور مساوی ہو جاتا اور عالم کی

بزرگی غیر عالم پر ظاہر نہ ہوسکتی۔

۴:۔ ان اشکالات کا مقصد اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہے تاکہ ناپاک لوگ پاک لوگوں سے اور مومن منافق لوگوں سے الگ ہوجائیں۔ کیونکہ جولوگ قرآن شکوک وشبہات اور تعارض کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے نفاق اور لحاد میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے ایسے لوگوں کے رد کے لیے جو کتاب لکھی اُسکا نام ''الردُّ علی الزنادقة والجهمية فيما شكّت فيه من متشابه القرآن'' اوراسی طرح محمد المستنیر المعروف ''قطرب'' نے اپنی کتاب کا نام ''الرّد علی الملحدين فی متشابه القرآن'' رکھا ہے۔

۵:۔ مشکلات القرآن کے وجود کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ جب مشکلات کے حل کی کوشش کی جائے گی تو قرآن کے احکام ظاہر ہوں گے نیز قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت، ربط آیات اور الفاظ کی حقیقت بھی لوگوں پر عیاں ہوگی جس سے قرآن کی عظمت ثابت ہوگی۔

۶:۔ مشکلات کا حل کرنا اور معنیٰ مراد کی تہہ تک پہنچنا مزید مشقت ومحنت کا موجب ہے اور جتنی مشقت زیادہ ہوا تنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔

۷:۔ پس ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ قرآن شریف میں مشکل آیتوں کے وجود ہی سے اُس کی تاویل کے طریقوں کا علم اور بعض آیت کو بعض دوسری آیت پر ترجیح دینے کے اصول معلوم کرنے کی حاجت پڑتی ہے۔ اور اِس بات کو معلوم کرنا زباندانی، علم نحو، علم معانی، علم بیان، اور اصول فقہ وغیرہ بہت سے علوم کو حاصل کرنے پر موقوف ہے پس اگر قرآن میں ایسی مشکل آیات نہ ہوتیں تو ان بہت سے علوم کو حاصل کرنے کی کیا حاجت ہوتی؟ پس یہ ان متشابہ آیات کی برکت ہے کہ لوگ اِن علوم کو سیکھتے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

۸:۔ ان مشکل آیات کے وجود میں مسلمانوں کے لیے تواضع کا سامان موجود ہے اور اُنکی تربیت بھی

مقصود ہے۔ پس جب ایک شخص کو یہ پتہ چلے گا کہ قرآن مجید کی کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو اُس کو معلوم نہیں البتہ اُس کے علاوہ کوئی دوسرا اِن سے واقف ہے تو یہ چیز اُسکو مزید علم حاصل کرنے اور اپنی کم علمی کا اعتراف کرنے پر اُبھارے گی۔

۹:۔ پس مشکل آیات کی تاویل معلوم کرنا یہ چیز قرآن مجید کے طالبعلم کو غور وفکر اور تدبر کی طرف مائل کرتی ہے اور اُسکو دلائل سمجھنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور یہ ہی وہ چیز ہے جس سے اندھی تقلید سے نجات حاصل ہوتی ہے

۱۰:۔ اگر سارا قرآن محکم ہی ہوتا تو اِس سے فقط ایک ہی مذہب کی تائید ہوتی۔ بلکہ وہ صراحتاً اُس ایک مذہب کے ماسوا باقی تمام مذاہب کو باطل ٹھہراتا۔ اور یہ بات ایسی تھی جو کہ اور مذہب والوں کو قرآن شریف دیکھنے، اُس پر غور کرنے، اُسے قبول کرنے اور اُس سے نفع اٹھانے سے نفرت دلاتی۔ لہذا جب کہ قرآن شریف محکم اور متشابہ دونوں قسم کی آیتوں پر مشتمل ہے تو اب ہر ایک مذہب کے آدمی کو اس میں کوئی اپنے عقیدہ کی تائید اور طرف داری کرنے والی بات مل جانے کی طمع ہوگی اور جملہ اہل مذاہب اس کو دیکھیں گے اور نہ صرف دیکھیں گے بلکہ بہت غور وفکر کے ساتھ اس کے معانی اور مطالب سمجھنے کی سعی کریں گے پھر جس وقت وہ فہم قرآن شریف کی جدوجہد میں ذرا بھی مبالغہ کریں گے تو محکم آیتیں متشابہ آیتوں کی تفسیر بن کر اُن کو تمام مطالب بخوبی بتادیں گی اور اس طرح سے ایک بھٹکے ہوئے شخص کو لغویت کے پھندے سے نکل کر منزل حق پر پہنچ جانا نصیب ہوجائے گا۔

مشکل آیات کی تحقیق وجستجو کا حکم:

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل ۱۶: ۴۳، ۴۴)

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں ابن عطیہ فرماتے ہیں:

''وقوله (لتبيّن) يحتمل أن يريد لتبيّن بسردك نص القرآن مانزل. ويحتمل أن يريد بتفسيرك المجمل. وشرحك ماأشكل ممّا نزل. فيدخل فى هذا مابيّنته السنة من أمر الشريعة. وهذاقول مجاهد۔''(١)

''لتبین'' کئی احتمال رکھتا ہے، ایک معنی تو یہ ہے کہ قرآن کی جو آیت نازل ہوتی ہے اسے بیان کریں؟ ایک احتمال یہ ہے کہ آپ اپنی تفسیر کے ذریعے قرآن کے مجمل کی وضاحت کریں، اور جن معانی کا سمجھنا پیچیدہ ہے ان کی شرح کریں، اس مفہوم میں وہ تمام چیزیں داخل ہو جاتی ہیں کہ جن احکام شریعت کی سنت مطہرہ وضاحت کرتی ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

پس جب بھی قرآن پڑھنے والے کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ پڑھنے والا اُس مشکل کا حل جاننا چاہتا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جب بھی صحابہ کو قرآن کریم میں کوئی اشکال پیدا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیان سے اُس اشکال کو دور فرماتے۔ پس اس میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ جب بھی مسلمان کو کوئی اشکال واقع ہو تو وہ فوراً اِس اشکال کو دور کرنے کے لیے اہل علم سے رجوع کرے۔

ابن کثیر سورۃ النحل کی اس آیت کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں۔

''(وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ) يعنى القرآن. (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) من ربهم. أى لعلمك بمعنى ماانزل عليك. و حرصك عليه. واتباعك له. لعلمنا بانّك أفضل الخلائق وسيد ولد آدم. فتفصّل لهم ما أجمل. وتبيّن لهم ماأشكل{ ولعلهم يتفكّرون} اى : ينظرون لأنفسهم فيهتدون. فيفوزون بالنّجاة فى الدارين۔'' (٢)

ترجمہ :۔ ''وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ'' ذکر سے مراد ہے قرآن۔ ''لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ'' یعنی رب کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے اس کی وضاحت کریں کیونکہ آپ اس کے معنی کو جانتے ہیں اسے بیان کرنے کے آپ مشتاق ہیں اور اسکی اتباع بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ افضل مخلوقات ہیں اولاد آدم کے سردار ہیں۔ سو آپ ہی مجمل کی وضاحت کریں گے اور مشکل کو بیان کریں گے۔ ''لعلهم یتفکرون'' تاکہ وہ اس چیز میں غور کریں کہ جو ان کے لیے سودمند ہے تاکہ وہ ہدایت اور کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

پس مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشکل کی تحقیق اور جستجو ایک مستحسن امر ہے۔ البتہ ایسا شخص اور اسکا فعل قابل مذمت ہے جو کہ مشکل کی تحقیق غلط نیت اور ارادے سے کرتا ہے ایسے شخص کا قصد عوام میں مغالطہ ڈالنا اور مسلمانوں کے دل ودماغ میں قرآن کریم سے متعلق شکوک وشبہات ڈالنا ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کا متشابہات کے متعلق سوال کرنا غلط ارادے سے ہوتا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:۔

''امّا الذم فانما وقع علی من یتبع المتشابه لا بتغاء الفتنة وابتغآء تأویله وهو حال أهل القصد الفاسد الذین یریدون القدح فی القرآن فلا یطلبون الا المتشابه لاِ فساد القلوب، وهی فتنة له، ویطلبون تاویله ولیس طلبهم لتأویله لأجل العلم والا هتداء. بل هذا لأجل الفتنة. وکذلك صبیغ بن عسل ضربه عمر رضی الله عنه لان قصد ه بالسوال عن المتشابه کان لابتغاء الفتنة۔'' (٣)

قابل مذمت تو وہ ہے جو متشابہ کی جستجو میں فتنہ برپا کرنے اور اس کی غلط تشریح کرنے کی غرض سے لگے۔ بدارادہ لوگوں کا یہی حال ہے وہ قرآن پر اعتراض کرنے کی غرض سے اور دلوں میں

فساد برپا کرنے کی غرض سے متشابہ کی ٹوہ میں لگتے ہیں۔ یہ اسکے لیے آزمائش ہے۔ وہ جوان کا معنی تلاش کرنے کے درپے رہتے ہیں ان کا مقصد علم اور ہدایت کی طلب نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصد فتنہ برپا کرنا ہوتا ہے۔ صبیغ بن عسل کو حضرت عمرؓ نے اسی بنا پر مارا تھا کیوں کہ متشابہ کے حوالے سے اس کے سوالات کا مقصد فتنہ برپا کرنا تھا۔

پس جو شخص مشکلات القرآن کے متعلق اس نیت سے سوال کرتا ہے تا کہ اُسکو آیات قرآنیہ میں جو شبہ اور اشکال پیدا ہوا ہے وہ دور ہو جائے اور اُسے مرادی معنی کی معرفت بھی حاصل ہو۔ نیز ایسا شخص خود محکم آیات کو جاننے والا ہو، متشابہ آیات پر ایمان رکھنے والا ہو اور اسکی نیت فتنہ برپا کرنے کی بھی نہ ہو تو ایسے شخص کی اللہ رب العزت نے مذمت نہیں فرمائی ہے۔ نیز کئی صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشکل آیات کا مفہوم جاننے کی خاطر سوال کیا کرتے تھے۔

امام نووی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان:

''اذا رأیتم الذین یتبعون ماتشابه منه. فاولٰئك الذین سمّی الله فاحذروهم''

کی شرح اس طرح فرماتے ہیں:

''وفی هذاالحدیث التحذیر من مخالطة أهل الزیغ. وأهل البدع. ومن یتبع المشكلات للفتنة. فأمّامن سأل عماأشكل علیه منها للاسترشاد. وتلطف فی ذلک. فلابأس علیه. وجوابه واجب. وأمّا الاول فلایُجاب بل یزجرو یعزر. كماعزّرعمربن الخطاب رضی الله عنه صبیغ بن عسل حین كان یتبع المتشابه''۔ (۴)

ترجمہ: اس حدیث میں کج روں، بدعتیوں اور فتنہ برپا کرنے کی غرض سے مشکلات

کے درپے ہونے والوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ جو نیک نیتی اور تلاش ہدایت کی غرض سے کسی مشکل (مفہوم) کے بارے میں سوال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا جواب دینا واجب ہے۔ جبکہ اول الذکر کو جواب تو درکنار الٹا ڈانٹا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے صبیغ بن عسل کو متشابہ کی ٹوہ میں پڑنے سے سزا دی تھی۔

حوالہ جات وحواشی

(١) ابن عطیه، ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن، المحرر الوجیز: ١٠/١٨٩، مکتبه ابن تیمیه عن المجلس العلمی، فاس، س ن

(٢) تفسیر ابن کثیر: ٤/٥٧٤

(٣) مجموع فتاویٰ ابن تیمیه: ١٧/٣٩٣

(٤) نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف (م٦٧٦ھ)، محی الدین، المنهاج فی شرح صحیح مسلم: ١٦/٤٣٤، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع متشابه القرآن، الحدیث الاول فی الباب، دار المعرفة بیروت، لبنان، س ن

فصل سوم: ''مشکل القرآن'' تاریخ وارتقاء

علم مشکل القرآن کا تعلق علم تفسیر سے ہے۔اس لیے کہ یہ آیات قرآنیہ کی توضیح اور تشریح کا علم ہے اور اسکی تاویل کی مختلف صورتوں کو جاننے کا نام ہے۔ جیسا کہ علم تفسیر وتاویل کی لغوی واصطلاحی تعریفات سے ثابت ہوتا ہے البتہ ان تعریفات کو ذکر کرنا اور ان کی وضاحت اس کا ہمارے موضوع سے نہ تعلق ہے اور نہ ہی یہاں تفصیل کا موقع ہے اور اس سے متعلق بہت سا مواد یعنی مشکل آیات کی تاویلات کتب تفاسیر میں منتشر ہیں البتہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ ایک مستقل علم کی حیثیت سے ظاہر ھوا۔علوم اسلامیہ کا کوئی بھی علم ہو اُسکی ابتداء اور آغاز رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ہی ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ علم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بڑا واضح طور پر موجود ہوتا ہے۔ مثلاً کتابت حدیث اور علم قرأت وغیرہ اور بسا اوقات اُس علم کی صرف بنیادیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود ہوتی ہیں البتہ واضح اور مستقل علم کے طور پر وہ بعد میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے اعراب کا علم، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسکا خیال رکھا جاتا تھا البتہ یہ مستقل علم کے طور پر بعد میں ظاہر ہوا۔ نیز قرآن مجید پر اعراب لگانے کا معاملہ بھی بعد میں پیش آیا۔علم ''مشکل القرآن'' بھی اسی قبیل سے ہے۔

اس علم نے علم تفسیر کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کی۔ اس مناسبت سے ہم اس کے ارتقاء کو امام ذہبی کی تقسیم کے مطابق درج ذیل ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں

(۱) عہد نبوی وصحابہ۔ ۱ھ تا ۹۳ھ ۷۱۱ء

(۲) عہد تابعین ۶۱ھ تا ۱۴۳ھ ۶۸۰ء تا ۷۶۰ء

(۳) عہد تدوین ۱۴۱ء تا ۱۳۱۷ھ ۶۸۰ تا ۱۸۹۹

پہلا دور:۔ ۱ھ تا ۹۳ھ

عہد نبوی وصحابہ

قرآن کریم اگرچہ ایک نبی امّی پر نازل ہوا اور اُنکی قوم بھی تقریباً ناخواندہ تھی مگر یہ قوم

زبان وقلب سے محروم نہ تھی۔ ان کے کلام کا اسلوب انداز تکلم اور طرزِ تخاطب میں حقیقت مجاز، تصریح وکنایہ ایجاز واطناب سب انواع سخن شامل تھے۔

قرآن مجید نے اپنے اسلوب وانداز میں حقیقت ومجاز، تصریح وکنایہ، ایجاز واطناب، التفات، تقدیم وتاخیر وغیرہ سبھی سے کام لیا ہے۔ البتہ یہ اپنی معجزانہ خصوصیات کی بناء پر عربی کلام پر فائق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ رسالت یہ ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

(آل عمران ۳: ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ کا مومنین پر احسان عظیم ہے کہ اس نے خود اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کی روشنی میں فرائض نبوت حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) تلاوت آیات قرآنیہ (۲) تزکیہ نفوس

(۳) تعلیم کتاب وحکمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت ورسالت کے بعد ان تین میدانوں میں کام کیا جس سے تین علوم عالیہ ظہور پر آئے۔

(۱) تلاوت آیات اللہ کی بناء پر اس کے تلفظ وقرات کے قواعد وضوابط پر مشتمل علم قرات و تجوید ظاہر ہوئے۔

(۲) تزکیہ نفوس کے حوالے سے عمل وتربیت کے تمام علوم جن میں علم فقہ، اصول فقہ اور علم

تصوف واحسان شامل ہیں، معرض وجود میں آئے۔

(۳) تعلیم کتاب وحکمت کی بناء پر علم تفسیر وحدیث ظہور پذیر ہوئے۔اور اسی میں کشف ومشکلات القرآن بھی شامل ہے۔

نبی کریم ﷺ قرآن کو اجمالاً وتفصیلاً سمجھتے تھے۔حضور ﷺ کے ذہن میں قرآن کو محفوظ کرنے اور اُسکے مطالب کو سمجھانے کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے لی تھی۔ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ ۷۵:۱۷)

قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیامۃ ۷۵:۱۹)

پھر اس کو واضح کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا ذمہ جب خود پروردِگار نے اٹھایا تو کیسے ممکن ہے کہ وہ قرآن کے متعلق مشکل اور دقیق مضامین سے واقف نہ ہوتے اور جبکہ خود اُن کا سینہ مبارک بھی رب العالمین نے علم ومعارف کے لیے کھول دیا تھا ارشاد ہے جیسا کہ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشرح ۹۴:۲)

قرآن کے ظاہری احکام اور مسائل کو صحابہ بھی سمجھتے تھے۔جہاں تک قرآن کو تفصیلاً سمجھنے اور اسکے باطنی اسرار وحکم کو معلوم کرنے کا تعلق ہے تو یہ صرف زبان دانی کے بل بوتے پر ممکن نہ تھے۔اس ضمن میں عربی دانی کے ساتھ ساتھ بحث ونظر اور مشکلات قرآن کا حل معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع ضروری تھا اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں مجمل ومشکل اور متشابہ سبھی قسم کے احکام ہیں جن کے سمجھنے کے لیے صرف زبان دانی کافی نہیں ہے۔

صحابہ میں علمی تفاوت:۔

یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ ''مشکل'' یہ ایک ''نسبتی اصطلاح'' ہے۔تمام لوگ اس میں علمی تفاوت کی بنا پر یکساں نہیں ہوسکتے۔یہ ہی حال صحابہ کا تھا وہ فہم قرآن میں مساوی الدرجہ نہ

تھے۔ بلکہ مختلف مراتب کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کے لیے جو چیزیں پیچیدہ تھیں دوسروں کے لیے نہایت آسان تھی۔اس کی وجہ قوت عقلی میں فرقِ مراتب اور قرآن کے احوال و ظروف کا تعدد وتنوع ہے بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ مفردات جن معانی کے لیے موضوع ہوتے ہیں صحابہ اُن کے فہم وادراک میں بھی یکساں مرتبہ کے حامل نہ تھے۔ چنانچہ قرآن کے بعض مفردات ایسے ہیں جس کے معانی سے کئی صحابہ آشنانہ تھے اور اسمیں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔اس لیے کہ آج تک کسی نے بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ اُمت کا ہر فرد اپنی زبان کے تمام مفردات سے واقف ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے منبر پر یہ آیت پڑھی ''فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾'' (عبس ۸۰:۳۱) فرمانے لگے فَاكِهَةً سے تو ہم واقف ہیں وہ پھل کو کہتے ہیں یہ ''اَبًّا'' کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے عمر یہ تو تکلف پر مبنی ہے(کہ ہر مفرد لفظ کا مفہوم معلوم کیا جائے) (۱)

اس کی مزید مثالیں ''الاتقان'' میں دیکھی جاسکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بھی بعض مفردات کے معنی سے واقف نہ تھے۔(۲)

علم ''مشکل القرآن'' کے ارتقائی مراحل میں پہلا مرحلہ چونکہ عہد نبوی اور عہد صحابہ پر مشتمل ہے۔اس حوالے سے اس دور کے ماٗخذ ذکر کیے جائیں گے۔علم ''مشکل القرآن'' کی بنیاد واساس صحابہ کرامؓ کی تفسیری خدمات ہیں۔ صحابہ کے آثار واقوال، نبی کریم ﷺ کی طرف سے وارد توضیحات، پر مشتمل روایات ہی کسی تفسیر کی بنیاد واساس قرار دی جاسکتی ہیں۔اور''مشکل القرآن'' کے حوالے سے وہی توجیہات قابل اعتبار اور لائق قبول ہیں جو نبی کریم ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں تالیف کی گئی ہوں۔

عہد صحابہ کے مصادر:۔

اس دور میں صحابہ اشکالات کو دور کرنے کے لیے اور دقیق مقامات کی تشریح وتبیین کے لیے درج ذیل مصادر پر اعتماد کرتے تھے۔

الاول: القرآن الکریم دوم: نبی کریم ﷺ

سوم: اجتہاد وقوت استنباط چہارم: اہل کتاب (یہود ونصاری کی روایات)

قرآن کریم:۔

قرآن کریم میں غور وفکر کرنے والوں پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قرآن مجید حقائق ومجازات، استعارات، تشبیہات ایجاز واطناب، اجمال وتفصیل، اطلاق وتقیید، عموم وخصوص سے معمور ہے ایک مقام پر بات کو اسطرح کہا گیا کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا۔ اور پھر کسی دوسرے مقام پر اِسی کوزہ کو دریا بلکہ سمندر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اِسی طرح ایک مقام پر ایک حکم کو عام طور بیان کیا گیا اور دوسرے مقام پر اس میں کچھ تخصصات کو ذکر کیا گیا چنانچہ قرآن کریم کے مختلف مقامات کو دیکھنے سے بھی بعض اوقات قاری کو پیش آنے والے تمام تعارضات واشکالات حل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مفسر کے لیے کسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ بات ضروری ہے کہ وہ ایک جیسے مضمون ومفہوم اور معانی کی تمام آیات سے بھی واقف ہو۔ پھر ان آیات کے مجموعے سے جو حکم ماخوذ ہو اسی کو بیان کرے۔ جس طرح کسی جملے کو سیاق وسباق سے نکال دیا جائے تو اس کا مفہوم بدل جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم کی کسی آیت کو لے کر اس مضمون کی دوسری آیات سے صرف نظر کر لی جائے تو اس کا مفہوم بدل سکتا ہے۔ اور جب قرآن کریم کی ایک آیت کی توضیح کوئی دوسری آیت کر رہی ہو تو ایسی صورت میں ثانی الذکر آیت سے اعراض کسی طور پر جائز نہ ہوگا اور اس طرح اشکال کی جو توجیہ کی جائے گی اگر وہ آیت سے ماخوذ مفہوم سے مختلف ہے تو قابل قبول نہیں کیونکہ جب متکلم اپنے کلام کی خود وضاحت کر رہا ہو تو دوسری توضیحات ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ (۳)

اسی طرح قرأتوں اور کتابت کا اختلاف بھی بعض اشکالات کے حل میں معاون ومدد ثابت ہوتا ہے۔

دوم: نبی کریم ﷺ

قرآن کریم کے اگرچہ بعض مشکل مقامات کی توضیح دوسرے مقامات سے ہو جاتی ہے اور قرآن پاک اپنی توضیح وتفسیر میں یکتا وبے مثال ہے۔ اسکے مضامین کی جامعیت مین کوئی کلام ہے نہ

اسکے حسن بیان میں اور نہ ہی کسی مضمون کی توضیح وتفسیر میں کوئی شبہ ہے تاہم دو باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) ایسے مقامات قرآن مجید میں چند ہی ہیں کہ جس میں قرآن اپنی وضاحت وتفسیر کر رہا ہو۔ لہٰذا قرآن کریم کی مکمل تفسیر وتوضیح اور اس کی کامل عملی شکل کو سمجھنے کے لیے انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپکے اقوال کا اور آپ کے افعال کا محتاج ہے۔ آپ کی سنت اور طریقہ کو بنیاد واساس بنائے بغیر کوئی شخص قرآن کریم پر کامل دسترس نہیں رکھ سکتا۔

(۲) اگر یہ بات مان لی جائے کہ قرآن کریم نے ایسے تمام مقامات کی وضاحت وتفسیر قرآن ہی میں کر دی ہے جیسے جہاں کوئی اطناب یا اجمال یا ابہام وغیرہ تھا تو اس بات کو معلوم کرنے کے لیے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی اقوال کا سہارا لینا پڑے گا کہ فلاں اجمال کی تفصیل قرآن میں کس مقام پر ہے۔ چنانچہ جب بھی صحابہ کرام کو کوئی اشکال پیش آتا کہ جسکا حل انہیں قرآن میں نہیں ملتا تھا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کرتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے سامنے اس کی تفسیر بیان کرتے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ (النحل ۱۶: ۴۴)

''اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نصیحت اسی لیے اتاری ہے کہ آپ اسے لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان کر دیں۔

یہ بیان آپ کا وظیفہ نبوت و رسالت ہے۔ چنانچہ آئمہ صحاح ستہ نے اپنی کتب میں ابواب تفسیر قائم کیے ہیں اور تفسیری روایات کو جمع کیا ہے۔ آپ صحابہؓ کی رہنمائی کرتے اور آیت سے پیدا ہونے والے اشکال کا جواب مرحمت فرماتے نمونے کے طور پر چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

امثلہ:

۱۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۪ ثُمَّ

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرہ۲:۱۸۷)

تو عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے تکیہ کے نیچے ایک سفید دھاگہ اور ایک سیاہ دھاگہ رکھ لیا تاکہ رمضان کی انتہاء سحر کو جان سکوں پس میں رات بھر اُن کو دیکھتا رہا مگر سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے جدا نظر نہیں آیا۔ پس صبح کے وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور سارا واقعہ ذکر فرمایا آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہاں سواد سے مراد رات اور بیاض سے مراد دن ہے۔(۴)

۲۔امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں صحابہ کرامؓ کو ایک آیت کے بارے میں اشکال ہوا۔اور انہوں نے اِس کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال : لمّا نزلت (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) (الانعام۶:۸۲) شقّ ذلك على المسلمين. فقالوا: يارسول الله صلعم. أينا لا يظلم نفسه؟ قال: ليس ذلك. انمّا هوالشرك. ألم تسمعوا ما قال لقمان لابنه وهو يعظه: (يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾) (لقمان۳۱:۱۳) (۵)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم شامل نہیں کیا۔'' تو یہ آیت مسلمانوں کو بڑی بھاری محسوس ہوئی اور انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس سے گناہ مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے جو فرمایا: ''اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک مت ٹھہرانا بے

شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' (لقمان: ۱۳)

۳۔ ماأخرجه البخاری فی صحیحه۔۔۔۔۔۔۔

امام بخاریؒ نے صحیح میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے جسمیں حضرت عائشہؓ کو ایک آیت میں اشکال واقع ہوا۔

اورانہوں نے اُسکے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال فرمایا:

أن عائشة رضی الله عنها. كانت لاتسمع شيئًا لا تعرفه الاّ راجعت فيه حتى تعرفه. وأن النبى ﷺ قال : ''من حوسب عذّب'' قالت عائشه : قلت : أوليس يقول الله تعالى : (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ) (الانشقاق ۸:۸۴) قالت: فقال: ''انّما ذلك العرض. ولكن من نوقش الحساب يهلك'' (٦)

حضرت عائشہ جب کوئی ایسی بات سنتیں جسکووہ جان نہ پاتیں تو وہ اس سلسلے میں (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے رجوع فرماتیں یہاں تک کہ وہ اُس بات کو سمجھ لیتیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ'' جسکا بھی حساب لیا گیا اُسکو عذاب دیا گیا۔''

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا اللہ رب العزت نے یہ ارشادنہیں فرمایا: عنقریب اُن سے آسان حساب لیا جائے گا) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس آیت سے مراد ہے کہ اعمال نامہ اس شخص کے سامنے رکھ دیا جائے لیکن جس سے حساب کتاب میں پوچھ گچھ کی گئی تو وہ ہلاک ہوگیا۔

۴۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ سے ایک حدیث نقل کی ہے

''قالت : سالتُ رسول الله ﷺ عن هذه الآية : (وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ) (المومنون ۲۳ : ۶۰) قالت

عائشه: أهم الذين يشربون الخمر ويسرقون؟ قال:
''لا يابنت الصديق. ولكنهم الّذين يصومون ويصلون
ويتصدّقون. وهم يخافون أن لاتقبل منهم : (أُولَٰٓئِكَ
يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾)(المؤمنون ۶۱:۲۳)'' (۷)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ

فرماتی ہیں: کیا یہ لوگ شراب پینے والے اور چوری کرنے والے ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: صدیق کی بیٹی یہ نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو نماز روزہ کرتے ہیں اور صدقے کرتے ہیں اور اس اندیشے میں رہتے ہیں کہ یہ اعمال قبول نہ کیے جائیں۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْن

۵۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔

أنّ رجلا قال : يانبي الله : كيف يحشر الكافر على وجهه؟
قال : أليس الذى امشاه على الرجلين فى الدنيا قادرا على
ان يمشيه على وجهه يوم القيامه'' قال قتادہ : بلى وعزة
ربنا'' (۸)

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کافر کو قیامت کے دن چہرے کے بل کس طرح اٹھایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا وہ ذات جو اُس شخص کو اِس دنیا میں دو پاؤں پر چلاتی ہے اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اُس کو چہرے کے بل چلائے؟ قتادہؓ نے فرمایا: کیوں نہیں ہمارے رب کی عزت کی قسم (ایسا ہی ہے)۔

سوم: اجتہاد وقوت استنباط:۔

قرآن کریم میں بعض مشکل مقامات ایسے بھی ہیں جن کی توضیح وتشریح خود نہ قرآن نے ذکر

کی اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال میں اسکی کوئی قطعی توضیح وتفسیر دستیاب ہوئی ایسے مواقع پر صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد اور قوت استنباط کے ذریعہ مراد قرآنی کو پایا اور اُسکو بیان کیا۔ اُن کا یہ اجتہاد اشکال یا مراد قرآنی کے وسیع تر تصور، کلام عرب، لغت عربی اور اسکے اشتقاقات پر گہری دسترس اور دین اسلام کے مجموعی طرز زندگی کو مدنظر رکھ کر ہوتا تھا۔ صحابہ کرام اس اجتہاد میں جن حقائق کو اپنے اجتہاد کی بنیاد واساس بناتے تھے اُن کو حسبِ ذیل انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کلام عرب کے محاورات: ادبی اصطلاحات، لغوی اشتقاقات اس تغیر وتبدل کی وجہ سے ہونے والی معنوی تبدیلیاں فہم قرآن یا حل ''مشکل القرآن'' میں سب سے پہلی اساس وبنیاد ہیں۔ ان چیزوں پر کامل دسترس رکھے بغیر کوئی شخص قرآن کے ظاہری مفہوم کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ معنی کا ادراک، کسی قسم کا اجتہاد یا کسی مسئلہ کا استنباط تو بعید تر چیز ہے۔

(۲) عرب کی عادات: قرآن حکیم عربوں میں نازل ہوا، اسکے سب سے پہلے مخاطب عرب ہیں یہی وجہ ہے کہ احکام قرآنی میں عربوں کی تہذیب وثقافت اور ان کی عادات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اِن کو سمجھنے کے لیے عرب کی عادتوں، ان کی تہذیب وثقافت کو سمجھنا ضروری ہے۔

امام راغب اصفہانی اور شاہ ولی اللہ اور علامہ زرقانیؒ نے بھی آیات قرآن کے تشابہ، ''اشکال'' اور التباس کی وجوہات میں سے ایک وجہ عربوں کی عادت سے ناواقفیت کو قرار دیا ہے اسکا مفصل تذکرہ دوسرے باب میں آئے گا۔ اسکی مثال یہ آیت ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا (البقرہ ۱۸۹:۲)

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں کو پشت کی جانب سے آؤ۔

آیت مبارکہ میں کوئی ایسی لغت نہیں جسکے فہم میں کوئی مشکل یا دقت پیش آرہی ہو اسکے باوجود آیت مبارکہ اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ قرآن حکیم سے استفادہ کرنے والا یہ نہ جان لے کہ عربوں کی یہ عادت تھی کہ دوران حج اپنے گھر میں آمدورفت کے لیے معمول کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پشت کی جانب سے دیوار پھاند کر گھر میں جاتے اور فلسفہ یہ تھا کہ جس

دروازے کو سارے سال گناہ کی حالت میں آمد و رفت کے لیے استعمال کرتے ہیں حج کے دوران اِسے استعمال نہ کریں۔

اسباب نزول:۔ یہ بھی صحابہ کے ہاں مشکل کی توضیح اور مغلق کی وضاحت میں ایک اہم ذریعہ تھا۔ اور شاہ ولی اللہ نے بھی قرآن فہمی میں دشواری کے اسباب میں سے ایک سبب شان نزول سے عدم واقفیت کو بھی قرار دیا ہے اسکا تذکرہ بھی دوسرے باب کی فصل ثانی میں آئے گا۔

واحدی کے بقول ''تفسیر آیت کی معرفت بغیر شان نزول معلوم کیے ممکن نہیں ہے۔(۹)

ابن تیمیہ کے ہاں بھی شان نزول کا علم معنی کو سمجھنے میں معین و مددگار ہوتا ہے۔(۱۰)

قوت فہم وادراک :۔ کسی آیت سے کوئی مسئلہ اخذ کرنے یا اسکے معنی سمجھنے میں فہم وادراک کی وسعت ایک بڑی بنیاد واساس کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات ایسی ہوتی ہیں جن کے معنی میں بہت زیادہ گہرائی اور مراد میں بہت زیادہ اخفاء ہوتا ہے ایسے مشکل معنی اور ایسی مراد صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسکو اللہ تعالی نے زبردست قوت فہم وادراک سے نوازا ہو اور اُسکا قلب نور بصیرت سے منور ہو۔ اس سلسلہ میں ابن عباسؓ کی شخصیت اعلی ترین مثال سمجھی جا سکتی ہے۔ ان سے علم ''مشکل القرآن'' سے متعلق سب سے زیادہ روایات منقول ہیں خاص طور پر مشکل القرآن کی دو انواع ''غریب القرآن'' اور ''موھم الاختلاف والتعارض'' پر ان سے بہت سے کلام منقول ہیں۔

چہارم:۔ اہل کتاب

قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے واقعات کثرت سے موجود ہیں۔ ان واقعات کے اکثر اجزاء تو قرآن ہی میں منقول ہیں کچھ چیزیں صحابہ کرام اہل کتاب کے علماء سے حاصل کرتے اس سلسلے میں چند اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا تھا۔

(۱) قرآن میں واقعات میں سے صرف انہی اجزاء کو ذکر کیا گیا ہے جن سے عبرت اور سبق کا پہلو نکلتا ہے۔ جبکہ صحابہ میں تحقیق وجستجو بہت زیادہ تھی اس لیے واقعہ کی مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے۔ لیے وہ اہل کتاب کے علماء سے رجوع کرتے تھے۔

(۲) صرف وہی امور دریافت کیے جاتے جو نہ تو قرآن میں مذکور ہوئے نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں بیان فرمایا۔ جو بھی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمادیتے اسکے متعلق اہل کتاب سے استفسار نہ کیا جاتا۔

(۳) صرف ان اہل کتاب سے کسب فیض کیا جاتا تھا جو مسلمان ہو چکے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام، کعب احبار وغیرہ۔

(۴) اہل کتاب سے صرف ایسے امور نقل کیے جاتے جو دین اسلام کے اصول وکلیات سے متصادم نہ ہوں جو چیزیں اصول دین کے خلاف ہوتیں انہیں ترک کردیا جاتا۔

اسطرح فہم قرآنی کے لیے یہ مآخذ آخری درجہ کا ماخذ شمار کیا جاتا ہے۔

چند مشہور مفسر صحابہ

طوالت کے خوف سے ان میں سے چند صحابہ کا نام ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے مزید وضاحت کے لیے امام ذہبی کی کتاب ملاحظہ فرمائیے۔(۱۱)

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۱۳ھ (۲) عمر فاروق م ۲۳ھ (۳) ابی بن کعب م ۳۰ھ

(۴) عبداللہ بن مسعود م ۳۲ھ (۵) عثمان بن عفان ۳۵ھ (۶) علی بن ابی طالب ۴۰ھ

(۷) زید بن ثابت ۴۵ھ (۸) عمران بن حصین ۵۲ھ (۹) سعد بن ابی وقاص ۵۵ھ

(۱۰) حضرت عائشہ ۵۷ھ (۱۱) عبداللہ بن عمرو بن عاص ۶۵ھ (۱۲) عبداللہ بن عباس ۶۸ھ

(۱۳) عبداللہ بن عمر ۷۴ھ (۱۴) انس بن مالک م ۹۳ھ

یہاں علم مشکل القرآن کے بیان میں سب سے مشہور صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ بات اُن روایات سے ثابت ہوتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہت سی کتب تفسیر، سیر اور تراجم میں بیان کی گئی ہیں۔ مشکلات القرآن سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ کا علم کئی جہات سے اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گیا ہے۔

ا۔ان میں سے ایک جہت غریب القرآن کی ہے پس غریب القرآن سے متعلق حضرت ابن عباسؓ کے وہ جوابات جو انہوں نے نافع بن الارزق کو دیے تھے۔ ان کو امام جلال الدین سیوطی نے ''الاتقان'' میں جمع کیا ہے۔(۱۲)

۲۔ ابن عباسؓ سے مشکلات القرآن کی دوسری جہت ''المشکل المتعلق یوھم الاختلاف والتناقض'' سے متعلق بھی بہت کچھ منقول ہے۔ سیوطی نے ان امثلہ کو اپنی الاتقان کی اڑتیسویں نوع (۴۸)''فی مشکله وموھم الاختلاف والتناقض'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔(۱۳)

نیز امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں سعید بن جبیر کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ ایک شخص (جسکو آیات قرآنیہ میں تعارض کا وہم ہوا تھا) کو اُسکے اشکالات کا جو اب دیتے ہیں۔(۱۴)

دوسرا دور۔عہد تابعین ۶۱ھ تا ۱۴۳ھ

صحابہ کے دور ختم ہونے کے بعد تفسیر القرآن کے دوسرے مرحلہ کا آغاز عہد تابعین سے ہو ا۔جنہوں نے صحابہ کے علم سے فیض حاصل کیا۔ جس طرح صحابہ میں اعلیٰ پائے کے مفسرین گزرے تھے اسی طرح تابعین میں بھی ایسے فضلاء گزرے ہیں جنہوں نے اپنے معاصرین کو قرآن مجید کے پیچیدہ اور حل طلب مقامات کے مطالب ومعانی سے روشناس کرایا۔

عہد تابعین کے مصادر:۔

تابعین کے عصر وعہد میں مصادر وتفسیر حسب ذیل تھے۔

(۱)تفسیر القرآن بالقرآن (۲)احادیث مرفوعہ

(۳)صحابہ کے تفسیری اقوال (۴)اہل کتاب اور انکی کتب مقدسہ

(۵) تابعین کا اجتھاد واستنباط (۱۵)

رسول کریمؐ اور صحابہ کرام سے جو تفسیر منقول ہے وہ تمام آیات قرآنیہ کو شامل نہیں بلکہ

صرف انہی آیات پر مشتمل ہے جن کے معانی ومفہوم میں غموض وخفاء پایا جاتا ہے عہد رسالت اور صحابہ سے جوں جوں دوری ہوتی گئی یہ غموض، دقت اور قرآن کی مشکلات بڑھتی گئیں۔

اس لیے اس دور کے علمی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مشکل آیات کی تفسیر بیان کرنا بھی تھا۔ البتہ صحابہ کرام کے نبی کریم ﷺ سے مشکل آیات سے متعلق سوالات کم ہی تھے۔ اسکے بعد تابعین کے صحابہ کرام سے اس علم کے متعلق سوالات بڑھ گئے اور تبع تابعین کے سوالات تابعین سے بھی زیادہ بڑھ گئے۔ یہاں تک کے بعد میں لکھی جانے والی اکثر تفاسیر میں بھی انہی اشکالات کو دور کرنے کی کثرت ہوتی گئی۔ یہاں پر معاملہ نسبت معکوس کا ہے کہ جب زمانہ علم وفضل کی کثرت کا تھا تو مشکل القرآن کے حل کی زیادہ ضرورت پیش نہ آتی تھی اور جیسے جہالت بڑھتی گئی اور لوگ زمانہ نبوت سے دور ہو گئے تو مشکل کے بیان کی حاجت بڑھتی گئی۔ اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین کے دور تک مشکل کا بیان بہت کم ملتا ہے۔

عہد تابعین میں مدارس تفسیر:۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

''واما التفسير فانّ اعلم الناس به اهل مكه، لانّهم أصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ، كمجاهد، عطاء ابن ابي رباح، وعكرمه مولى ابن عباس وغيرهم، من اصحاب ابن عباس كطاوس، وأبي الشعثاء، وسيعد بن جبير، و امثالهم وكذلك أهل الكوفه من اصحاب عبدالله بن مسعود ومن ذلك ما تميزوا به على غيرهم، وعلماء أهل المدينة في التفسير: مثل زيد بن أسلم الذى أخذ عنه مالك التفسير، وأخذ عنه أيضا ابنه عبد الرحمن، وعبد الله بن وهب''(۱۶)

پس اس قول کی روشنی میں مدارس تفسیر درج ذیل ہیں۔

مکہ کا مکتب تفسیر :۔

یہ مکہ کا مکتب حضرت ابن عباسؓ کے زیر سایہ قائم تھا۔آپ اپنے شاگردوں کے لیے قرآن کے مشکل مطالب کے معانی بیان کرتے تھے۔ ان کے مشہور شاگرد درج ذیل ہیں۔

۱۔مجاھد (م ۱۰۴ھ) ۲۔سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) ۳۔عکرمہ مولی ابن عباس (م ۱۰۴ھ)

۴۔طاؤس بن کیسان الیمانی (م ۱۰۶ھ) ۵۔عطاء ابن ابی رباح (م ۱۱۴ھ)

۶۔ابوالشعثاء وغیرہ

مدینہ کا مکتب تفسیر :۔

اس کے بانی اور موسس ابی بن کعبؓ تھے۔اکثر تابعین نے آپ سے علمی فیض حاصل کیا۔بکثرت تفسیری اقوال آپ سے منقول ہوکر ہم تک پہنچے ہیں۔ان کے نمایاں شاگرد درج ذیل ہیں۔

۱۔ابوالعالیہ (م ۹۰ھ) ۲۔زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ)

حضرت امام مالک نے ان سے علم تفسیر اخذ کیا اس کے علاوہ ان کے بیٹے عبدالرحمن اور عبداللہ بن وھب نے بھی ان سے علم تفسیر حاصل کیا۔

۳۔محمد بن کعب القرظی (م ۱۱۸ھ)

عراق کا مکتب تفسیر :۔

عراقی مکتبہ تفسیر یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مرہون منت ہے۔عراقی مکتب تفسیر کے ساختہ پرساختہ لوگوں میں درج ذیل نے بہت شہرت پائی۔

۱۔علقمہ بن قیس (م ۶۱ھ) ۲۔مسروق (م ۶۳ھ)

۳۔اسود بن یزید (م ۷۵ھ) ۴۔مرہ ھمدانی (م ۷۶ھ)

۵۔عامر شعبی (م ۱۰۹ھ) ۶۔حسن بصری (م ۱۱۰ھ)

۷۔قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۷ھ)

عہد تابعین کی چند خصوصیات:۔

اس دور کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ وقت و زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ اور احادیث نبویہ مقبول عام ہورہی تھیں اور لوگ خصوصاً صحیح فہم رکھنے والے اہل کتاب اسلام میں داخل ہورہے تھے۔

ان اہل کتاب میں عبداللہ بن سلام، کعب احبار، وھب منبہ، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج شامل ہیں۔ یہ حضرات اہل کتاب کے علماء تھے۔ امم سابقہ کے ان قصص واقعات میں گہری دسترس تفصیلی اور جزئیاتی معلومات رکھتے تھے۔ جن کی طرف قرآن کریم نے اختصار کے ساتھ اشارات کیے۔ تابعین کرام خصوصاً علم تفسیر سے شغف رکھنے والے حضرات میں تحقیق و جستجو کا شوق بہت زیادہ تھا جسکی وجہ سے یہ حضرات ان لوگوں سے بکثرت استفادہ کرتے جو ترکِ یہودیت یا نصرانیت کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

اسی وجہ سے اس عہد میں اسرائیلیات کثرت سے تفسیر کا حصہ بن گئیں۔

۲۔ عبداللہ بن عباس ؓ، ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود ان تینوں حضرات سے منقولہ روایات اور ان کا انداز تدریس ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ابن عباس ؓ تفسیری نکات اور قرآن کے الفاظ کے بطن میں چھپے ہوئے معانی میں غور وخوض میں مہارت رکھتے تھے۔

ابی بن کعب ؓ کو روایات تلفظ و قرأت سے زیادہ دلچسپی تھی جب کہ عبداللہ ؓ بن مسعود کا میلان فقہی اور کلامی بحث کی طرف تھا۔ ان تینوں حضرات کے تلامذہ میں بھی یہ تینوں رنگ علیحدہ نظر آئے۔

ابی بن کعب ؓ کے تلامذہ میں زیادہ قرأ نظر آئیں گے۔ ابن مسعود ؓ کے تلامذہ میں حسن بصری اور قتادہ جیسے لوگ نظر آئیں گے۔ جو قضاو قدر کے میدان میں جولانی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح تفسیر میں تنوع پیدا ہوا۔

۳۔ عہد صحابہ میں تفسیری نکات کی توضیح کے لیے ہر ایک کا مرجع نبی کریم ﷺ کی ذات تھی۔ آپ کے

وصال کے بعد مراجع متعدد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے تفسیر میں آراء کا اختلاف بھی نظر آنے لگا۔ لیکن یہ اختلافات محض اظہار و بیان کا اختلاف تھا۔ مصداق و مراد اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے تضاد نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً صراط مستقیم کی تفسیر میں کسی کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ اتباع قرآن کریم کا راستہ ہے کسی نے کہا اتباع سنت کا راستہ صراط مستقیم ہے اور کسی کے نزدیک اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا راستہ صراط مستقیم کا مصدق ٹھہرا۔ یہ بیان و انداز کا اختلاف ہے۔ مراد و مقصود سب کا ایک ہی محسوس ہوتا ہے۔ عہد صحابہ میں تفسیر میں بالکل بھی اختلاف نہ تھا۔ عصر تابعین میں اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو گئی۔ تاہم تابعین کا یہ تفسیری اختلاف متاخرین کی نسبت بہت کم تھا جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

۴۔ عہد صحابہ کے دور میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ صحابہ میں تفسیر علیحدہ علم نہ تھا بلکہ حدیث نبوی کے ایک حصہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور صحابہ کے عہد میں پورے قرآن کی تفسیر یک جا موجود نہ تھی۔ عہد تابعین میں کچھ ایسے حضرات گزرے ہیں جن سے تفسیری روایات مجموعہ کی شکل میں منقول ہیں جنھیں اُن کے تلامذہ نے نقل کیا۔

اسی لیے عہد تابعین، عہد صحابہ اور عہد تدوین کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر عہد تدوین میں تفسیر کی ایسی کتب تالیف کی گئیں جو خود بھی امر ہو گئیں اور اپنے مُولف کو بھی زندہ جاوید کر گئیں۔ اس عہد کا آغاز عہد تابعین میں ہی ہو گیا تھا۔ البتہ عہد تدوین میں تفسیری رجحانات متعدد ہو گئے۔

تیسرا دور:۔

عہد تدوین۔ 141ھ تا 1317ھ

اس دور کا آغاز اموی خلافت کے اواخر سے لے کر خلافتِ عباسیہ کے اوائل تک پھیلا ہوا ہے۔

علم مشکل القرآن چونکہ علم تفسیر کا ہی حصہ ہے لہذا علم تفسیر کے ارتقاء کے ساتھ اس نے بھی ارتقاء کی منازل طے کیں اور دوسری صدی ہجری کے نصف سے علم تفسیر کی تدوین و ترتیب کے ساتھ ہی اس علم کی تدوین کا بھی آغاز ہوا۔ جب بھی کسی علم کی تدوین و ترتیب کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو اس علم

کی بھی مختلف انواع و اقسام سامنے آتی ہیں۔

علم مشکل القرآن کے حوالے سے ابتدائی طور پر تفسیر کی دو اقسام مدون ہوئیں۔

۱۔ تفسیر نقلی ۲۔ تفسیر لسانی

تفسیر نقلی:۔

یہ ساری تفسیر بالماثور تھی۔ جس میں منسوخ، اسباب، نزول، اور آیات کے مقاصد وغیرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ اور تابعین سے نقل کیے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں کئی صحیفوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن پہلی مرتب تفسیر بالماثور ابن جریر طبری کی ہے (م ۳۱۰ھ) جو مکمل ہم تک پہنچی ہے۔ مشکلات القرآن کے حوالے سے اس قسم کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اقوال رسول، صحابہ اور تابعین کشف المشکلات میں معاون ہوتے ہیں۔

تفسیر لسانی:۔

ان تفاسیر کا موضوع علم لغت، علم اعراب اور علم بلاغہ وغیرہ تھا۔ اس سے الفاظ قرآنیہ کے معنی کی مختلف انداز میں ادائیگی اور عبارت کے اسلوب واضح ہوئے۔

پس ماقبل یہ بات گزر چکی ہے کہ مفسرین نے ''مشکل'' کو عام رکھا ہے خواہ قرآن کی لغت سے متعلق ہو، اعراب سے، بلاغت سے یا پھر اسلوب سے پس اسطرح اس علم نے الگ الگ حیثیت سے ترقی حاصل کی۔ اس صنف میں پہلی تفسیر معمر بن مثنی (م ۲۱۰ھ) کی ''مجاز القرآن'' ہے جو کہ مطبوع ہے۔ اسکے علاوہ مشکل القرآن کے باب میں قطرب ابن المستیز جو کہ سیبویہ کا شاگرد تھا۔ اس کی کتاب ''معانی القرآن'' تھی جو کہ مفقود ہے۔

اس کے بعد اخفش سعید بن مسعدہ (م ۲۱۵ھ) کا ذکر ہے یہ بھی امام سیبویہ کا شاگرد تھا۔

امام کسائی علی بن حمزہ (۱۸۹ھ) نے ''المشتبه فی القرآن'' لکھی ان کی ایک اور کتاب ہے جسکا نام ''کتاب ماالشتبه من لفظ القرآن وتناظر من کلمات الفرقان'' ہے اور یہ بھی مفقود ہے اس کے بعد امام کسائی کے شاگرد الفراء ابوزکریا یحیی بن زیاد (م ۲۰۷ھ) کی ''معانی القرآن''

ہے جو کہ تین اجزاء کی شکل میں چھاپی گئی ہے۔

اسکے بعد ابو عبید القاسم بن سلام (۲۲۳ھ) کی تفسیر ہے یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تفسیر کی ان دونوں انواع یعنی تفسیر بالماثور اور تفسیر اللغۃ والنحو کو یکجا کیا لیکن یہ تفسیر بھی مفقود ہے۔(۱۷)

پس اسکے بعد مختلف علوم پیدا ہوئے اور فقہاء کا اختلاف ظاہر ہوا اور علم کلام کے مسائل سامنے آئے اور کئی فرق اسلامیہ کا ظہور ہوا۔ اور ہر فرقہ قرآن سے ہی اپنے عقیدہ کی صحت پر دلیل دیتا تھا اور باطل تاویلات سے قرآن کو اپنے حق میں ثابت کرتا تھا۔ اسی طرح بہت سی فلسفہ کی کتب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہوا اس طرح ہر طرح کے علم کو تفسیر کی بحث میں شامل کیا جانے لگا۔ اس سے تفسیر کے درج ذیل رجحانات سامنے آئے۔

(۱) تفسیر بالماثور۔　(۲) تفسیر بالرای المحمود　(۳) تفسیر بالرای المذموم

(۴) تفسیر صوفیاء　(۵) تفسیر فلاسفہ　(۶) تفسیر فقہاء

(۷) تفسیر بالعلوم

لیکن ان رجحانات کی تفصیل سے بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلیے ان کی وضاحت بخوف طوالت نہیں کی جائے گی۔

الحاصل: اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے علم ''مشکل القرآن'' سے متعلق کلام ثابت ہے آہستہ آہستہ اس علم نے ارتقاء کی منازل طے کیں نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں عربی زبان سے عدم واقفیت اور عجمیوں کا عربوں سے اختلاط بڑھتا گیا اتنا ہی قرآن کی آیات کا مفہوم سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہوتا گیا کیونکہ یہ علم ایک ''امر نسبتی'' ہے تمام لوگ اسمیں برابر نہیں ہوسکتے ممکن ہے کہ ایک آیت یا قرآن کا ایک لفظ ایک شخص کے نزدیک مشکل ہو اور وہی لفظ دوسرے کے نزدیک آسان ہو۔

نیز یہ کہ پہلے ''علم مشکل القرآن'' کے مختلف انواع پر مستقل کتب موجود تھیں جیسے ''معانی

القرآن'' کے بارے میں پیچھے گزر چکا ہے اسکے علاوہ

''اعراب القرآن لابی جعفر النحاس، التبیان فی أعراب القرآن لابی البقاء البکری، البیان فی اعراب القرآن ابن الانباری وغیرہ۔

اسی طرح علم قرأت میں قرأ سبعہ مثلاً امام حمزہ بن حبیب، امام نافع بن عبدالرحمن، امام علی بن حمزہ اور کسائی وغیرہ کی تصنیفات ''مشکل القرآن'' کی ایک نوع ''علم قرأت کی مشکلات سے بحث کرتی ہیں۔ اسکے بعد ایسی کتب بھی تصنیف کی گئیں جس میں ''علم مشکل القرآن'' کی تمام صورتوں کو شامل کیا گیا مثلاً وضع البرھان فی معانی مشکلات القرآن از بیان الحق نیساپوری فوائد فی مشکلات القرآن از عز بن عبدالسلام، تفسیر آیات التی اشکلت علی کثیر من العلماء از ابن تیمیہ وغیرہ۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث درج ذیل ہے۔

مشکل القرآن پر لکھی جانے والی اہم کتب کا تعارف

تمہید:

اس علم سے متعلق تصنیفات کا ذکر کرنے سے قبل بطور تمہید چند باتیں قابل ذکر ہیں:

۱۔ ماقبل یہ بات گزر چکی ہے کہ مشکل اور متشابہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے اور اکثر علماء نے مشکل اور متشابہ کو ایک ہی معنی میں لیا ہے یہاں متشابہ سے مراد متشابہہ لفظی ہے جو مشکل کے ہم معنی ہے۔

پس متشابہ القرآن پر علماء اور ائمہ نے جو کتب لکھیں ہیں اُن کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ متشابہ لفظی: علوم القرآن میں اس علم کو ''علم الآیات المتشابہات'' یا علم المتشابہ کا نام دیا گیا ہے اور یہ علم علوم تفسیر میں سے ایک ہے:

۲۔ علم المحکم والمتشابہ یا متشابہہ معنوی: یہاں متشابہ سے مراد آیات صفات وافعال، حروف مقطعات وغیرہ ہیں اور یہ علم الکلام کا ایک موضوع ہے۔

۲۔ ۵۰۰ھ تک اور اس سے پہلے مفسرین علماء کی اکثر تصانیف متشابہہ لفظی بمعنی مشکل کے

ضمن میں موجود ہیں اس کے بعد بھی چند علماء نے اس تقسیم کا لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً علامہ زرکشی نے اپنی کتاب ''البرهان فی علوم القرآن'' میں پانچویں نوع ''علم المتشابہ'' یعنی متشابہ لفظی کی ذکر کی ہے اور آگے ایک مستقل نوع ''المحکم والمتشابہ'' ذکر کی ہے۔

اسی طرح جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں تریسٹھویں نوع ''الآیات المتشابہات'' کی بمعنی متشابہہ لفظی کے نام سے ذکر کی ہے اور تینتالیسویں نوع ''المحکم والمتشابہہ'' کے لیے خاص کی ہے۔

آہستہ آہستہ نوع ثانی متشابہہ بالمقابل محکم میں تصنیفات بڑھتی چلی گئیں اور اب آج کل جب متشابہہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے تو سننے والا فوراً اس سے متشابہ معنوی ہی مراد لیتا ہے اس کی وجہ اس متشابہہ میں تصنیفات کی کثرت ہے اس کثرت کا سبب عجمیوں میں اسلام کا بڑھ جانا، اسلام میں نئے نئے فرقوں کا ظہور اور ملحدین میں اہل باطل کا اپنے مذاہب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کی ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھنے والی آیات کی باطل تاویلات کرنا تھا پس ان زنادقہ اور مبطلین کے کلام کو رد کرنے کے لیے علم الکلام میں اس ہی متشابہہ کو بکثرت موضوع بنایا گیا۔

پس ان ملحدین کا رد کرنے والے مشہور علماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابوالحسن الاشعری (م ۳۳۳ھ) ۲۔ ابومنصور الماتریدی (م ۳۳۳ھ)
۳۔ ابوبکر القطیعی (م ۳۶۸ھ) ۴۔ ابوالحسن محمد بن احمد الملطی الشافعی (م ۳۷۷ھ)
۵۔ الخطابی (م ۳۳۸ھ)

پس ۱۰۰ھ سے ۵۰۰ء تک علم مشکلات القرآن کے موضوع سے متعلق بہت سی کتب متشابہ القرآن کے نام سے ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ مشکلات القرآن کے نام سے بھی مستقل کتب موجود ہیں۔ (۱۸)

۳۔ اگر مشکلات القرآن کی تمام انواع سے متعلق کتب کا ذکر کیا جائے تو ان سب کا احاطہ کرنا کثرت کی وجہ سے مشکل ہے لہٰذا اس مقالہ میں تخصیص کے ساتھ صرف انہی اہم کتب کا ذکر کیا

جائے گا جو خاص طور پر علم مشکل القرآن یا متشابہ القرآن سے متعلق ہیں نیز قرآن کی بعض آیات کے متعلق کچھ افراد کو اشکال ہوا اور انہوں نے اُن کو آپس میں متعارض سمجھا پس اہل علم نے اس باب میں بھی کچھ کتب لکھی ہیں اور قرآن کریم پڑھنے والے کو جو اختلاف یا اشکال کا وہم پیدا ہوتا ہے ان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

۴: چوتھی اہم بات یہ ہے کہ اس مقالہ میں صرف انہی علماء کی کتب کا ذکر کیا جائے گا جنہوں نے اس عنوان پر مستقل کتب لکھی ہیں۔ البتہ جن علماء نے اس موضوع پر کلام کیا ہے لیکن کتاب نہیں لکھی اُن کی تعداد کو شمار کرنا مشکل ہے پس ہزاروں تفاسیر ہی ایسی ہیں جن میں آیات کی مشکلات کو حل کیا گیا ہے نیز آیات کے اندر درمیان پیدا ہونے والے شبہات اور اشکالات کو دور کیا گیا ہے۔ یہ تفاسیر چاہے صحابہ سے منقول ہوں، تابعین سے یا بعد میں آنے والے علماء سے، ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں۔

چند نادر کتب:

چونکہ یہ موضوع ؛علوم قرآن،، کے کئی موضوعات کو گھیرتا ہے اور کئی انواع کا مجموعہ ہے اس لیے اس پر پہلی صدی ہجری سے ہی کئی کتب کی تصنیف کا عمل شروع ہو چکا تھا اور یہ بات بھی تمہید میں گزر چکی ہے کہ پہلے اس فن پر ،،متشابہ القرآن،، کے نام سے کتب لکھی جاتی تھیں یہاں اُن کتب کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ جو حوادث زمانہ کے باعث مفقود ہو چکی ہیں اور ہم تک نہیں پہنچ سکیں البتہ دوسری کتب میں اُن کا تذکرہ ملتا ہے اُن تمام کتب کا احاطہ ممکن نہیں ہے اس لئے چند کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ترتیب اس طرح ہوگی: پہلے کتاب کا نام اور پھر مصنف کا نام درج کیا جائے گا اور حاشیہ میں وہ حوالے مذکور ہوں گے جہاں اُن کتب کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ **متشابہ القرآن:** مقاتل ابن حیان البلخی (م ۱۵۰ھ) (۱۹)

۲۔ **جوابات القرآن:** امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) (۲۰)

۳۔ الرد علی الملحدین فی متشابہ القرآن: محمد بن مستیز المعروف قطرب (۲۰۶ھ)(۲۱)

۴۔ مشکل القرآن: حکیم ترمذی محمد بن علی بن الحسن (م ۲۸۵ھ)(۲۲)

۵۔ ضیاء القلوب من معانی القرآن وغریبہ ومشکلہ: مفضل بن سلمۃ بن عاصم ابو طالب (م ۲۹۰ھ)(۲۳)

۶۔ مشکل فی معانی القرآن: ابوبکر بن الانباری محمد بن قاسم (۳۲۸ھ)(۲۴)

۷۔ معانی القرآن وتفسیرہ ومشکلہ: ابن جراح الوزیر (۲۵)

۸۔ تاویلات القرآن: ابومنصور الماتریدی (م ۳۳۳ھ)(۲۶)

۹۔ مشکل القرآن: ابن فورک ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک الاصبہانی (م ۴۰۶ھ)(۲۷)

۱۰۔ مشکلات التفسیر: قطب الدین محمود الشیر ازی)(۲۸)

۱۱۔ المتشابہ فی القرآن: شریف رضی ابو الحسن محمد بن حسین بن موسیٰ علوی نقیب بغدادی (۴۰۶ھ)(۲۹)

۱۲۔ متشابہات الکتاب: علم الدین علی بن محمد السخاوی (۳۰)

۱۳۔ جوابات القرآن: احمد المہر جانی (۳۱)

۱۴۔ البرہان فی مسائل القرآن: ابن قدامہ المقدسی محمد بن احمد بن عبدالھادی (م ۶۲۰ھ)(۳۲)

۱۵۔ متشابہ القرآن/ امام کسائی، ابوالحسن علی بن حمزہ بن بھمن بن فیروز الاسدی الکوفی النحوی (م ۱۸۷ھ)(۳۳)

16. البیان فی مسائل القرآن: احمد بن اسماعیل الطالقانی القزوینی)(م ۵۹۰ھ)(۳۴)

۱۷۔ ری الظمآن فی متشابہ القرآن: ابومحمد عبداللہ ابن عبدالرحمان بن محمد انصاری اندلسی نحوی (م ۶۳۴ھ)(۳۵)

۱۸۔ ھدایۃ الصبیان لفہم بعض مشکل القرآن: علی بن عمر بن احمد المقری الشافعی (م ۱۲۰۳ھ) (۳۶)

۱۹۔ کشف المعانی عن متشابہ المثانی: بدر الدین محمد بن ابراھیم المعروف ابن الجماعۃ (م ۷۳۳ھ)(۳۷)

۲۰۔ کشف غوامض القرآن: ابن طرتح الرمانی النخفی (م ۱۰۸۵ھ)(۳۸)

۲۱۔ مشکل القرآن: ابن الانباری کمال الدین عبدالرحمن بن محمد النحوی (م ۵۷۷ھ)(۳۹)

۲۲۔ متشابہ القرآن: ابوالحسن بن المنادی (م ۳۳۶ھ)(۴۰)

۲۳۔ مجالس فی المتشابہ من آیات القرآنیہ: ابوالفرج عبدالرحمن بن علی البکری المعروف ابن الجوزی، (م ۵۹۷ھ)(۴۱)

۲۴۔ کشف المشکلات وایضاح المعضلات فی تفسیر القرآن: کمال الدین ابوالفتاح موسی بن یونس بن منعۃ الموصلی الشافعی (۴۲)

۲۵۔ کشف غوامض المنقول فی مشکل الآیات والآثار واخبار الرسول: زین العابدین محمد بسط المرصفی (۴۳)

۲۶۔ درء الکلمات علی غرر الآیات الموھمۃ للتعارض المشبھات: بیان الحق نیساپوری (م ۵۵۳ھ)(۴۴)

۲۷۔ المسائل فی القرآن: امام جاحظ (م ۲۲۵ھ)(۴۵)

۲۸۔ جوابات القرآن: امام احمد بن حنبل (۴۶)

۲۹۔ متشابہ القرآن: بشر بن معتمر (م ۲۱۰ھ)(۴۷)

۳۰۔ متشابہ القرآن: جعفر بن حرب الھمدانی (م ۲۳۶ھ)(۴۸)

۳۱۔ متشابہ القرآن: ابوالبقاء عبداللہ بن حسین (م ۶۱۶ھ)(۴۹)

۳۲۔ متشابہ القرآن: حمزۃ الزیات (م ۲۳۳ھ)(۵۰)

۳۳۔ متشابہ القرآن: نافع رحمہ اللہ (م ۱۷۰ھ) (۵۱)

۳۴۔ متشابہ القرآن: امام خلف بن ھشام (م ۲۲۹ھ)(۵۲)

۳۵۔ متشابہ القرآن: یحییٰ بن [illegible] (م [illegible]ھ)(۵۳)

۳۶۔ متشابہ القرآن: [illegible] (م [illegible]ھ)(۵۴)

۳۷۔ متشابہ القرآن: [illegible] (م [illegible]ھ)(۵۵)

۳۸۔ کتاب المشکلین: مشکل القرآن واللغۃ: ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ [illegible]
مکی معروف بن العربی (م ۵۴۳ھ)(۵۶)

۳۹۔ متشابہ القرآن: بشر بن معتمر (م ۲۱۰ھ)(۵۷)

۴۰۔ المشکل: داؤد بن علی الظاہری (م ۲۷۰ھ)(۵۸)

۴۱۔ متشابہ القرآن: ابوالبقاء العکبری (م ۶۱۶ھ)(۵۹)

۴۲۔ مشکل القرآن: ابن مطرف الکنانی (۶۰)

۴۳۔ البرہان فی مشکلات القرآن: ابوالمعالی بن مسعود الجیلی المعروف شیذلہ (م ۴۹۴ھ)(۶۱)

۴۴۔ متشابہ القرآن: محمود والوارق (م ۲۳۰ھ)(۶۲)

۴۵۔ تبیان التبیان فی مشکلات القرآن: محمد امین خطیب عمری (م ۱۲۰۳ھ)(۶۳)

۴۶۔ تاویل متشابہات القرآن: ابن شہر آشوب (م ۵۸۸ھ)(۶۴)

۴۷۔ أجوبۃ الاقناع والاحتساب فی مشکلات مسائل القرآن: مکی بن ابی طالب حموش محمد بن
مختار ابومحمد القیسی (م ۴۳۷ھ)(۶۵)

۴۸۔ مشکل القرآن وغریب القرآن: ابن نجیح النفزی (م ۴۳۷)(۶۶)

چند مطبوعہ کتب:

اس میں وہ کتب ذکر کی جائیں گی جو اس موضوع پر ہیں اور سب مطبوعہ ہیں یہاں پہلے کتاب کا نام پھر اس کے مصنف کا نام اور مکتبہ اور سن اشاعت اگر موجود ہے تو ذکر کیا جائے گا۔ تمام کتب کا احاطہ مشکل ہے ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

ا۔ اس ضمن میں صحابہ کرام میں سب سے پہلے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نام

آتا ہے انہوں نے مشکل کی دو انواع کے متعلق کلام کیا ہے۔

الغریب:

اس نوع سے متعلق وہ مجموعہ سب سے اہم ہے جو نافع بن الأزرق کے سوالوں اور ابن عباسؓ کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس کو امام جلال الدین السیوطی نے ''الاتقان'' میں جمع کیا ہے۔ اس کے بعد اس مجموعہ پر مستقل کتب بھی شائع ہوئی ہیں مثلاً:

ابوتراب نے اپنی کتاب ''شواہد القرآن'' کے پہلے حصہ میں ان الفاظ کو جمع کیا ہے اور ان کی مزید وضاحت بھی کی ہے۔(٦٧)

موھم الاختلاف والتناقض:

اس نوع پر بھی ابن عباس کا کلام موجود ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے، سعید کہتے ہیں:

قال الرجل لابن عباس رضی اللہ عنہ: انی أجد فی القرآن أشیاء تختلف علیّ۔۔۔۔ (٦٨)

الرد علی الزنادقة والجهمية:

یہ کتاب امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کی ہے۔ یہ کتاب بھی ''موہم الاختلاف والتناقض'' کے موضوع پر ہے۔ اس میں امام احمد زنادقہ اور ملحدین کا رد کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں موجود اختلاف اور تناقض حقیقی ہے۔

تأویل مشکل القرآن:

یہ ابن قتیبہ کی مشہور کتاب ہے۔(۲۷۶ھ) یہ کئی مکتبوں سے کئی بار چھپ چکی ہے ان میں زیادہ اہم سید احمد سقر کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ علمیہ سے شائع ہوئی۔

فوائد فی مشکلات القرآن:

یہ کتاب سلطان العلماء عز بن عبد السلام (۶۶۰ھ) کی ہے یہ کتاب سب سے پہلے ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ''سید رضوان ندوی'' کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۲ھ میں دار

الشروق جدہ سے شائع ہوئی۔

متشابہ القرآن:

یہ عبدالجبار الہمدانی (۴۱۵ھ) کی ہے جو عدنان ’زرزور‘ کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ التراث قاہرہ سے ۱۹۶۹ میں شائع ہوئی اور ۱۹۷۰ میں یہ ہی کتاب عدنان زرزور کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ دار المعارف دمشق سے شائع ہوئی۔

تفسیر المشکل من غریب القرآن العظیم:

یہ بھی مکی بن ابی طالب کی لکھی ہوئی ہے اور یہ کتاب علی حسین البواب کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۶ھ میں مکتبہ معارف سے شائع ہوئی۔

القرطین:

یہ کتاب محمد بن احمد بن مطرف الکنانی (۴۵۴ھ) کی ہے جس میں انہوں نے ابن قتیبہ کی دو کتابوں ’’تاویل مشکل القرآن‘‘ اور ’’تفسیر غریب القرآن‘‘ کو جمع کیا ہے، یہ مکتبہ دار المعرفۃ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

المسائل والاٴجوبۃ فی الحدیث والتفسیر:

یہ ابن قتیبہ کی کتاب ہے یہ کتاب مکتبہ ابن کثیر دمشق سے سب سے پہلے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔

متشابہ التنزیل:

یہ کتاب مکتبہ منیریہ، مکہ مکرمہ سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوئی۔ مصنف نامعلوم ہیں۔

فتح الرحمن بکشف مایلتبس من القرآن:

یہ کتاب الشیخ الاسلام ابویحییٰ بن زکریا انصاری کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۱۴۰۳ھ میں محمد الصابونی کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ دار القرآن الکریم، بیروت سے شائع ہوئی۔

باھر البرھان فی معانی مشکلات القرآن:

یہ بیان الحق نیساپوری کی کتاب ہے۔ ان کا پورا نام علامہ محمود بن ابی الحسن بن الحسین

النیساپوری الغزنوی ہے۔ یہ کتاب سعاد بن صالح بابقی کی تحقیق کے ساتھ پہلی دفعہ ۱۹۹۷ء جامعہ ام القری سعودی عرب سے شائع ہوئی۔

مدخل تفسیر القرآن والرد علی الملحدین:

یہ کتاب مرادی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی تحقیق صفوان داؤدی نے کی ہے۔ یہ مکتبۃ القلم دمشق سے شائع ہوئی۔

وضع البرھان فی مشکلات القرآن:

یہ کتاب بھی بیان الحق نیساپوری (م ۵۵۵ھ) کی لکھی ہوئی ہے۔ مکتبہ شامیہ، بیروت، لبنان سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوئی۔

أضواء علی متشابہات القرآن:

یہ خلیل یاسین کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو مکتبہ ہلال، بیروت سے دوسری مرتبہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

الأکمیل فی المتشابہ والتاویل:

یہ ابن تیمیہ کی کتاب ہے جو قاہرہ سے ۱۳۹۴ھ میں ایک چھوٹے رسالے کی شکل میں شائع ہوئی۔

درۃ التنزیل وغرۃ التاویل فی بیان الآیات المتشابہات فی کتاب اللہ العزیز:

اس کے مصنف خطیب اسکافی (م ۴۲۰ھ) ہیں ان کی یہ کتاب ۵۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ آفاق الجدیدہ، بیروت، لبنان سے ۱۹۷۹ء میں ایک جلد میں شائع ہوئی۔

المسائل والأجوبۃ فی الحدیث والتفسیر:

یہ ابن قتیبہ کی کتاب ہے جو مکتبہ ابن کثیر دمشق سے پہلی مرتبہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔

تنزیہ القرآن عن المطاعن:

یہ بھی عبد الجبار ہمدانی معتزلی (م ۴۱۵ھ) کی ہے۔ یہ کتاب بھی عدنان زرزور کی تحقیق

کے ساتھ مکتبہ نہضۃ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

متشابہ القرآن:

یہ امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی لکھی ہوئی ہے اور قاہرہ سے شائع ہوئی۔ سن اشاعت تحریر نہیں ہے۔

دفع ایہام الاضطراب عن آیات الکتاب:

محمد امین شقیطی کی ہے اس کو پہلی مرتبہ مکتبہ ابن تیمیہ نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔

ملاک التأویل:

یہ ابن زبیر الغرناطی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس کو مکتبہ نہضۃ نے بیروت سے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔

الروض الریان فی اسئلۃ القرآن:

یہ کتاب شرف الدین ریان کی لکھی ہوئی ہے جو مکتبہ دار العلوم والحکم، مدینہ منورہ سے پہلی مرتبہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔

مشکلات القرآن:

یہ انور شاہ کاشمیری (م ۱۳۴۳ھ) کی ہے اور اس کو سلسلہ مطبوعات مجلس علمی نے ہند سے شائع کیا۔

تفسیر آیات التی اشکلت علی کثیر من العلماء:

یہ کتاب احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی ہے۔ یہ مکتبہ اصمعی للنشر والتوزیع سے ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔

البرہان فی متشابہ القرآن:

یہ کتاب امام محمود بن حمزہ بن نصر الکرمانی (م ۵۰۰ھ) کی ہے۔ اس کی تحقیق احمد عز الدین عبد اللہ خلف اللہ نے کی ہے۔ اس موضوع پر بڑی بہترین کتاب ہے اور اس کا مقدمۃ التحقیق اس علم

سے متعلق اہم مباحث پر مشتمل ہے یہ مکتبہ دارالوفاء سے ۱۴۲۸ھ میں شائع ہوئی۔

معترک الاقران فی اعجاز القرآن:

یہ علامہ جلال الدین سیوطی کی ہے۔ دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۴۰۸ھ میں شائع ہوئی۔

ایضاح المشکلات:

یہ کتاب امام کشانی کی ہے اور زرکلی نے اس کے مطبوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۶۹) البتہ اس کے مکتبہ کا علم نہیں ہوسکا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) بحواله الاتقان: ۱/۲۲۹

(۲) الاتقان: ۱/۲۲۹، ۲۳۰

(۳) جگہ کی قلت کے باعث تفسیر القرآن بالقرآن کی مثالوں کو ذکر کرنا ممکن نہیں اس کے لیے ملاحظہ فرمایئے، ذهبی، محمد حسین، ڈاکٹر، تاریخ التفسیر والمفسرون: ۱/۳۷ تا ۳۹؛ ۴۰ تا ۴۴، دار الکتب الحدیثه، بغداد، ط ۲، ۱۳۹۶ھ

(۴) بخاری، ابوعبد الله، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح البخاری: ۲/۴۴۷، ح ۱۹۱۶، کتاب الصوم، باب قول الله تعالیٰ، (وکلو واشربوا۔۔۔) (البقرة ۲: ۱۸۷)، مکتبه رحمانیه، لاہور، س ن

(۵) الجامع الصحیح البخاری: ۱/۶۰۹، ح ۳۴۲۸، کتاب الانبیاء، باب قول الله تعالیٰ، {ولقد اٰتینا لقمان الحکمة} (لقمان: ۱۲)

(۶) الجامع الصحیح: ۱/۸۰، ح ۱۰۶، کتاب العلم، باب من سمع شیئا فراجع حتی یعرفه

(۷) الترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسی بن سورة، السنن الترمذی: ۲/۱۵۱، ابواب تفسیر القرآن، سورة مومنون، مکتبه اقراء قرآن کمپنی، لاهور، ۱۴۲۱ھ

(۸) الجامع الصحیح البخاری: ۱/۱۹۷، ح ۴۷۶۰، کتاب التفسیر، باب قول الله تعالیٰ: ''الذین یحشرون علی وجوههم'' (الفرقان: ۳۴)

(۹) واحدی، ابوالحسن علی بن احمد نیساپوری، اسباب النزول: ۵، دارالکتب العلمیه، بیروت، س ن

(۱۰) الاتقان: ۱/۲۸

(۱۱) تاریخ التفسیر والمفسرون: ۱/۶۳۔ ۹۳

(۱۲) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۲۴۰ تا ۲۴۲

(۱۳) الاتقان: ۲/۵۲ تا ۵۵

(۱۴) ابن حجر، شهاب الدین، احمد بن علی بن محمد، فتح الباری بشرح صحیح بخاری: ۸/۵۵۵، کتاب التفسیر، سورة حم سجده، مکتبه السلفیه، قاہرہ، ۱۳۸۰ھ

(۱۵) تاریخ التفسیر والمفسرون: ۱/۹۹، ۱۰۰

(۱۶) ابن تیمیه، ابو العباس، تقی الدین احمد، شیخ الاسلام، مقدمه فی اصول التفسیر: ۶۱، دار القرآن الکریم، بیروت، ط۲، ۱۳۹۹ھ

(۱۷) یہ ساری تفصیل بیان الحق نیساپوری (م ۵۵۵ھ) کی کتاب ''وضع البرهان فی معانی مشکلات القرآن'' کے مقدمہ تحقیق سے لی گئی ہے:

وضع البرهان فی معانی مشکلات القرآن: ۱/۱۷-۲۰، دار القلم، دمشق، س ن

(۱۸) یہ ساری تفصیل علامہ کرمانی کی کتاب ''البرهان فی متشابه القرآن کے مقدمہ تحقیق سے اخذ کی گئی ہے جو:

مقدمه التحقیق، احمد عز الدین عبد الله خلف الله: ۵۲-۵۸، مکتبه دار الوفاء، ط۲، ۱۴۲۸ھ

(۱۹) داؤدی، محمدبن علی بن احمدالمالکی (م۹۴۵ھ)، امام، طبقات المفسرین: ۲/۲۳۱، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، س ن

(۲۰) ابن الندیم، ابوالفرج الوارق، الفهرست: ۸۸، مترجم: مولانا محمد اسحاق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۶۹ء

(۲۱) البرهان فی علوم القرآن: ۲/۱۴۷

(۲۲) الجامع لاحکام القرآن: ۱۵/۴۳

(۲۳) الفهرست: ۸۵

(۲۴) داؤدی، طبقات المفسرین: ۲/۲۲۱

(۲۵) الفہرست: ۸۵

(۲۶) زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، امام، الاعلام: ۷/۶۴۲، دار العلم الملایین، بیروت، لبنان، س۔ن

(۲۷) یاقوت حموی، شہاب الدین، ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجم البلدان: ۱/۲۲۷، مکتبہ دار الفکر، بیروت، لبنان، س۔ن

(۲۸) حاجی خلیفہ، کاتب جلپی، ملا، کشف الظنون: ۲/۱۶۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

(۲۹) اسماعیل، پاشا بن محمد امین بن میر سلیم، ایضاح المکنون: ۴/۴۲۶، منشورات مکتبۃ المثنی، بغداد، س ن

(۳۰) ایضاح المکنون: ۴/۴۲۶

(۳۱) داؤدی، طبقات المفسرین: ۱/۵۵

(۳۲) سیوطی، اسماعیل بن کثیر، ابو الفداء (م ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ: ۱۳/۹۹، دار احیاء التراث العربی، ط۱، ۱۴۰۸ھ

(۳۳) فواد سیزگین، ڈاکٹر، تاریخ التراث العربی: ۱/۱۱۲، ادارۃ ثقافت و نشریات جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ، سعودی عرب، ۱۴۱۱ھ

(۳۴) الاعلام: ۱/۹۳

(۳۵) ایضاح المکنون: ۳/۶۰۴

(۳۶) ایضاح المکنون المکنون: ۴/۷۲۰

(۳۷) ایضاح المکنون: ۴/۳۶۷

(۳۸) الاعلام: ۵/۳۲۷

(۳۹) ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، شمس الدین، علامہ، (م ۷۴۸ھ)، سیر الاعلام النبلاء: ۱۵/۵۱۲، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط ۲، ۱۴۰۶ھ

(۴۰) تاریخ التراث العربی: ۱/۱۰۲

(۴۱) الاعلام: ۴/۸۹

(۴۲) ایضاح المکنون: ۲/۳۶۷

(۴۳) ایضاح المکنون: ۴/۳۶۳

(۴۴) ایضاح المکنون: ۲/۴۶۸

(۴۵) داؤدی، طبقات المفسرین: ۲/۱۶

(۴۶) داؤدی، طبقات المفسرین: ۱/۷۲

(۴۷) طبقات المفسرین: ۱/۱۱۷

(۴۸) طبقات المفسرین: ۱/۱۲۷

(۴۹) أیضاً: ۱/۲۲۲

(۵۰) الفہرست، ص۸۸

(۵۱) أیضاً

(۵۲) أیضاً

(۵۳) أیضاً

(۵۴) أیضاً

(۵۵) أیضاً

(۵۶) داؤدی، طبقات المفسرین: ۲/۱۶۹

(۵۷) داؤدی، طبقات المفسرین: ۱/۱۱۷

(۵۸) أیضاً، ۱/۱۷۳

(۵۹) طبقات المفسرین: ۱/۲۲۲

(۶۰) الاعلام، ۶/۲۰۶

(٦١) الاعلام، ۲۳۲/۴؛ کشف الظنون، ۱/۱۷۳

(٦٢) الفهرست، ۸۸

(٦٣) الاعلام، ٦/۴۱

(٦٤) الاعلام، ۷/۱٦۷

(٦٥) داؤدی، طبقات المفسرین: ۲/۲۱۲

(٦٦) ایضاً، ۲/۳۳۸

(٦٧) تاریخ التراث العربی: ۱/٦۷

(٦٨) فتح الباری، ۸/۵۵۵

(٦٩) الاعلام: ٦/٦۳

❀❀❀❀❀❀❀

باب دوم

مشکل القرآن کے اسباب اور اُن کے حل کے بنیادی اصول

فصل اول: مشکل القرآن کے اسباب کی پہلی نوع

فصل دوم: مشکل القرآن کے اسباب کی دوسری نوع -لغوی، نحوی اور بلاغی اشکالات

فصل سوم: مشکل القرآن کے حل کے بنیادی اصول

''مشکل القرآن کے اسباب مفسرین کے اقوال کی روشنی میں:۔

تمہید:

قرآن کریم کی آیات کے اندر جو اشتباہ یا اشکال پایا جاتا ہے اسکے مفسرین نے کئی اسباب ذکر کیے ہیں۔ یہاں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی یہ کہ متقدمین مفسرین کے ہاں مشکل اور متشابہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے تھے جیسا کہ اسکی تفصیل باب اول میں گزر چکی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے مشکل ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ بالکل سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ قرآن فہمی میں سب لوگ برابر نہیں ہیں ضروری نہیں کہ ایک آیت اگر ایک قاری کو مشکل محسوس ہوتی ہے تو وہ سب کے لیے ہی مشکل ہوگی۔

لہٰذا اس بات پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ مشکل القرآن میں وہ ہی آیات شامل ہیں جنکا معنی گہرے تدبر اور غور و فکر سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ایسا ہر گز نہیں کہ اُن کے معانی تک رسائی ناممکن ہے پس مشکل القرآن ایک اجتہادی میدان ہے۔

قرآن کریم میں اِن آیات کے وجود کی حکمت کیا ہے؟ اس پر باب اول میں بحث ہو چکی ہے۔ اللہ رب العزت قادر مطلق اور حکیم و دانا ہیں اُن کا کوئی بھی فعل عبث نہیں ہے لہٰذا ایسی آیات کا قرآن میں وجود بے شمار مقاصد اور معانی قرآن کے دائرہ کی وسعت کے لیے ہے۔ ہر مشکل آیت کے مقصد کی وضاحت اور متعدد معانی کا تذکرہ یہاں موضوع کا مقصود نہیں ہے۔ کئی تفاسیر میں ان پر مفسرین نے روشنی ڈالی ہے۔

یہاں اس باب میں مشکل القرآن کے اسباب کو اختصار کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس ضمن میں مفسرین نے جو اسباب ذکر کیے ہیں ان میں سے چند مفسرین کے اقوال کو پہلے ذکر کیا جائے گا۔

☆ **امام راغب اصفہانی** کی وضاحت مفردات القرآن کے حوالے سے درج ذیل ہے۔

''المتشابه بالجملة ثلاثة أضرب: متشابه من جهة اللفظ فقط، ومن جهه المعنى فقط، ومن جهتهما۝ (فالاول) ضربان، أحدهما يرجع الى الألفاظ المفرده، امّا من جهة الغرابة، نحوالأبّ ويزفّون أوالاشتراك كاليدواليمين۔(وثانيهما) يرجع الى جملة الكلام المركب، وذلك ثلاثة أضرب ضرب لاختصار الكلام، نحو (وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء ۴:۳) وضرب لبسطه نحو (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) (الشوری ۴۲:۱۱) لانه لو قيل: ليس مثله شئ كان أظهر للسامع، وضرب لنظم الكلام، نحو (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا) (الکہف ۱۸:۱،۲) تقديره: أنزل على عبده الكتاب قيمّا ولم يجعل له عوجا۔

والمتشابه من جهة المعنى أوصاف الله تعالى وأوصاف القيامة، فان تلك الأوصاف لاتتصورلنا، اذكان لا يحصل فى نفوسنا صورته مالم نحسه او ليس من جنسه۝

والمتشابه من جهتهما'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (۱)

امام راغب نے یہاں مشکل کی جگہ متشابہ کا لفظ ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشکل متشابہ کی ایک قسم ہے اور ان دونوں کا آپس میں عام خاص من وجہ کا تعلق ہے۔

(۲) علامہ زرقانی نے اپنی کتاب ''مناھل العرفان فی علوم القرآن'' میں آیات قرآنی میں اشتباہ یا اشکال کے جو اسباب ذکر کیے ہیں اسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

قرآن کی کسی بھی آیت کے معنی یا تاویل میں جو ابہام یا پوشیدگی پائی جاتی ہے وہ یا تو

آیت کے کسی بھی لفظ کے سبب سے ہوگی اور پھر اُس مفرد لفظ میں ابہام دو وجہوں سے ہوگا۔

ا:۔ یا تو وہ مفرد کلمہ غریب ہوگا۔ مثلاً

سورۃ عبس کی آیت (وَ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا) (عبس ۸۰:۳۱) میں لفظ (الابّ) باء کی تشدید کے ساتھ اپنے قلیل الاستعمال اور نامانوس ہونے کی وجہ سے غریب القرآن میں شامل ہے۔

۲:۔ یا پھر وہ مفرد کلمہ دو یا دو سے زیادہ معنوں میں مشترک ہوگا اور اس لفظ کی کسی ایک معنی پر دلالت کی کوئی دلیل ترجیح بھی موجود نہ ہوگی۔ مثلاً لفظ ''ید'' اور ''عین'' یہ دونوں مختلف معانی کے لیے موضوع ہیں۔

یا پھر آیت قرآنیہ کے کلام مرکب میں اشکال پایا جائے گا اور کلام مرکب میں ابہام تین اقسام پر موجود ہے۔

(ا)۔ بوجہ اختصار کلام کے مثلاً (وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ) (النساء ۴:۳) یہاں آیت کے معنی میں پوشیدگی کلام کے مختصر ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہے یہاں اصل عبارت ایسے تھی۔

(وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ) (النساء ۴:۳)

مطلب اسکا یہ ہے کہ اگر تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کو اس وجہ سے گناہ سمجھو کہ تم اُن پر ظلم کرنے لگو گے تو تم اُن کے علاوہ جن کو پسند کرو اُن سے نکاح کرلو۔

(۲)۔ اور کبھی کلام میں الفاظ کی زیادتی اور بسط کی وجہ سے پوشیدگی اور اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔

جیسے (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) (الشوریٰ ۴۲:۱۱)

اس مثال میں اگر کاف نہ بڑھایا جاتا اور فقط ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' کہہ دیا جاتا تو یہ سننے والے کے لیے زیادہ صاف اور واضح ہوتا۔

(۳)۔ اور کبھی کبھی کلام میں ترتیب کے تغیر کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً:

(اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَ لَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَيِّمًا) (الکھف ۱۸:۱،۲)

تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کسی بھی طرح کی پیچیدگی نہیں رکھی بلکہ سلیس اور سیدھی اتاری یہ عبارت اصل ترتیب کے لحاظ سے {ولم یجعل له عوجا} تھی۔

اور کبھی کبھی کلام میں اشتباہ معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً صفات باریٰ تعالی، قیامت کے احوال، جنت کی نعمتیں اور جہنم کے عذاب وغیرہ کیونکہ کوئی بھی عقل انسانی ان چیزوں کے حقائق کا احاطہ نہیں کرسکتی ہے۔لیکن یہ قسم ہماری بحث سے خارج ہے

(۴)۔اور کبھی کلام میں اشتباہ یا اشکال لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہوتا ہے جیسا کہ:

وَ لَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَ لٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ (البقرۃ ۲:۱۸۹)

اس آیت میں ابہام لفظ اور معناً دونوں اعتبار سے ہے۔لفظاً تو کلام کے مختصر ہونے کی وجہ سے ہے اور معناً اس اعتبار سے کہ اگر قرآن میں یہ آیت وضاحت اور بسط کے ساتھ بھی موجود ہوتی تو پھر بھی اسکا سمجھنا اُس شخص کے لیے مشکل ہوتا جو اہل عرب کی زمانہ جاہلیت کی عادت سے واقف نہ ہوتا۔

دراصل یہ آیت اُن انصاریوں کے متعلق تھی کہ جب وہ حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے تو وہ اپنے گھر یا خیموں میں اُن کے دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ ان کے پیچھے سے داخل ہوتے۔ دراصل لفظاً بسط کے ساتھ آیت کو اس طرح سے ہونا چاہیے تھا۔

''ولیس البربأن تأتوا البیوت من ظهورها اذا كنتم محرمين لحج أوعمرة۝''

علامہ زرقانی نے جو اسباب ذکر کیے ہیں وہ درحقیقت امام راغب کی عبارت کی تشریح ہے

اسی لیے وہ یہ سارا کلام نقل کرنے کے بعد اپنی کتاب میں ''مفردات القرآن'' کی یہ ہی عبارت بطور اقتباس لائے ہیں۔(۲)

☆ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اپنی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں قرآن کریم کی آیات میں معنی کی پوشیدگی کے چند اسباب ذکر کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔پس حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

''لیعلم أن القرآن العظیم قدنزل فی لغة العرب القحّةالواضحة، وفهم العرب معنی منطوقة بسلیقتهم الّتی جبلو علیها. کماقال تعالیٰ: (وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝) (الزخرف ۲:۴۳) وقال تعالیٰ: (قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝) (یوسف ۲:۱۲) وقال تعالیٰ: (كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝) (ھود ۱:۱۱)

وکان من مرضیّ الشارع الحکیم عدم الخوض فی تأویل المتشابهات القرآنیة، وتصویر حقائق الصفات الالهیة، وتسمیة المبهم، واستقصاء القِصص، ومأأشبه ذلك. ولذلك قلّماکانوا یسٔالونه ﷺ عن مثل ذلك ولهذ الم یرفع فی هذا الباب من الأحادیث الاشئ قلیل۞

ولکن ما مضت تلك الطبقة وتدخل العجم، وتُرکت تلك اللّغة الأصلیة. واستعصی فهم المراد فی عبض المواضع، ومسّت الحاجة الی تفتیش اللّغة والنحو، وجرت الأسٔلة والأجوبة فیمابین النآس، وصنّفت کتب التفسیر، لزم ان نذکرهذه المواضع الصعبة اجمالاً.

ونور دلها أمثلة حتى لايحتاج المفسر عند الخوض فيها الى زيادة بيان، ولايصطرّ الى المبالغة فى الكشف عنها وشرحها۔

أسباب صعوبة فهم المراد من الكلام:

۱۔ بسبب استعمال لفظ غريب

۲۔ وأحيانا للغفلة عن أسباب النزول

۳۔ بسبب حذف المضاف أوالموصوف أوغيرهما۔

۴۔ واحيانا لابدال شئ بشیء، أوابدال حرف بحرف، أواسم باسم أوفعل بفعل، أولذكر الجمع مكان المفرد، أوبالعكس، أو للالتفات عن الخطاب الى الغيبة۔

۵۔ لتقديم ماحقّه التأخير أوبالعكس

۶۔ بسبب انتشار الضمائر، اوتعدد المراد من اللفظة الواحدة۔

۷۔ بسبب التكرار والاطناب

۸۔ بسبب الاختصار والايجاز

۹۔ بسبب استعمال الكناية والتعريض، والمتشابه والمجاز العقلى۔'' (۳)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ٹھیک ٹھیک محاورہ اہل عرب کے مطابق نازل ہوا۔ عرب قدرتی طور پر اسکے صحیح معنی سمجھ لیتے تھے چنانچہ اسی لیے اللہ تعالی نے اس کتاب کے متعلق فرمایا:

۱۔الکتاب المبین کھول کر بیان کرنے والی کتاب

۲۔قرانا عربیا لعلکم تعقلون عربی قرآن، تا کہ سمجھ لو

۳۔احکمت آیاته ثمّ فصّلت اسکی آیتیں محکم ہیں پھر اُن کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

شارع کی مرضی ہے کہ قرآن کی متشابہ آیات کی تاویل میں اللہ کی صفات کی حقیقت کو متصور کرنے میں۔مبہم امور کی تخصیص اور قصوں وغیرہ کی تفصیل میں غور وحوض نہ کیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات بہت کم کرتے تھے۔اسی لیے سوالات کم ہی نقل کیے گئے ہیں۔لیکن جب صحابہ کا دور گزر گیا اور عجمیوں کی مداخلت سے پہلی زبان متروک ہوگئی تب بعض مقامات پر شارع کی مراد کو سمجھنا دشوار ہو گیا۔اس لیے لغت اور علم نحو کی چھان بین کی حاجت ہوئی۔ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور تفسیری کتب کی تصنیف کا آغاز ہوا۔اس وجہ سے ہمیں لازم ہے کہ مشکل مقامات کا اجمالاً ذکر کر دیں اور اُس کے ساتھ مثالیں بھی پیش کر دیں تاکہ غور وخوض کے وقت طول بیانی کی ضرورت نہ رہے اور وہ مقامات خود حل ہو جائیں۔

پس کلام کا مفہوم سمجھ میں نہ آنے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱)۔کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہونے کا سبب اس کا غیر مانوس یا اجنبی ہونا، ہوتا ہے۔

(۲)۔کبھی اس کا سبب ناسخ ومنسوخ کی تمیز نہ کرنے سے ہوتا ہے۔

(۳)۔کبھی سبب نزول کے بھول جانے سے

(۴)۔کبھی مضاف اور موصوف وغیرہ کے محذوف ہونے سے

(۵)۔کبھی کسی چیز کو کسی چیز سے یا کسی حرف کو کسی اور حرف سے یا اسم کو کسی اور اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو واحد سے اور واحد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینے کی وجہ سے اصل مفہوم ذہن میں نہیں آتا۔

(۶)۔اسی طرح کبھی مقدم کے مؤخر ہونے سے یا مؤخر مقامات کے مقدم ہونے سے

(۷)۔کبھی ضمائر کے انتشار سے

(۸)۔کبھی ایک لفظ کے متعدد معنی ہونے سے،کبھی تکرار واطناب سے

(۹)۔کبھی اختصار اور بعض وقت کنایہ، استعارہ، متشابہ اور مجاز عقلی کے سبب سے اصل مطلب مخفی رہتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی ''الاتقان'' کی تریسٹھویں (۶۳) نوع میں جو کہ ''آیات المتشابہات'' کے نام سے موسوم ہے۔

تشابہ کے اسباب ذکر کیے ہیں۔ اس نوع میں متشابہ بمعنی مشکل ہے۔ اور یہاں بھی علامہ سیوطیؒ نے متشابہ معنوی جو کہ محکم کے مقابلے میں ہے اُسکو اپنی بحث سے خارج کیا ہے۔

پس آیات میں تشابہ کے اسباب بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

''والقصد به: ایراد القصة الواحدة فی صور شتی، وفواصل مختلفة، بل تأتی فی موضع واحد مقدّما، وفی آخر موخراً وفی آخر منکرّا، اومفردًا وفی آخر جمعا، أوبحرف وفی آخر بحرف آخر، أومدغمًا وفی آخر مفکوکاً، وهذا النوع سیتداخل مع نوع المناسبات۔'' (۴)

آیات کے باہم مشابہ لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی قصہ کو متفرق صورتوں میں وارد اور مختلف فواصل کے ساتھ بیان کیا جائے بلکہ کوئی قصہ ایک موضع میں مقدم اور دوسری جگہ میں مؤخر بھی آیا کرتا ہے مثلاً سورۃ بقرہ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ (وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ) (البقرہ۲:۵۸) اور سورۃ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

(وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا) (الاعراف۷:۱۶۱) اسی طرح سورۃ بقرہ میں (وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ) (بقرہ۲:۱۷۳)

اور باقی ہر جگہ قرآن میں (وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ) (بقرہ۲:۱۷۳) وارد ہوا ہے یا یہ کہ ایک موضع میں کسی حرف کی زیادتی کے ساتھ اور دوسری جگہ بغیر اُس زیادتی کے آیا ہے مثلاً (وَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ) (یٰسین۳۶:۱۰) اور سورۃ بقرہ میں بغیر واؤ کے اس طرح آیا ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ (بقرۃ۲:۶) اسی طرح سورۃ بقرہ میں (وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ) (بقرہ۲:۱۹۳) اور سورۃ انفال میں (كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ) (انفال۸:۳۹) یا پھر اس طرح کہ ایک جگہ اسم

معرفہ اور دوسری جگہ اسم نکرہ آیا ہو یا ایک جگہ مفرد اور دوسری جگہ جمع ہو یا ایک موضع میں کسی ایک حرف کے ساتھ اور دوسری جگہ دوسرے حرف کے ساتھ وارد ہوا ہو یا یہ کہ ایک جگہ مدغم اور دوسری جگہ مفکوک ہو۔ اور یہ نوع مناسبات کی نوع کے ساتھ متداخل ہوتی ہے۔"

اس طرح کرنے کی مختلف توجیہات کتب تفسیر میں علمائے تفسیر سے منقول ہیں اسکے علاوہ جلال الدین سیوطیؒ نے فصل کی ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ "اس نوع کے بارے میں بہت سے لوگوں نے جداگانہ اور مستقل کتابیں لکھی ہیں۔" جن میں میرا گمان ہے کہ پہلا شخص کسائی ہے اور سخاوی نے اسکو نظم کیا ہے۔ علامہ کرمانی نے اپنی کتاب "البرھان فی متشابہ القرآن" اسی نوع کی توجیہ میں تالیف کی ہے۔

اور اس سے بہتر کتاب "درۃالتزیل وغرۃ التاویل" ابو عبداللہ الرازی کی تالیف ہے پھر اس سے بھی بڑھ کر عمدہ کتاب ابی جعفر ابن الزبیر نے لکھی ہے جسکا نام "ملاک التاویل" ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور کتاب "کشف المعانی عن متشابہ المثانی" ہے۔ اسکے مصنف قاضی بدرالدین بن جماعۃ ہیں۔"

علامہ جلال الدین نے الاتقان میں "مشکل القرآن" کے حوالے سے ایک اور سبب کو ایک نوع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور اسکا نام "فی مشکلہ وموھم الاختلاف والتناقض" (۵) رکھا ہے۔

پس اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ آیات قرآنی میں جو اشکال پایا جاتا ہے اسکے درج ذیل اسباب ہیں۔

(۱)۔ تعارض آیات

(۲)۔ قرآن کے غریب الفاظ

(۳)۔ قرآن کے دو یا دو سے زیادہ معنوں میں مشترک الفاظ

(۴)۔تقدیم وتاخیر

(۵)۔ایجاز واطناب

(۶)۔استعارہ اور مجاز عقلی

(۷)۔اہل عرب کی عادات سے عدم واقفیت

(۸)۔التفات

(۹)۔ابدال (ایک حرف کی دوسرے حرف سے تبدیلی، مفرد کی جگہ جمع اور جمع کی جگہ مفرد آنا، ایک جگہ معرفہ ذکر کرنا اور دوسری جگہ نکرہ)

(۱۰)۔کنایہ اور تعریض

(۱۱)۔انتشار ضمائر، وغیرہ

اس باب میں ان تمام اسباب کی وضاحت مع امثلہ نیز ان اسباب کے قرآن میں لانے کے مقاصد اِن سب سے بحث کرنا ممکن نہیں ہے۔

یہاں اس موضوع میں ''مشکل القرآن'' کی بحث چونکہ دو تفاسیر تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کے حوالے سے ہے۔اس لیے اُنہی اسباب کو ذکر کیا جائے گا جن کا تذکرہ اِن تفاسیر میں ملتا ہے کہ اِن تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اِن میں زیادہ مثالیں اُن اشکالات سے متعلق ہیں جو عام نوعیت کے ہیں۔مثلاً مسئلہ تقدیر، خلق خیر وشر، اصحاب کہف، خضرؑ، صائبین، لقمانؒ، مسئلہ عصمت انبیاء، وغیرہ۔نیز متعارض آیات کی توجیہات بھی بکثرت ہیں علمی اشکالات مثلاً لغوی، نحوی اور بلاغی وغیرہ تفسیر بیان القرآن میں اِسکی کافی مثالیں موجود ہیں البتہ تفسیر عثمانی میں انتہائی کم مقامات پر اِن کا تذکرہ ملتا ہے۔مثلاً قرأت سے مختلف اختلاف پوری تفسیر میں فقط دو یا تین جگہ پر آیا ہے۔اِن تفاسیر سے حاصل ہونے والی مثالوں کی روشنی میں آسانی کی خاطر ''مشکل القرآن'' کے اسباب کو دو انواع میں تقسیم کیا جارہا ہے۔اور اِن دو انواع کو دو فصول میں ذکر کیا جائے گا۔

نوع اول: مسئلہ تعارض آیات

نوع ثانی: لغوی، نحوی، بلاغی اشکالات

وجہ تقسیم یہ ہے کہ ان تفاسیر میں زیادہ تر مثالیں اُن آیات کی توجیہات سے متعلق ہیں جو کسی دوسری آیت سے یا حدیث سے متعارض محسوس ہوتی ہیں نیز تعارض آیات اور غریب القرآن یہ ہی وہ دو بنیادی انواع ہیں جن کے متعلق سب سے پہلے ابن عباسؓ کا کلام ثابت ہے۔ اور دوسری نوع میں اختصار کی خاطر بقیہ تمام اسباب (لغوی، نحوی اور بلاغی) کو اکھٹا کر دیا کیونکہ اس نوع کی ذیل میں آنے والے اسباب کا فقط تعارف کرانا مقصود ہے تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

فصل اول: مشکل القرآن کے اسباب کی پہلی نوع

مسئلہ تعارض آیات

قرآن کریم کا تضاد یا تعارض مفسرین کے ہاں ایک **معرکۃ الآراء** مسئلہ رہا ہے۔ اگر چہ حقیقت میں کوئی تضاد یا تعارض نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ دو آیات کا آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہونا مانا جائے تو اس سے متکلم کے لیے حالات سے ناواقفی یا عجز کا اثبات ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اِن نقائص سے منزّہ ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کوتاہ نظری اور کم عقلی کی بناء پر آیات میں تعارض کا وھم پیدا ہوتا ہے۔ تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔ تفسیر عثمانی اور بیان القرآن میں نہایت آسان اور عمدہ طریقے سے ایسی متعارض آیات کی توجیہات بکثرت ملتی ہیں۔ انسان اصل میں جاہل ہے وہ جتنا بھی علم حاصل کرلے پھر بھی اُسکا جہل اُس پر حاوی رہتا ہے۔ اُسکا جہل ہر حالت میں اُس کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ علم کے حصول کے ساتھ ساتھ اُسکے جہل میں کمی آتی رہتی ہے لیکن اسکا علم اُس کے جہل سے بڑھتا نہیں اسلیے انسان کے علم میں بے شمار اختلافات، تضادات اور تناقضات پائے جاتے ہیں قران کی آیات میں جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ انسان کے اس ذاتی وصف جہالت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی کے علم میں تو اختلافات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

تعارض یا تناقض کی تعریف: تعارض یا تناقض سے کیا مراد ہے اسکی مختلف علماء نے تعریفات ذکر کیں ہیں۔ مثلاً

عبداللطیف برزنجی لکھتے ہیں:۔

"التمانع بين الأدلة الشرعية مطلقاً. بحيث يقتضى أحدهما عدم ما يقضيه الآخر۔" (٦)

ترجمہ:۔ ادلہ شرعیہ کے مابین مطلق تعارض کہتے ہیں کہ ایک جن امور کا تقاضہ کر رہا ہے دوسرا ان کے علاوہ دیگر امور کا مقتضی ہو۔

اسی طرح جمال الدین الاسنوی فرماتے ہیں:

''فعلی هذا یکون التعارض بین الأمرین : تقابلهما علی وجه یمنع کل واحد منهما مقتضی صاحبه'' (۷)

ترجمہ:۔ اس بنیاد پر دو چیزوں کے مابین تعارض کا معنی ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے یوں مد مقابل ہوں کہ ایک کا دوسرے کے مقتضی کے ساتھ جمع ہونا ممنوع ہو۔

امام غزالی اور ابن قدامہ دونوں کے نزدیک تعارض اور تناقض ہم معنی ہیں۔

''التعارض. هو التناقض'' (۸)

تعارض کی حقیقت:۔

قرآن مجید میں ظاہر تعارض ہے حقیقی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقی تعارض کے لیے آٹھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے اگر اِن میں سے کوئی وحدت فوت ہو جائے تو تناقض نہیں ہوگا۔

(۱)۔ موضوع کا اتحاد:۔

اگر دونوں جملوں میں مختلف موضوع ذکر کیے جا رہے ہوں تو کوئی تناقض نہیں ہوگا۔ اگر ایک موضوع ہے بس جملے کی ترتیب بدلی ہے تو یہ تناقض ہوگا مثلاً

پہلا جملہ: زید قائم۔

دوسرا جملہ: عمرو لیس بقائم۔

پہلے جملے کا مطلب ہے کہ زید کھڑا ہے اور دوسرا جملہ بتا رہا ہے کہ عمرو کھڑا نہیں ہے۔ یہاں دونوں جملوں میں موضوع کا اختلاف ہے۔ لہذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۲)۔ محمول کا اتحاد:

اس کی مثال یہ ہے۔

زید قائمٌ وزیدٌ لیس بضاحك۔

یعنی زید کھڑا ہے اور زید ہنس نہیں رہا ہے یہاں پہلے جملہ میں قیام کو زید پر محمول کیا جا رہا ہے اور دوسرے جملہ میں عدم ضحک کو زید پر محمول کیا جا رہا ہے۔ پس کوئی تناقض نہیں اسلیے کہ محمول مختلف فیہ ہے۔

(۳)۔زمان کا اتحاد:

مثلاً زیدٌ نائم لیلاً وزید لیس بنائم نهارًا۝

پہلے جملہ میں زید کے لیے نیند کا اثبات ہے اور دوسرے جملہ میں زید سے نیند کی نفی کی جا رہی ہے۔ بظاہر تناقض ہے لیکن حقیقۃً نہیں ہے اسلیے کہ یہاں زمانے کا اختلاف ہے وہ اس طرح سے کہ رات میں زید کے لیے نیند کا اثبات ہے اور دن میں زید سے نیند کی نفی کی جا رہی ہے۔

(۴)۔مکان کا اتحاد:

مثلاً زیدٌ جالس فی الدار وزید لیس بجالس فی السوق۝

یعنی زید گھر میں بیٹھا ہے اور بازار میں نہیں بیٹھا ہے۔ یہاں زید کا بیٹھنا گھر کے ساتھ منسلک ہے اور نہ بیٹھنا بازار سے متعلق ہے۔ لہذا کوئی تعارض نہیں اسلیے کہ مکان کا اختلاف ہے۔

(۵)۔شرط کا اتحاد:

کل حیوان انسان بشرط کونه ناطقا وبعض الحیوان لیس بانسان بشرط کونه لاَناطقاً۝

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ''ہر حیوان انسان ہے بشرطیکہ وہ بولنے والا ہو۔ اور بعض حیوان انسان نہیں ہیں بشرطیکہ کہ وہ نہ بولنے والے ہوں، یہاں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ دونوں جملوں میں شرط مختلف ہے۔

(٦) اضافت کا اتحاد:

''زید اب لعمرو وزید لیس باب حامدٍ''

یعنی زید عمرو کا باپ ہے اور زید حامد کا باپ نہیں ہے۔ یہاں بھی تناقض نہیں ہے اسلیے کہ اضافت مختلف فیہ ہے۔

(۷) قوت و فعل کا اتحاد:

''کل انسان کاتب بالقوۃ و بعض الانسان لیس بکاتب بالفعل''

یعنی ہر انسان لکھنے کی قوت اور طاقت رکھتا ہے اور بعض انسان فعل کے اعتبار سے کاتب نہیں ہیں۔ یہاں قوت اور فعل میں اختلاف ہے لہذا تناقض نہیں ہے۔

(۸)۔ جزو و کل کا اتحاد:

مثلاً ''بعض الزنجی اسود و کل زنجی لیس بأسود''

یعنی زنجی کا بعض بدن اسود ہے اسلیے کہ دانت سفید ہیں اور کل زنجی اسود اسلیے نہیں کہ دانت سفید ہیں۔ یہاں جزو اور کل کا اختلاف ہے۔

(۹)۔ اتحاد تمیز:

کبھی کبھی تمیز کے اختلاف کی وجہ سے بھی تعارض دفع ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید طیب نسباً کہ زید نسب کے اعتبار سے اچھا ہے وزید لیس بطیب خلقاً اور زید اخلاق کے لحاظ سے اچھا نہیں ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (۸۔ الف)

''اختلاف، تعارض یا تناقض کے رد کی نقلی دلیل''

سورۃ النساء میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ (النساء ۴:۸۲)

اگر یہ کلام کسی انسان کا ہوتا اور اللہ رب العزت کی طرف سے نازل نہ ہوتا جیسا کہ مشرکین اور منافقین اپنی باطنی جہالت کی بنا پر اِسکے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے ہیں تو اسمیں شدید تضاد اور اضطراب پایا جاتا جبکہ ایسا نہیں ہے پس یہ منزل من اللہ ہے۔

ابن عباسؓ قتادہ اور ابن زید کے قول کے مطابق اس آیت میں اختلاف سے مراد تناقض ہے۔(۹)
امام شافعی اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''ان الاختلاف بین المکلفین فی بعض معانیه أومسائله لا یستلزم أن یکون فیه نفسه اختلاف. فقد اختلفت الأمم فی النبوات ولم یکن ذلك دلیلاً علی وقوع الاختلاف فی نفس النبوات. واختلفت فی مسائل کثیرة من علوم التوحید، ولم یکن اختلافهم دلیلاً علی وقوع الاختلاف فیما اختلفوا فیه. فکذلك مانحن فیه. واذا ثبت هذا، صحّ منه ان القرآن فی نفسه لااختلاف فیه۝'' (۱۰)

''قرآن کے بعض معانی اور مسائل کے بارے میں مکلفین کا آپس میں اختلاف اس بات کو ضروری اور لازمی نہیں قرار دیتا کہ قرآن میں فی نفسه بھی اختلاف پایا جائے جیسا کہ تمام اُمتیں نبوت کے اعتبار سے مختلف تھیں یعنی ہر امت کی طرف الگ نبی آیا۔ یہ بات نفسِ نبوت میں اختلاف کے واقع ہونے پر دلیل نہیں بنتی۔ اسی طرح علوم توحید کے بہت سے مسائل میں مکلفین کا اختلاف موجود ہے۔ اُن کا یہ اختلاف ان مسائل میں حقیقتاً اختلاف کے پائے جانے کی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح اس مسئلے میں جو زیرِ کتب ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ نفس قرآن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں''۔

آیات میں تعارض یا تناقض کے رد کے عقلی دلائل:۔

عقلی اعتبار سے بھی آیات کا آپس میں متعارض یا تناقض ہونا محال ہے، چند ایک عقلی

دلائل ذکر کیے جا رہے ہیں۔

اول:۔قرآن کی آیات میں تعارض کے پائے جانے یا ان کے مفہوم میں تضاد کے ہونے سے اللہ رب العزت کے لیے ایسے شرعی امور کو قائم کرنے سے عاجز ہونا جو تعارض یا اختلاف سے خالی ہوں۔اور معاملات کے انجام سے جاہل ہونا ثابت ہوتا ہے پس عجز و جہالت دونوں کا عقلی اور شرعی لحاظ سے ذات باری تعالی سے انکار واجب ہے۔

دوم:۔شریعت کو اسلیے نازل کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان سے اختلافات کو ختم کیا جائے۔پس اگر آیات میں اختلاف اور تعارض پایا جائے گا تو قرآن کا نزول ہی لوگوں میں فتنہ کا باعث ہوگا۔اِس صورت میں لوگوں کے لیے فتنہ سے بچاؤ کی صورت یہ ہوگی کہ وہ شریعت پر عمل نہ کریں۔حالانکہ کسی بھی عاقل کا یہ قول نہیں ہے جو کہ اللہ تعالی کی حکمت اور مخلوق پر اسکی رحمت اور لطف وعنایت سے واقف ہو۔

سوم:۔ادلہ شرعیہ میں تعارض یا اختلاف کا پایا جانا اِن چار احتمالات میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگا اور یہ چاروں احتمالات ہی باطل ہیں۔

۱:۔ان دو متعارض نصوص پر عمل کرنے سے متناقضین کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ نہ صرف باطل ہے بلکہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

۲:۔اگر ان دونوں متعارض نصوص پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے یہ بات لازمی طور پر سامنے آئے گی کہ اللہ تعالی نے ان دونوں احکامات کو عبث اور بے کار نازل کیا ہے۔

۳:۔اگر متعین طور پر ان میں سے کسی ایک نص پر عمل کیا جائے جسکی ترجیح کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو یہ چیز دین میں خواہش اور نفس کی پیروی کی علامت ہے۔

۴:۔بغیر تعیین کے تخییر کے طور پر اِن میں سے کسی ایک نص پر عمل کرنا اُس فعل کے جائز ہونے اور دوسرے فعل کے متروک ہونے کو مستلزم ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہے۔

پس اس ساری بحث سے ثابت ہوا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں حقیقتاً اختلاف اور تعارض کا پایا جانا عقلاً اور شرعاً ممنوع ہے۔ زنادقہ اور ملحدین نے قرآن میں حقیقتاً تعارض کے وقوع کا دعوی کیا تھا۔ اُن کے رد میں کئی علماء نے کتب لکھیں۔ اور ایسی آیات جن میں بظاہر تعارض کا وھم پیدا ہوتا تھا۔ اُن آیات کی تاویلات ذکر کیں۔ صحابہ میں سب سے پہلے ابن عباسؓ سے اس بارے میں کلام ثابت ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے قطرب نے کتاب لکھی تھی۔ (۱۱)

آیات کی اقسام:

پس آیات کے تعارض یا تناقض کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔

۱۔ آیاتِ قرانیہ کا آپس میں تعارض

۲۔ آیاتِ قرانیہ کا صحیح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعارض

اول: آیات قرآنیہ کا آپس میں تعارض اور اُسکے اسباب:۔

اس سلسلے میں علامہ زرکشیؒ نے اپنی کتاب ''البرھان'' میں چند اسباب ذکر کیے ہیں جن کو علامہ سیوطی نے اپنی ''الاتقان'' میں نقل کیا ہے۔ (۱۲) جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اختلافِ موضوع

۲۔ اختلافِ زماں

۳۔ اختلاف مکاں

۴۔ مخبر بہ کے مختلف اطوار و احوال

۵۔ اختلاف باعتبار جہات یا وجوہ

۶۔ اختلاف قراءت

۷۔ اختلاف جہت فعل

اختلاف موضوع:۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن پڑھنے والا بعض اوقات دو آیات کو جنکا مفہوم بظاہر ایک دوسرے کے مخالف ہوتا ہے ایک ہی موضوع سے متعلق سمجھتا ہے اور اُسے اُن کے درمیان تعارض یا تضاد کا وہم ہوتا ہے حالانکہ وہ دونوں آیات اپنے خاص معنی پر دلالت کر رہی ہوتی ہیں اور

موضوع کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔ اسکی الاتقان سے دو مثالیں ذکر کی جارہی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

امثلہ:

۱۔ (فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً) (النساء ۴:۳)

اس سے متعلق دوسری آیت یہ ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء ۴:۱۲۹)

یہاں اس مثال میں پہلی آیت سے عدل کا ممکن ہونا سمجھ میں آتا ہے اور دوسری آیت سے عدل کی نفی ہو رہی ہے لہٰذا یہاں ان دونوں آیات کا مفہوم بھی مخالف ہے اور یہ دونوں ایک ہی موضوع سے متعلق محسوس ہوتی ہیں۔

پس اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں پہلی آیت بیویوں کے حقوق کو ادا کرنے کے اعتبار سے ہے اور دوسری آیت دلی میلان کی بابت ہے کیونکہ اسی معاملے میں انسان اپنے اوپر قدرت نہیں رکھتا ہے۔ (۱۳)

۲:۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ۳:۱۰۲)

اور سورۃ التغابن میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن ۶۴:۱۶)

پہلی آیت میں ایمان والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ سے ڈرو، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اور دوسری آیت میں استطاعت اور طاقت کے مطابق تقوی اختیار کرنے کا حکم ہو رہا ہے بظاہر دونوں آیات ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔

جلال الدین سیوطی اسکے جواب میں نقل کرتے ہیں۔

''حمل الشیخ ابوالحسن الشاذلی الآیۃ الاولی علی

التوحید. بدلیل قوله بعد ها:(وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝)(آل عمران ۳:۱۰۲) والثانیة علی الأعمال وقیل: بل الثانیة ناسخة للاولی۔'' (۱۴)

یعنی ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ پہلی آیت توحید سے متعلق ہے۔(یعنی اللہ کی وحدانیت میں کسی قسم کی کوتاہی یا کمی کی گنجائش نہیں ہے)اور دوسری آیت اعمال سے متعلق ہے کہ ایمان اور معرفت کامل ہونی چاہیے۔البتہ اعمال میں تم اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرو۔اور ایک قول اس تعارض کو دور کرنے میں نسخ کا ہے یعنی دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔

(۲)۔اختلاف مکاں:

مثلاً بعض اوقات کچھ آیات مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف محسوس ہو رہی ہوتی ہیں حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا کیونکہ یہ باہم متعارض آیات میں سے ایک آیت ایک خاص جگہ یا مقام کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور دوسری آیت کسی دوسری جگہ یا مقام کے ساتھ خاص ہوتی ہے پس اس طرح سے پیش آنے والا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

امثلہ:

اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۹۷)

ترجمہ: ''اللہ جسکی رہنمائی کرے وہ ھدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے ناممکن ہے کہ تو اسکے سوا اس کا مددگار کسی اور کو پائے۔ایسے لوگوں کا ہم بروز قیامت اوندھے منہ حشر کریں گے دراں حالیکہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہونگے انکا ٹھکانہ جھنم ہوگا۔جب کبھی وہ بجھنے لگے گی ہم اُن پر اسے اور بھڑکا دیں گے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن گنہگاروں اور کافروں کو اندھا' گونگا اور بہرا اٹھایا جائے گا۔ حالانکہ دوسری کئی آیات میں کافروں کا دیکھنا، سننا اور بولنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے

وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا (الکھف ۱۸: ۵۳)

اور گنہگار جھنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں۔

اس آیت سے کافروں کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۝ وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝

(الفرقان ۲۵: ۱۲۔ ۱۳)

اوران دونوں آیتوں سے ان کا سننا اور بولنا معلوم ہوتا ہے۔ اس اشکال کا جواب امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اس طرح سے دیتے ہیں۔

قیل: جائز ان یکون ماوصفھم اللّٰہ بہ من العمی والبکم والصم یکون صفتھم فی حال حشر ھم الی موقف القیامتہ۔ ثمّ یجعل لھم اسماع و أبصارو منطق فی احوال أخر غیر حال الحشر۔'' (۱۵)

یعنی اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے گونگے، بہرے اور اندھے ہونے کی جو صفت ذکر کی ہے وہ قیامت کے دن حشر کے ساتھ خاص ہو اور پھر حالت حشر کے علاوہ دوسرے احوال میں ان کو قوت سماعت، بصارت اور قوت گویائی عطا کردی گئی ہو۔

۲:۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ (الصافات: ۲۴)

ترجمہ: یعنی اُنکو ٹھہراؤ اور اُن سے پوچھا جائے۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف:۷:۶)

ترجمہ: پھر ہم اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے۔

اور سورۃ رحمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ (الرحمن ۵۵:۳۹)

''اس دن کسی جن وانس سے نہیں پوچھا جائے گا''۔

پہلی دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر کے دن سب سے سوال وجواب ہوں گے جبکہ سورۃ الرحمن کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

☆ وحمله غيره على اختلاف الاماكن. لان فى القيامة مواقف كثيرة ففى موضع ليسألون وفى آخر لا ليسألون (۱۶)

ترجمہ:۔ پس امام سیوطیؒ نے اِسکی تادیل اس طرح ذکر کی ہے کہ یہ آیات جگہوں کے اختلاف پر محمول ہیں۔ کیونکہ قیامت میں وقوف کی جگہیں بکثرت ہوں گی اُن میں سے کسی جگہ پر لوگوں سے سوال کیا جائے گا اور کسی مقام پر پرسش نہ ہوگی''۔

مخبر بہ کے مختلف اطوار واحوال:۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی آیات میں ایک ہی چیز کا ذکر مختلف الفاظ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جس سے قاری قرآن کو اشکال واقع ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت اُن آیات میں ایک ہی چیز کی مختلف صورتوں اور حالتوں کی خبر دی جارہی ہوتی ہے۔

امثلہ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (آل عمران ۳:۵۹)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش تراب یعنی مٹی سے ہوئی۔

دوسری آیت میں پیدائش آدم کا ذکر اس طرح سے ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ﴿۲۶﴾ (الحجر ۱۵:۲۶)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آدمؑ کا مادہ تخلیق صلصال یعنی خشک مٹی ہے پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ (الصافات ۳۷:۱۱)

یہاں طین لازب سے مراد ''چکنی مٹی'' ہے۔ اسی طرح سورۃ رحمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ (الرحمن ۵۵:۱۴)

یعنی انسان کو کھنکھناتی مٹی (یعنی ٹھیکرا) سے پیدا فرمایا۔

اب ان تمام آیات میں مخبر بہ یعنی آدم کے مادہ تخلیق کا ذکر ہے اب یہاں اس ضمن میں نہ صرف الفاظ مختلف ہیں بلکہ ان کے معانی بھی مختلف ہیں۔ کیونکہ صلصال حماء کے علاوہ دوسری چیز ہے اور حماء تراب کے سوائے دیگر ہے۔

''انه ذكر اطوار ذلك التراب. فذكر طوره الأول بقوله: (من تراب) ثمّ بل فصار طينالازبا. ثمّ خمّر فصار حماء مسنونا. ثم يبس فصار صلصالاًكالفخار. وهذا واضح والعلم عند الله تعالى'' (۱۷)

ترجمہ:۔ اللہ پاک نے مٹی کے مختلف اطوار کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلی ہیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: من تراب۔ پھر جب وہ تر ہوگی تو ''طین لازب'' (لیس دار چکنی مٹی) ہوگئی۔ پھر جب اس پر خمیر آیا تو حما مسنونا (کیچڑ۔ کالی مٹی) بن گئی۔ پھر جب خشک ہوئی تو صلصال کالفخّار (ٹھیکری کی مانند کھنکھناتی مٹی) ہوگئی۔ یہ واضح بات ہے۔ جبکہ حقیقی علم اللہ کے پاس ہی ہے۔

۴۔ اختلاف زمان:۔

بعض اوقات ایک قاری قرآن کی کچھ آیات پڑھتا ہے اور ان میں ایک ہی مضمون ذکر

ہوتا ہے لیکن اُن میں الفاظ کا اختلاف پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے پڑھنے والے کو تعارض کا وھم ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تعارض نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ آیات مختلف اوقات سے متعلق ہوتی ہیں کہ پہلے ایک آیت نازل ہوئی اُسکا مفہوم کچھ اور تھا پھر دوسری آیت دوسرے وقت میں اتری اُسکا مفہوم پہلی سے مختلف تھا۔ پس یہ اختلاف وقت یا زمانے کے اختلاف سے متعلق ہوتا ہے۔

مثال:۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠

(البقرہ۲:۲۳)

اس آیت مبارکہ میں کافروں کو چیلنج کیا جا رہا ہے کہ اگر تمھیں ہمارے نازل کردہ قرآن کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا کچھ شک ہے تو تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔

سورۃ یونس میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (یونس۱۰:۳۸)

یہاں بھی ایک سورۃ کے لانے کا چیلنج کیا جا رہا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (ھود۱۱:۱۳)

اس آیت مبارکہ میں کافروں کو قرآن کی دس سورتوں جیسی سورتیں لانے کا چیلنج کیا جا رہا ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (بنی اسرائیل۱۷:۸۸)

سورۃ اسراء کی اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کہہ دیجیے کہ اگر سارے جن وانس ملکر اِس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے کر آئیں تو وہ نہیں لا سکتے۔

اس آیت ''لمثل ھذا القرآن'' کہہ کر پورے قرآن کے متعلق چیلنج کیا جا رہا ہے ان آیات میں بظاہر اختلاف نظر آ رہا ہے۔

تعارض کا حل:۔

مولانا محمد انور گنگوہی نے اپنی کتاب ''مشکلات القرآن'' میں اسکا حل اس طرح پیش کیا ہے۔

''یہ اختلاف زمان پر محمول ہے متعدد و متعارض چیلنج ایک ہی زمانہ میں نہیں کیے گیے بلکہ مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے کیے گئے اور جب دو متعارض چیزوں کا زمانہ جدا جدا ہو تو تعارض نہیں رہتا یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اپنی تصنیف کے بارے میں چیلنج کرے کہ کوئی اس جیسی کتاب تصنیف کر کے دکھائے اگر پوری کتاب نہیں لکھ سکتا تو اس جیسی آدھی کتاب لکھ دے اگر یہ بھی نہیں تو کم ازکم ثلث یا ربع یا کم ازکم اس کتاب کے کسی ایک مسئلہ کا مثل پیش کر کے دکھائے اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی تعارض نہیں۔'' (۱۸)

پس قرآن مجید میں اختلاف زمان سے متعلق اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اِن تمام کو اگر مختلف اوقات کی طرف منسوب کر دیا جائے تو بآسانی تعارض حل ہو جاتا ہے۔

۵۔ اختلاف جہت فعل

بعض دفعہ ایک آیت میں فعل اور اس کا فاعل ذکر ہوتا ہے پھر دوسری آیت یا اُسی آیت میں فعل وہی مذکورہ ہوتا ہے۔ لیکن اسکا فاعل دوسرا ہوتا ہے اسی کو فعل کی جہتوں کا مختلف ہونا کہتے ہیں۔

امثلہ

ا:۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ (السجدہ ۳۲:۱۱)

پھر اللہ رب العزت کا دوسرا قول مبارک ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر ۳۹:۴۲)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ (الانعام ۶:۶۱)

ان آیات کو پڑھنے والے کے ذھن میں اشکال وارد ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہاں تینوں جگہ فعل (توفی) یعنی وفات دینا ایک ہے اور اسکی نسبت تینوں آیات میں مختلف اسماء کی طرف کی گئی ہے۔ مثلاً پہلی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ملک الموت کی طرف فعل توفی کی نسبت کی جارہی ہے۔

جبکہ دوسری آیت میں اللہ عزوجل کی طرف نسبت ہورہی ہے اور تیسری آیت میں اللہ کے رسولوں یعنی ملائکہ کی طرف اسکی نسبت ہورہی ہے اس اشکال کا جواب علامہ شنقیطیؒ اپنی کتاب دفع ایہام الاضطراب میں اس طرح دیتے ہیں۔

''والجواب عن هذا ظاهر' وهو أن اسناد التوفى الى نفسه: لأن ملك الموت لا يقدرأن يقبض روح أحد الاّباذنه ومشيئته تعالى: (وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ) (آل عمران ۳:۱۴۵)

وأسنده لملك الموت:لأنه هوالمامور يقبض الارواح. وَأسند للملائكة: لأن ملك الموت له أعوان من الملائكة تحت رئاسته. يفعلون بأمره. وينزعون الروح الى الحلقوم. فيأخذ ها ملك الموت. والعلم عندالله تعالى۔ (۱۹)

ترجمہ: اس کا جواب بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ فعل توفی کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہے کیونکہ ملک الموت اللہ کی اجازت اور مشیت کے بغیر کسی کی روح قبض نہیں کرسکتے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے (اور کوئی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرسکتا لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر) اور اس کی نسبت ملک الموت کی

طرف کی گئی کیونکہ ارواح کو قبض کرنے پر وہی مامور ہے اور فرشتوں کی طرف نسبت اس لیے کی کہ ملک الموت کے زیر سایہ کئی فرشتے ان کے ہمنوا ہیں جو ان کے حکم کے مطابق امور سرانجام دیتے ہیں۔ اور روح کو حلق سے کھینچ کر نکالتے ہیں پھر ملک الموت اُسے تھام لیتے ہیں۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔

۲: اسی قبیل سے یہ مثال بھی ملتی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ (الانفال ۸:۱۷)

اس آیت مبارکہ میں پہلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فعل رمی کی نفی کی جارہی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی (اذ رمیت) سے فعل رمی کا اثبات کیا جارہا ہے۔ اس اشکال کا جواب علامہ سیوطی نے الاتقان میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

''أضيف القتل اليهم. والرمي اليه ﷺ على جهة الكسب والمباشرة. ونفاه عنهم وعنه باعتبار التائثير''۔ (۲۰)

مطلب یہ ہے کہ اس میں قتل کی اضافت کفار کی طرف سے اور رمی کی اضافت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب فرمائی ہے کسب اور مباشرت کے اعتبار سے اور تاثیر کے لحاظ سے دونوں امور کی نفی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفار دونوں کی ذات سے کردی ہے۔

اختلاف باعتبار جہات یا وجوہ:۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے جو آیات قاری کو ایک دوسرے سے مخالف محسوس ہو رہی ہوں وہ درحقیقت مختلف جہات پر محمول ہوتی ہیں۔ یا ان کا معنی مختلف صورتوں کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ اگر ایک آیت ایک صورت پر محمول کی جائے گی تو دوسری آیت دوسری صورت پر محمول کی جائے گی اس طرح تعارض باقی نہیں رہے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ (الرعد ۱۳:۲۸)

''اور جو لوگ ایمان لائے ان کے اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں''۔

اسی کے ساتھ یہ ارشاد ہوا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال:۲)

''بس ایمان والے تو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں''۔

ان دونوں آیتوں کو مقابلہ میں لاکر دیکھنے سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وجل (ترسندگی) طمانیت (سکون و تسکین قلب) کے خلاف امر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

''أن الطمانية تكون بانشراح الصدر بمعرفة التوحيد، والوجل يكون عند خوف الزيغ والذهاب عن الهدى، فتوجل القلوب لذلك، وقد جمع بينهما في قوله: (تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ؕ)(الزمر ۳۹:۲۳) (۲۱)

یعنی طمانیت معرفتِ توحید کے ساتھ شرح صدر حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور وجل (خوف، کانپنا) لغزش کا خوف ہونے کے وقت اور راہ راست سے بھٹک جانے کے خیال سے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور ایک موقع پر یہ دونوں کو ایک ہی آیت میں جمع کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلود هم و قلوبهم الى ذكر الله

۲:۔ اسی طرح ان آیات میں بھی اشکال وارد ہوتا ہے۔

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَھُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

(الکہف ۱۸:۵۵)

ترجمہ: اور لوگوں نہیں روکا ایمان لانے سے جب پہنچی اُن کو یہ ہدایت اور گناہ

بخشوائیں اپنے رب سے مگر صرف اس بات نے کہ پہنچے اُن پر رسم پہلوں کی کہ
یا آ کھڑا ہو ان پر وہ عذاب سامنے کا۔

سورۃ کہف کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اپنے اندر ذکر کی گئی دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے ایمان سے منع کرنے والی شے کے ہونے میں حصر پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۹۴)

ترجمہ: اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی اُن کو ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر۔

سورۃ کہف کی آیت ایمان سے روکنے والی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے حصر پر دلالت کر رہی تھی اور یہاں سورۃ الاسرآء کی آیت ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری چیز کو حصر کے ساتھ مانع ایمان ثابت کر رہی ہے اس مقام پر مفسرین نے اس اشکال کو دور کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے عبدالسلام کے حوالے سے اس اشکال کا جواب دیا ہے۔

''بأنّ معنى الا ية الاولى: وما منع الناس أن يومنوا الا ارادة أن تأتيهم سنة الاولين من الخسف أوغيره. اويأتيهم العذاب قبلا فى الآخرة. فأخبرانه أرادان يصيبهم أحد الأمرين. ولا شك أن ارادة الله مانعة من وقوع ماينا فى المراد۔ فهذا حصر فى السبب الحقيقى لأن الله هو المانع فى الحقيقة۔

ومعنى الآية الثانية: وما منع الناس أن يومنوا الاّ استغراب بعثه بشرا رسولا۔لان قولهم ليس مانعا من

الایمان، لانّه لا یصلح لذلك۝ وهو یدل علی الا ستغراب بالا لتزام. وهوا لمناسب للمانعیة. واستغرابهم لیس مانع حقیقیاً بل عادیا۝ لجواز وجود الایمان معه بخلاف ارادة الله تعالی۔ فهذا حصر فی المانع العادی، والا ول حصر فی المانع الحقیقی فلا تنافی أیضاً''۔ (۲۲)

پہلی آیت کے معنی ہیں لوگوں کو بجز اس کے اور کسی چیز کے ارادہ نے ایمان لانے سے منع نہیں کیا کہ اُن کے پاس بھی زمین کے اندر زندہ اتار دیے جانے یا اسی طرح کے وہ دوسرے عذاب آئیں جو کہ اگلوں پر آچکے ہیں۔ یا یہ کہ ان پر آخرت میں عذاب اُن کے سامنے آ کھڑا ہو۔ پس اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ اس کا ارادہ ایمان نہ لانے والے بندوں کو ان دو مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک بات کی زد میں لانا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالی کا ارادہ مراد کے منافی امر کے وقوع سے مانع ہوتا ہے۔ پس یہ حقیقی سبب میں ممانعت کا حصر ہے کیونکہ دراصل ذات باری تعالی ہی مانع ہے۔

دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو ایمان لانے سے سوائے اس بات کے کسی امر نے منع نہیں کیا تھا کہ انہیں اللہ تعالی کے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجنے سے سخت حیرت تھی۔ کیونکہ غیر مومنین کا قول ہرگز ایمان سے مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں۔ اور یہ التزام کے استغراب پر دلالت کرتا ہے۔ مانع کی صلاحیت کے مناسب یہی ہے۔ اور ان کا حیران ہونا (استغراب) حقیقی مانع نہیں بلکہ مجازی مانع ہے۔ کیونکہ استغراب کے ساتھ ساتھ ایمان کا وجود بھی ممکن ہے۔ بخلاف ارادہ الٰہی کے (کہ اس کے ساتھ ایمان کا وجود ناممکن ہے) تو یوں یہ حصر مجازی مانع کے اعتبار سے ہوا۔ اور پہلا حصر حقیقی مانع کا تھا تو یوں کوئی منافات نہیں۔

اختلاف قرأت:۔

لفظ قرأت کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے

''علم بکیفیة أداء کلمات القرآن واختلافها، معزّواً

لناقله''۔ (۲۳)(۲۴)

ترجمہ:۔کلمات قرآنی کی ادائیگی اور ادائیگی میں اختلاف کی کیفیت کا علم جبکہ ادائیگی اس کے ناقل کی طرف منسوب کی گئی ہو۔

اور قرات کا اختلاف تین احوال پر مبنی ہے۔

''احدھا: اختلاف اللفظ، والمعنی واحد۔

والثانی: اختلاف اللفظ والمعنی جمیعاً، مع جواز أن یجتمعا فی شئ واحد، لعدم تضاد اجتماعھما فیه۔

والثالث: اختلاف اللفظ والمعنی مع امتناع جواز أن یجتمعا فی شیء واحد، لاستحالة اجتماعھما فیه۔

(۱) لفظی اختلاف جبکہ معنی ایک ہو۔

(۲) لفظ اور معنی دونوں کا اختلاف ہو لیکن وہ دونوں ایک معنی یا ایک چیز میں اکھٹے ہوں ان کے اجتماع میں تضاد نہ ہو۔

(۳) لفظ اور معنی دونوں کا اختلاف جب کہ دونوں ایک امر میں جمع نہ ہو سکیں کیونکہ ان کا اجتماع محال ہو۔

امثلہ:

۱: اس کی واضح مثال اللہ رب العزت کا یہ قول مبارک ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ (الصافات ۳۷:۱۲)

اس آیت مبارکہ میں لفظ عجبت کو حمزہ، کسائی اور خلف نے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ (بَلْ عَجِبْتُ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾) اور باقی قراء نے اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ ابن جرزی کے اس قول سے پتہ چلتا ہے۔

'' ومن اوضح الامثلة علی ذلك، ماورد فی قوله تعالیٰ: (بَلْ

عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ۝ (الصافات ۳۷: ۱۲) حيث قرأ حمزة، كسائی وخلف بضم التاء (بَلْ عَجِبْتُ وَيَسْخَرُوْنَ۝) وقرأ الباقون بفتحها۔'' (۲۵)

ضمہ کی قرأت کے ساتھ یہ آیت امام مھدویؒ کے نزدیک مشکل ہے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

''ومن ضمّ التاء فهی قرأة مشكلة'' ثمّ بيّن رحمه الله وجه الاشكال باعتبار أنها تَثبّتِ العجب للهِ عزوجلّ۔'' (۲۶)

پس امام مھدوی فرماتے ہیں کہ تاء کے ضمہ کے ساتھ یہ قرأت مشکل ہے پھر وہ اِس اشکال کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس قرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے عجب کا اثبات ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالی انفعالی کیفیات سے منزہ ہیں۔ شریح الحضرمی المقری سے اس لیے ضمہ والی قرأت کا انکار ضروری ہے۔ یہاں تک کہ وہ فرماتے ہیں۔

''ان الله لا يعجب من شئ، وانما يعجب من لا يعلم۔'' (۲۷)

''بے شک اللہ تعالی کو کسی چیز کا تعجب نہیں ہوتا ہے۔ بے شک تعجب اُسی کو ہوتا ہے جو کہ جانتا نہیں ہے۔''

پس اس مثال سے واضح ہوا کہ قرأت کا متعدد اور مختلف ہونا بھی قرآن کے معنی میں اشکال کا باعث بنتا ہے۔ اور اکثر اھل علم نے بصد شوق ورغبت اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

دوم: آیات کا صحیح حدیث نبوی ﷺ سے تعارض:

یہ بھی قرآن کے مفہوم سمجھنے میں اشکال کا باعث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک قرآن پڑھنے والا قرأت کے دوران قرآن کی کسی ایک آیت یا چند آیات کو اُن احادیث نبویہ کے مخالف اور متضاد سمجھتا ہے کہ جن کو وہ پہچانتا ہے۔

پس قرآن اور احادیث نبویہ یہ دونوں شریعت کے بنیادی مصادر ہیں۔ اس اعتبار سے یہ

موضوع نہایت اہمیت اور توجہ کا حامل ہے اس کی مثال درج ذیل ہے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م (البقرۃ ۲: ۲۵۳)

اللہ رب العزت کا یہ قول بظاہر اس حدیث مبارکہ سے متعارض محسوس ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

''لا تفضّلوا بين انبيآء اللّٰه'' (۲۸)

اس تعارض کے اہل علم نے بہت سے جوابات دیے ہیں ان جوابات کو حافظ ابن کثیر نے اپنی جلد میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً

احدها: أن هذا كان قبل ان يعلم بالتفضيل، وفى هذا نظر

الثانى: أن هذا قاله من باب الهضم والتواضع

الثالث: أنّ هذا نهى عن التفضيل فى مثل هذه الحالة التى تحاكموا فيها عند التخاصم والتشاجر ۝

اربع: لاتفضلوا بمجرد الآراء والعصبية ۝

الخامس: ليس مقام التفضيل اليكم. وانما هوالى اللّٰه۔ عزوجلّ۔ وعليكم الانقيادوالتسليم له. والايمان به'' (۲۹)

ترجمہ: پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث تفضیل کے علم سے پہلے کی ہے۔ یہ بات محل نظر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تواضع کے قبیل سے ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ تفضیل کی نہی اس صورت میں ہے کہ جب انبیاء کے مابین تخاصم اور مشاجرت میں محاکمہ مقصود ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ محض عصبیت کہ وجہ سے باہم فضیلت کے معیار پر قائم نہ کرو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت کا معیار مقرر کرنا ہی تمھارے بس میں نہیں یہ اللہ کا معاملہ ہے تمھارے ذمے محض انقیاد و تسلیم ہے اور اس پہ ایمان لانا ہے۔

امام قرطبیؒ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''وأحسن من هذا قول من قال: ان المنع من التفضيل انمّا هو من جهة النبوة التى هى خصلة واحدة لاتفاضل فيها۔ وانمّا التفضيل فى زيادة الأحوال والخصوص والكرامات والألطاف، والمعجزات المتباينات، وأما النبوة فى نفسها فلا تتفاضل۔ (۳۰)

ترجمہ: اس حوالے سے سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ تفضیل کی ممانعت خاص اس کیفیت نبوت میں ہے کہ نبوت ایک ایسا وصف ہے جس میں باہم کوئی تفاضل نہیں۔ البتہ تفضیل احوال خصوصیات کرامات وانعامات اور معجزات کے باب میں ضرور ہے۔ نفس نبوت میں کوئی معیار تفاضل نہیں۔ (اس میں سب یکساں ہیں)۔

اس کی اور کئی مثالیں ہیں جو تیسرے اور چوتھے باب میں ذکر کی جائیں گی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مفردات القرآن: ۲۵۸،۲۵۷

(۲) زرقانی، محمد عبد العظیم، شیخ، مناهل العرفان فی علوم القرآن: ۲۲۸-۲۲۹، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، ۲۰۱۰م

(۳) ولی الله، احمد بن عبد الرحیم، محدث، الفوز الکبیر: ۴۱، ۴۲، مترجم عربی، سعید احمد پالن پوری، مکتبه البشری، کراچی، پاکستان، ۱۴۳۱ھ

(۴) الاتقان: ۲/۲۲۴

(۵) الاتقان: ۲۳۰/۱-۲۴۲

(۶) عبد اللطیف، البرزنجی، التعارض والترجیح بین الأدلة الشرعیة: ۱/۲۳، دار الکتب العلمیه، ۱۴۱۷ھ

(۷) جمال الدین الاسنوی، نهایة السؤال فی شرح منهاج الوصول: ۲/۶۵۴، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

(۸) غزالی، ابوحامد محمد بن محمد بن احمد، امام، المستصفی من علم الاصول: ۲/۲۳۲، موسسة الرسالة، ط۱، ۱۴۱۷ھ؛ ابن قدامه، ابومحمد، عبد الله بن احمد، موفق الدین، روضة الناظر: ۳/۱۰۲۹، مکتبه الرشد، ط۴، ۱۴۱۶ھ

(۸-الف) نعمانی، ذاکر حسن، مفتی، تطبیق الآیات: ۱۳۱۴، دارالتصنیف، جامعه عثمانیه، پشاور، ۱۴۲۵ھ

(۹) زجاج، ابواسحاق، معانی القرآن واعرابه: ۲/۸۲، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

(۱۰) الاعتصام: ۲/۳۸۱

(۱۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۵۵

(۱۲) الاتقان: ۲/۵۵

(۱۳) الاتقان: ۲/۵۶

(۱۴) الاتقان: ۲/۵۶

(۱۵) جامع البیان: ۱۵/۱٦۷
(۱٦) الاتقان: ۲/۵٦
(۱۷) دفع ابہام الاضطراب: ۱۷۱
(۱۸) محمد انور گنگوہی، مشکلات القرآن: ۱٦، ادارہ تالیفات اشرفیہ، س۔ن
(۱۹) دفع ایہام الاضطراب: ۲۳٦
(۲۰) الاتقان: ۲/۵٦
(۲۱) الاتقان: ۲/۵۷
(۲۲) الاتقان: ۲/۵۷
(۲۳) ابن الجزری، منجد المقرئین ومرشد الطالبین: ۴۹، دار عالم الفوائد، سعودیہ، ط۱، ۱۴۱۹ھ
(۲۴) ابوعمرو الدانی، الاحرف السبعہ للقرآن: ۴۷، مکتبہ منارہ، سعودیہ، ط۱، ۱۴۰۸ھ
(۲۵) ابن الجزری، النشر فی القرأت، العشر، ۲/۳۵٦، مکتبہ حدیثۃ ریاض، سعودیہ، س۔ن
(۲٦) المھدوی: ابوالعباس، شرح الھدایۃ، ۲/۴۸۸، مکتبہ الرشد، السعودیہ، ط۱، ۱۴۱٦ھ
(۲۷) جامع لاحکام القرآن: ۱۵/٦۹
(۲۸) بخاری شریف: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ {وان یونس لمن المرسلین} (صافات: ۱۳۹۔۱۴۲)، ٦۰٦/۱، ح ۳۴۱۴
(۲۹) ابن کثیر: ۱/٦۷۱
(۳۰) الجامع لاحکام القرآن، ۲/۲٦۲

فصل دوم: مشکل القرآن کے اسباب کی دوسری نوع۔۔۔لغوی، نحوی اور بلاغی اشکالات

اس نوع میں علم لغت، نحو اور بلاغہ سے متعلق وہ اسباب ذکر کیے جائیں گے جن کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کو مفہوم کے اعتبار سے مشکل کہا جاتا ہے۔

ایسی آیات کی مفسرین بہت سی توجیہات ذکر کرتے ہیں یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ ہم صرف انہیں اسباب کو ذکر کریں گے جن کی مثالیں موضوع میں مذکور تفاسیر میں بآسانی مل جاتی ہیں یہ اسباب درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کے غریب الفاظ

۲۔ تقدیم و تاخیر

۳۔ ایجاز و اختصار

۴۔ اطناب و تکرار

۵۔ کنایہ و تعریض

۶۔ مجاز عقلی استعارہ

۷۔ التفات

۸۔ اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر

۹۔ انتشار ضمائر

۱۰۔ حصر

یہاں ان اسباب کی فقط تعریفات ذکر کی جائیں اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا جائے گا کہ یہ اسباب آیات قرآنیہ میں اشکال پیدا کرنے کا سبب ہیں۔

البتہ قرآن حکیم میں ان کو لانے کی حکمتیں اور مقاصد کیا ہیں ان کی تفصیل ذکر نہیں کی

جائے گی کیونکہ ہر آیت اور ہر سبب کی کئی کئی حکمتیں مفسرین، فصحاء اور بلغاء نے ذکر کیں ہیں ان سب کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے اجمالاً ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام کے اندر جو اسلوب میں تبدیلی کی جاتی ہے اس کا مقصد کلام میں تاکید یا مبالغہ پیدا کرنا، عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ کرنا، مخاطب کو خوف دلانا یا متوجہ کرنا، مخاطب سے بات کو چھپانا، اہم چیز کو پہلے ذکر کر کے اس کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا، کسی کی تحقیر اور اہانت کی طرف اشارہ کرنا، بے اعتنائی کرنا یا قرآن کا اعجاز ثابت کر کے دوسروں کو اس کا مثل لانے سے عاجز کرنا وغیرہ ہوتے ہیں مفسرین نے اپنے اپنے مقام پر ان تمام اسلوب کی حکمتوں سے بحث کی ہے نیز علوم القرآن اور علوم بلاغہ کی کتب میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں ہمارا مقصد اختصار کے ساتھ اِن اسالیب کلام کا فقط تعارف کروانا ہے تا کہ قاری قرآن جان سکے کہ آیت قرآنی میں کونسا اسلوب وارد ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ آیت مشکل ہو گئی ہے اس کے بعد اگر وہ چاہے تو وہ اس کی حکمت اور مکمل تفسیر مختلف کتب تفاسیر سے معلوم کر لے۔

اس نوع میں خاص عام، مطلق مقید، مجمل اور مفسر کو شامل نہیں کیا گیا اس لیے کہ اول تو یہ معلوم و معروف ہیں نیز اُن کی وجہ سے آیات قرآنیہ میں ایسا اشکال پیدا نہیں ہوتا جو گہرے غور و فکر اور تدبر کا محتاج ہو۔ اگر ایک آیت میں ایک حکم عام ہے تو اُسی آیت یا کسی دوسری آیت یا پھر کسی حدیث کے ذریعہ سے اُس کی تخصیص معلوم ہو جائے تو اس سے کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین کسی آیت کے الفاظ کو عموم پر رکھتے ہوئے معنی بیان کر دیتے ہیں اور بعض مفسرین اُسی آیت میں کوئی تخصیص ذکر کر کے معنی اُس کے مطابق ذکر کر دیتے ہیں اسی طرح ایک مفسر کسی آیت کو اس کے اطلاق پر باقی رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا معنی اِس طرح ہے اور دوسرا مفسر اِس آیت میں کوئی قید ذکر کر کے اُس کا معنی اُس کے مطابق ذکر کر دیتا ہے وعلی ھذا القیاس۔

اس لیے اس نوع میں اِن کو شامل نہیں کیا گیا۔

ا۔ قرآن کریم کے غریب الفاظ

یہاں مناسب بات یہ ہے کہ پہلے لفظ غریب کے لغوی معنی ذکر کیے جائیں غریب کہتے

ہیں ''اجنبی'' ''نامانوس'' کو اور اُس چیز کو جو پہنچ سے دور ہو مسافر کو بھی غریب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ وطن سے دور ہوتا ہے پس غریب لفظ سے مراد وہ لفظ ہے جس کا معنی فہم سے دور ہوتا ہے۔

خلیل احمد فراہیدی کے نزدیک:

''الغریب: الغامض من الکلام'' (۱)

(جو چیز کلام میں دقت کا باعث ہو)

اسی طرح امام زمخشری لکھتے ہیں:

''تکلّم فأغرب: اذا جآء بغرائب الکلام ونوادره، وتقول فلان یُغرَب کلامه ویغرب فیه، وفی کلامه غرابة، وغرُب کلامه، وقد غرُبت هذه الکلمة ای غَمُضت فهی غریبة، ومنه مصنّف الغریب، وقول الأعرابی: لیس هذا بغریب، ولکنکم فی الأدب غرباء۔'' (۲)

ترجمہ: تکلم واغرب: جب کوئی ایسا کلام استعمال کرے کہ جو غریب اور نادر الفاظ لغت سے معمور ہو۔ اسی طرح کہتے ہیں: فلان یغرب کلامه ویغرب فیه۔ وفی کلامه غرابة، وغرب کلام، وقد غربت هذه الکلمة یعنی اس لفظ کے مفہوم میں ابہام اور پیچیدگی ہے۔ فهی غریبة۔ الغریب کے نام کی تصنیفات اسی قبیل سے ہیں۔ اعرابی کے قول کا معنی بھی یہی ہے۔

''لیس هذا بغریب ولکنکم فی الأدب غرباء''

پس لفظ غریب کے اصلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے زیادہ مختلف نہیں ہیں اسی لیے علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: ''والغریب من الکلام یقال به علی وجهین:

أحدهما: أن یراد به أنه بعید المعنی غامضه لا یتناول له الفهم الا عن بعد ومعاناة فکر۔

والوجه الآخر: أن يرادبه كلام من بعدت به الدار من شواذقبائل العرب، فاذا وقعت الينا الكلمة من لغاتهم استغربناها۔'' (۳)

یعنی کلام میں غریب دو معنی کے اعتبار سے ہے۔

۱۔معنوی بُعد مراد ہو یعنی معنی میں پیچیدگی ہو۔ تفصیلی غور وفکر کے بغیر سمجھنا ممکن نہ ہو۔

۲۔اس آدمی کا کلام کہ جس کا تعلق عرب کے دور دراز کے قبائل سے ہو۔ جب ایسے کسی شخص کی لغت کی بات ہم تک پہنچتی ہے تو ہم اسے اوپرا سمجھتے ہیں۔

فصاحت کلام کے اعتبار سے تمام لوگ آپس میں برابر نہیں ہوتے ہیں خاص طور پر عربی زبان اپنے بے شمار لہجات اور مختلف قبائل کی مختلف لغات کی وجہ سے وضاحت میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے ان تمام عرب قبائل میں قبیلہ قریش کی زبان سب سے زیادہ فصیح ہے۔قرآن چونکہ لغت قریش پر نازل ہوا اور یہ لغت عرب کی تمام لغات سے عظیم تر تھی اور دوسرے قبائل کی لغات پر فوقیت رکھتی تھی اسی لیے اُس وقت کے لوگوں کو قرآن مجید کے بڑے کلمات اور معانی کو سمجھنے کے لیے زیادہ مشقت اٹھانی نہیں پڑتی تھی۔

اسی لیے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ فرماتے ہیں:

> ''لم يحتج السلف، ولاالذين أدركوا وجيه الى النبی ﷺ أن يسألوا عن معانيه، لأنهم عرب الألسن، فاستغنوا بعلمهم به عن المسألة عن معانيه، وعمّا فيه مما فی كلام العرب مثله من الوجوه والتلخيص، وفی القرآن مثل ما فی الكلام العربی من وجوه الاعراب ومن الغريب والمعانی۔'' (۴)

یعنی اسلاف اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنے والی وحی کے مشاہدہ کرنے والے صحابہ کو قرآن کے معانی پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس زبان سے آشنا تھے زبان سے ان کی آشنائی نے

انہیں معانی پوچھنے سے بے نیاز کر دیا۔ اسی طرح کلام عرب میں دیگر وجوہ اور تلخیصات موجود تھیں انہیں ان کے پوچھنے کی حاجت بھی پیش نہ آتی۔ البتہ جس طرح کلام عربی میں وجوہ اعراب اور غرابت ہے اسی طرح قرآن میں بھی ہے۔

پھر اس کی فتوحات بڑھ گیں اور عجمی لوگوں کا عربوں کے ساتھ اختلاط ہوا ان عجمیوں نے عربی زبان تھوڑی بہت سمجھ تو لی لیکن یہ لوگ فصاحت کلام کے اصولوں سے نابلد تھے۔ اس طرح آہستہ آہستہ غریب القرآن کے علم کا ارتقاء شروع ہوا یہ سبب اس علم کی نشوونما میں ایک اہم سبب تھا۔
علامہ زرکشی نے ''غریب القرآن'' کی تعریف اس طرح ذکر کی ہے۔

''وهو معرفة المدلول وذكر طائفة من الذين ألّفوا وصنفوا فيه (أى الغريب) وذكر من أحسنها كتاب: ''المفردات'' للراغب الاصفهانى، وهو يتصيد المعانى من السياق، لأن مدلولات الألفاظ خاصة۔'' (۵)

ترجمہ۔ غریب القرآن کا مطلب ہے کہ مدلول کی معرفت حاصل کرنا۔ اس کے بعد زرکشی نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے غریب القرآن میں تصنیفات کیں۔ اور ان میں سے سب سے عمدہ کتاب علامہ راغب اصفہانی کی المفردات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ قرآنی سیاق وسباق سے معانی اخذ کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کے مدلولات خاص بھی ہوتے ہیں۔

آگے چل کر زرکشی لکھتے ہیں۔

''ويحتاج الكاشف عن ذلک الى معرفة علم اللّغة. اسماً وفعلاً وحرفاً: فالحروف لقلتها تكلم النحاة على معانيها. فيؤخذ ذلک من كتبهم. وأما الأسماء والأفعال فيؤخذ ذلک من كتب اللّغة۔'' (۶)

یعنی غرائب قرآن کی حقیقت کا انکشاف کرنے والا علم لغت کا محتاج ہوتا ہے اور اسماء، افعال اور حروف کو بھی بخوبی جاننے کا حاجت مندر ہتا ہے۔ حروف چونکہ بہت تھوڑے ہیں اس لیے فن نحو کے عالموں نے اُن کے معانی بیان کر دیے ہیں اور یہ اُن کی کتابوں سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اسماء اور افعال کے لیے لغت کی کتابیں دیکھنی لازمی تھیں۔"

لغت کی کتابوں میں سب سے بڑی ابن سیدہ کی کتاب المحکم، قزاز کی کتاب الجامع، جوہری کی صحاح، فارابی کی الباع اور صاغانی کی "مجمع البحرین" اچھی اور مشہور کتابیں ہیں۔

غریب القرآن کی اہمیت:۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غریب القرآن کی معرفت یہ اللہ رب العزت کے کلام کو سمجھنے میں پہلی بنیاد ہے اور ہر مفسر قرآن کی تفسیر اور تاویل میں اس علم کی معرفت کا محتاج ہے۔ اسی لیے علماء نے اس علم کو جاننے اور سیکھنے کو ایک مفسر کے لیے واجب قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

"ومعرفة هذاالفن للمفسر ضرورية. والاّ فلا يحل له الاقدام على كتاب الله تعالى قال يحيٰى بن نضلة المدينى: سمعتُ مألك بن أنس يقول: لا أوتى برجل يفسر كتاب الله غير عالم بلغة العرب الاّ جعلتهٗ نكالاً ۝ وقال مجاهد: لا يحل لأحد يومن بالله واليوم الآخرأن يتكلّم فى كتاب الله اذا لَمْ يكن عالماً بلغات العرب ۝ (وينبغى العناية بتدبر الألفاظ كى لا يقع الخطأ كما وقع لجماعة من الكبار. وهذا الباب عظيم الحظر. ومن هنا تهيب كثير من السلف تفسير القرآن. وتركوا القول فيه حذار أن يزلوا فيذهبوا عن المراد. وان كانوا علماء باللسان فقهاء فى الدين)" (۷)

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ ایک مفسر کے لیے اِس فن کی معرفت ضروری ہے اس علم کو سیکھے بغیر اللہ کی کتاب کے سلسلے میں کسی بھی قسم کا اقدام جائز نہیں ہے یحیی بن نضلہ المدینی نے کہا کہ میں نے مالک بن انسؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جس بھی عالم نے جو کہ لغت عرب کو نہیں جانتا جب قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی کوشش کی تو وہ ذلیل ہو گیا اور عبرت کا شکار ہوا۔ اِسی طرح مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو بھی شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ عرب کی لغات کو سیکھے اور جانے بغیر اللہ کی کتاب میں کلام کرے۔

الفاظ کے مدلول و مفہوم میں غور وفکر کرنا ضروری ہے تا کہ غلطی کا احتمال نہ ہو جیسا کہ بعض بڑے بڑے حضرات اس میں گرفتار ہوئے۔ یہ باب بڑی اہمیت کا حامل اور پر خطر ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے اسلاف قرآن کی تفسیر سے خائف رہے اور قرآن کی مراد سے پھسلنے کے خطرے سے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اگر چہ وہ زبان دان اور فقہائے دین تھے۔

غریب القرآن کے ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ الفاظ منکر یا شذوذ میں شامل ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بہت سے الفاظ زبان کے ایسے ہوتے ہیں جنہیں اہل زبان اپنے ہاں استعمال نہیں کرتے یا اُن کا استعمال قلیل ہوتا ہے۔

پس نافر کا مطلب یہ ہے کہ ایسے الفاظ جن کا استعمال کسی بھی زبان میں اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے جیسے اُردو زبان میں اپنے سے بڑے یا مقام و مرتبہ والے شخص کے لیے جمع کا صیغہ مستعمل ہے اور واحد کا صیغہ نافر ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ''ہمارے والد تشریف لائے ہیں'' بجائے اس طرح کہنے کہ ''ہمارا ابو آیا ہے۔''

شذوذ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں بائیں سے گھما کر زبردستی معنی بیان کیا جائے۔

جیسا کہ الرافعی کا بیان ہے:

''وفی القرآن ألفاظ اصطلح العلماء علی تسمیتها بالغرائب. ولیس المراد بغرابتها أنها منکرة أو نافرة أو

شاذة. فان القران منزّه عن هذا جميعه. وانما اللفظة الغريبة ههنا: هي الّتي حسنة مستغربة في التأويل، بحيث لا يتساوي في العلم بها أهلها وسائر الناس۔'' (۸)

یعنی قرآن میں کچھ ایسے الفاظ ہیں کہ جنہیں علماء غرائب سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی غرابت سے مراد منکر، نافر اور شاذ نہیں کیونکہ قرآن ان سب سے منزہ ومبرا ہے۔ لفظ غریب سے یہاں مراد ہے کہ وہ عمدہ ہو لیکن تاویل وتفسیر میں استغراب ہو۔ بایں طور کہ اس کی معرفت میں علماء اور دیگر لوگ باہم یکساں نہ ہوں۔

پس شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''نعم قد يكون في القرآن آيات لا يعلم معناها كثير من العلماء. فضلاًعن غيرهم وليس ذلك في آية معينة، بل قد يشكل على هذا مايعرفه هذا، وذلك تارة يكون لغرابة اللفظ، وتارةً۔۔۔۔۔'' (۹)

یعنی قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کے معنی بہت سے علماء بھی نہیں جانتے چہ جائیکہ علماء کے علاوہ اُن سے واقف ہوں۔ اور ایسا کسی ایک معین آیت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض دفعہ کوئی آیت جس کو وہ جانتے ہوتے ہیں وہ اُن کے ہاں اشکال کا باعث ہوتی ہے کبھی تو ایسا لفظ کی غرابت کی وجہ سے ہوتا ہے۔''

پس اس بحث سے یہ پتہ چلا کہ قرآن کریم کے الفاظ دو قسم پر ہیں:

۱۔ ایک قسم وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور تمام علماء اور اکثر لوگ ان الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت سے واقفیت میں مشترک ہیں جیسے آسمان، زمین وغیرہ

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے وہ ہی علماء واقف ہیں جو عربی زبان میں بہت گہرائی رکھتے ہیں اور اسی

قسم پر بہت سے اصحاب کی ''غریب القرآن'' کے نام سے کتب موجود ہیں۔ اس میں ابن عباسؓ سے ان شاگردوں نے بہت سے الفاظ نقل کیے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ابن عباسؓ سے بروایت علی بن ابی طلحہ تقریباً سو غریب الفاظ کے معنی نقل کیے ہیں۔ اسکے علاوہ امام راغب اصفہانی کی کتاب ''مفردات القرآن'' ابوعبیدہ معمر بن مثنی کی کتاب ''مجاز القرآن'' غریب الفاظ کا ضخیم سرمایہ ہیں۔

تقدیم وتاخیر:۔

کلام کے اندر بعض اوقات تقدیم وتاخیر کی وجہ سے اشکال یا اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کے اندر جس لفظ نے پہلے آنا تھا اُس کو بعد میں ذکر کیا جائے اور جس نے بعد میں ذکر ہونا تھا اُس کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ ایسا ہونے سے کلام کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ پھر بعد میں غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس جگہ پر کلام کے اندر تقدیم وتاخیر ہوئی ہے۔ پس صحیح طریقہ سے کلام کی ترکیب کرنے سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

پس تقدیم وتاخیر کی تعریف اس طرح ذکر کی گئی ہے:

''وهو جعل اللفظ فى رتبة قبل رتبته الأصلية أو بعدها العارض۔'' (۱۰)

یعنی اگر کلام کے اندر کسی ایک لفظ کو اس کی اصل جگہ سے پہلے یا بعد میں ذکر کیا جائے کسی سبب کی وجہ سے تو اس کو تقدیم وتاخیر کہتے ہیں اور عربوں کے کلام میں اِس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور عربوں کا یہ طریقہ اور عادت ہے کہ وہ کلام میں الفاظ کو ان کی اصلی جگہوں سے آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں۔

لہذا کلام کے اندر یہ تقدیم وتاخیر بعض مفسرین کے نزدیک آیات قرآنیہ میں اشکال کا سبب ہے۔

پس شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''والمقدم فى القرآن والمؤخر، باب من العلم، وقد صنّف فيه العلماء: منهم الامام أحمد وغيره۔'' (۱۱)

قرآن کے اندر تقدیم وتاخیر کا پایا جانا یہ علم میں ایک باب کی حیثیت رکھتا ہے اور بہت سے علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک امام احمد بن حنبل ہیں۔

اس سلسلے میں ابن جریر طبریؒ نے ایک قاعدہ وضع کیا ہے پس وہ فرماتے ہیں:

''ولا وجه لتقديم شئ من كتاب اللّٰه عن موضعه. أوتاخيره عن مكانه الاّ بحجة واضحة'' (۱۲)

پس کتاب اللہ کے اندر کسی بھی چیز کو اس کی اصلی جگہ سے پہلے لانا یا بعد میں لانا بغیر وجہ کے جائز نہیں پس جب کوئی واضح دلیل پائی جائے تو پھر ہی یہ تقدیم وتاخیر جائز ہے۔

پس ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''والتقديم والتأخير على خلاف الأصل. فالأصل اقرار الكلام على نظمه وترتيبه. لا تغيير ترتيبه۔'' (۱۳)

پس تقدیم وتاخیر یہ اُصل (اصول) کے خلاف ہے اور کلام کے اندر اصل یہ ہے کہ اُس کلام کو اُس کے نظم اور ترتیب پر قائم رکھا جائے اور اُس میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ شمس الدین بن الصائغ نے اس قسم کی آیتوں کی حکمت کے بیان میں اپنی کتاب المقدمہ فی سر الالفاظ تالیف کی ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ:

''الحكمة الشائعة الذائعة فى ذلك الاهتمام. كماقال سيبويه فى كتابه: كأنّهم يقدّمون الذى بيانه أهمّ ○'' (۱۴)

یعنی تقدیم وتاخیر کے بارے میں جو حکمت مشہور ومعروف مانی جاتی ہے وہ اھتمام (توجہ اور خیال کرنے) کا اظہار ہے جیسا کہ سیبویہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اہل زبان اُسکو کلام میں مقدم کر دیتے ہیں جس کا بیان ضروری ہوتا ہے۔

اس کے بعد خود علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تقدیم وتاخیر کی حکمت اور اسرار کی دس انواع

ذکر کی ہیں۔

پس اس تقدیم وتاخیر کے بارے میں اصولی بات یہ ہے کہ اگر تو کلام کے اندر تقدیم یا تاخیر کی وجہ ظاہراً سمجھ میں آتی ہے اور بغیر کسی تکلف کے اُس کی علت بیان کی جاسکتی ہے تو چاہیے کہ قاری اس کو ذکر کر دے اور اگر علت ظاہر نہیں ہوتی تو اس صورت میں قاری قرآن اِسکے کلام کے مفہوم کے اصل علم کو اُس کے جاننے والے کے سپرد کر دے اور خود سے بغیر علم کے اللہ رب العزت کے کلام میں کچھ کہنے سے اپنے آپ کو بچائے۔

مثال:۔

پس اس کی مثال سورۃ عبس کی درج ذیل آیات ہیں:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾

(عبس ۸۰: ۳۴_۳۶)

ان کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن آدمی اپنے بھائی سے، ماں سے، باپ سے، اپنے ساتھی سے اور بیٹوں سے دور بھاگے گا (تاکہ اپنے نیک اعمال اُن کو نہ دینے پڑ جائیں)

پس یہ آیت مبارکہ ابن تیمیہ کے زمانے کے بہت سے فضلاء کے لیے مشکل واقع ہوئی پس انہوں نے ابن تیمیہ سے اس کے متعلق سوال کیا اُن کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ عادۃً کلام کے اندر اہم چیز سے ابتداء کی جاتی ہے جبکہ یہاں فرار کی ابتداء بھائی سے کی جارہی ہے جبکہ اخ سے زیادہ اہم رشتہ داروں کو مؤخر کیا گیا ہے۔

پس ابن تیمیہ نے اُن کو اس طرح سے جواب دیا:

"الابتداء يكون فى كل مقام بما يناسبه. فتارة يقتضى الابتداء بالأعلى، وتارة بالأدنى. وهنا: المناسبة تقتضى الابتداء بالأدنى، لان المقصود بيان فراره عن أقاربه مفصلاً شيئاً بعد شئى. فلو ذكر الأقرب أولاً. لم يكن فى

ذکر الأ بعد فائدة طائلة، فانه يعلم أنه اذا فر من الأقرب فرّ من الأبعد، وَلَماحصل للمستمع استشعار الشدة مفصّلة، فابتدئ بنفي الأ بعد منتقلاً منه الى الأ قرب، فقيل أولاً: {يفر المرء من أخيه} فعلم أن ثمّ شدّة توجب ذلك، وقد يجوز أن يفر من غيره، ويجوز أن لايفر فقيل: {وأمّه وأبيه} فعلم أن الشدة اكبر من ذلك، بحيث توجب الفرار من الأ بوين، ثم قيل {وصاحبته وبنيه} فعلم أنها طامّة بحيث توجب الفرار مما لا يفر منهم الاّ في غاية الشدة وهي الزوجة والبنون۔''(۱۵)

ترجمہ: ''ہر مقام میں ابتداء اس لفظ سے کی جاتی ہے کہ جو اس جگہ کے مناسب ہو۔ کبھی تقاضا اعلیٰ سے ابتداء کا ہوتا ہے اور کبھی ادنی سے۔ یہاں ادنی سے ابتداء کا تقاضا ہے کیونکہ یہاں پر مقصود اُس کے فرار کو اُس کے اقارب سے ایک کے بعد ایک تفصیل سے بیان کرنا ہے۔ اگر اقرب کا بیان پہلے ہو جاتا ہے تو پھر اُبعد کے ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اقرب سے بھاگے گا تو اُبعد سے بھی بھاگے گا تو یوں سختی کا احساس سامع کو کامل نہ ہوتا۔ تو اس وجہ سے بھی دور کی نفی سے اقرب کی نفی کی طرف انتقال کیا گیا پہلے یوں کہا گیا یفر المرء من اخیہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہاں کی سختی اسے لازم کرتی ہے ممکن ہے کہ وہ غیر سے بھی بھاگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ بھاگے۔ تو یوں کہا گیا: وامّہ وابیہ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ سختی اس سے بھی زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے والدین سے بھاگ رہا ہے پھر کہا گیا وصاحبتہ

وبنیه۔ تو معلوم ہوا کہ اب شدت کا معاملہ سنگین ہو گیا ہے کہ اب اس سے بھی فرار ہو رہا ہے جس سے فرار صرف انتہائی شدت میں ہوتا ہے یعنی بیوی اور اولاد''۔

پس ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اُس لفظ کو مقدم کیا گیا ہے جس کو بعد میں آنا چاہیے تھا اور یہ ہی بات اُس زمانہ کے فضلاء کے لیے اشکال کا باعث بنی۔ پس ابن تیمیہ نے اُن کے اس اشکال کا ازالہ اس جواب سے کیا کہ ہر جگہ تقدیم اُس جگہ کی مناسبت کے اعتبار سے کی جاتی ہے یعنی کلام جس چیز کا تقاضا کر رہا ہوتا ہے تو اس کے مناسب الفاظ کو پہلے ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ایجاز واختصار:۔

ایجاز واختصار بھی کلام عرب کا ایک منفرد اسلوب ہے۔قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔لہذا اس کی آیات میں بھی ایجاز یا اختصار کے اسلوب کو استعمال کیا گیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں لکھتے ہے:

''نقل صاحب سر الفصاحة عن بعضهم أنّه قال: البلاغة ''هي الايجاز والاطناب'' (١٦)

صاحب سر الفصاحۃ نے ان بعض اہل بلاغت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایجاز اور اطناب ہی بلاغت ہے اس موضوع کے ضمن میں دو باتیں ذکر کی جائیں گی۔

۱۔ ایجاز سے کیا مراد ہے؟

۲۔ ایجاز کس طرح آیات قرآنیہ میں اشکال پیدا کرتا ہے۔

ایجاز کی تعریف:

اہل بلاغت نے اس کی تعریفات ذکر کی ہیں مثلاً ابوالحسن الکرمانیؒ فرماتے ہیں:

''الایجاز: تقلیل الکلام من غیر اخلال بالمعنی، واذا

كان المعنى يمكن أن يعبر عنه بالفاظ كثيرة. ويمكن أن يعبر عنه بألفاظ قليلة. فألالفاظ القليلة ايجاز'' والا يجاز على وجهين: حذف. قصر

فالحذف: اسقاط كلمة للا جتزاء عنها بدلالة غيرها من الحال أو فحوى الكلام

والقصر: بنية الكلام على تقليل اللفظ و تكثير المعنى من غير حذف''۔ (۱۷)

پس ایجاز کا مطلب یہ ہے کہ کلام کو قلیل الفاظ کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے مفہوم میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ جب کلام کے معنی کو کثیر الفاظ سے تعبیر کرنا ممکن ہو تو کلام کو قلیل الفاظ کے ساتھ ادا کرنے کو ایجاز کہتے ہیں۔

ایجاز کی دو قسمیں ہیں: حذف اور قصر

حذف: کلام میں اس کے کسی جز و کو اسطرح سے ساقط کرنا کہ کوئی قرینہ یا کلام کا مفہوم اس ساقط کلمہ کے معنی پر دلالت کر رہا ہو۔

قصر: اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کے اندر کوئی حذف نہ پایا جائے اور اس کلام کے الفاظ بھی قلیل ہوں۔ لیکن معنی اور مفہوم بہت کثیر ہو۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''الايجاز والاختصار بعمنى واحد. كما يوخذ من المفتاح. وصّرح به الطيبى''۔ (۱۸)

یعنی ایجاز اور اختصار کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ مفتاح سے ماخوذ ہے اور طیبی نے اس کی تصریح کی ہے۔

اس بحث کی مثال اللہ رب العزت کا یہ قول ہے۔

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ۲:۱۷۹)

پس اس آیت کی تفسیر امام فخر الرازی اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

''ليس المراد من هذه الآية أن نفس القصاص حياة؛ لان القصاص ازالة الحياة، وازالة الشئى يمتنع ان تكون نفس ذلك الشئى، بل المراد أن شرع القصاص يفضى الى الحياة فى حق من يريد أن يكون قاتلاً، وفى حق من يراد جعله مقتولاً، وفى حق غير هما أيضاً۔

أمّا فى حق من يريد أن يكون قاتلاً: فلانه اذا علم أنه لو قتل قُتل ترك الفعل، فلا يقتل فيبقى حيا

واما فى حق من يراد جعله مقتولا: فلان من ارادقتله اذا خاف من القصاص ترك قتله فيبقى غير مقتول۔

واما فى حق غير هما: فلان فى شرع القصاص بقاء من هم بالقتل، أو من يهمّ به، وفى بقائهما بقاء من يتعصب لهما؛ لان الفتنه تعظم بسبب القتل فتودى الى المحاربة التى تنتهى الى قتل عالم من الناس''۔ (۱۹)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نفس قصاص زندگی ہے۔ کیونکہ قصاص تو زندگی کو زائل کرتا ہے۔ ازالہ شئ نفس کے وجود کو مانع ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قصاص کی مشروعیت اسے زندگی عطا کرتی ہے۔ جو قاتل بننے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور جو مقتول ہونے جا رہا ہے اور دیگر لوگوں کے حق میں بھی زندگی کا باعث ہے۔

قاتل کے حق میں یوں کہ اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ اگر اس نے قتل کیا تو قتل کر دیا جائے گا تو پھر وہ اپنے اس فعل کو چھوڑ دے گا اور زندہ رہے گا۔

مقتول کے حق میں یوں کہ جو اس کو قتل کرنا چاہتا ہے وہ قصاص کے ڈر سے قتل ترک کر دے گا تو وہ قتل نہ ہوگا۔

دیگر لوگوں کے حق میں یوں کہ قصاص کی مشروعیت میں قتل کا ارادہ کرنے والے اور جس کے قتل کا ارادہ کیا جارہا ہے دونوں کی بقاء ہے۔ اور اُن کی بقاء میں اُن کے مددگاروں کی بقاء ہے۔ کیونکہ قتل کی وجہ سے فتنے کی آگ بھڑکتی ہے اور جو جنگ شروع ہوتی ہے وہ قتل عام تک لے جاتی ہے۔

پس امام رازی کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی بات کی ابتداء ہی میں اس معنی کی نفی کی ہے جو اس آیت کو پڑھتے ہی ذھن میں وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قصاص جو کہ خود ایک جان یا زندگی کو ختم کرتا ہے وہ کس طرح سے زندگی کی بقاء کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کے اندر ایجاز پایا جاتا ہے جو اس کلام کو مشکل اور دقیق بنا دیتا ہے۔

اسی لیے ابوالحسن الرمانی کہتے ہیں۔

''واما الا یجاز بالقصر دون الحذف فهو أغمض من الحذف وان كان الحذف غامضاً. للحاجة الى العلم بالمواضع التى يصلح فيها من المواضع التى لا يصلح. فمن ذلك: (وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ) (البقرہ ۲:۱۷۹) ومنه: (يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ) (المنافقون ۶۳:۴) ومنه (وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا) (الفتح ۴۸:۲۱)، ومنه: (اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ) (النجم ۵۳:۲۳)، ومنه اِنَّمَا (بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ) (یونس ۱۰:۲۳)، ومنه (وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ) (فاطر ۳۵:۴۳) وهذا الضرب من الايجاز فى القرآن كثير''۔ (۲۰)

ایجاز قصر ایجاز کی دوسری قسم ایجاز حذف سے زیادہ مشکل اور دقیق ہے۔ اگرچہ ایجاز

حذف بھی کلام کی دقت کا باعث ہے۔ کیونکہ حذف یہ تقاضہ کرتا ہے اس بات کا کہ یہ بات معلوم ہو کہ کس جگہ پر حذف کرنا درست ہے اور کس جگہ پر حذف جائز نہیں ہے۔ پس مندرجہ بالا آیات قصر کی مثالیں ہیں اور ایجاز کی اس قسم کی اور بہت سی مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔

اس طرح ابن عاشور اپنی تفسیر ''التحریر والتنویر'' میں وہ سبب ذکر کرتے ہیں جس کی بناء پر ایجاز یا اختصار کلام کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیدا کر دیتے ہے۔ پس وہ لکھتے ہیں۔

''ومن ابدع الاساليب فى كلام العرب الا يجاز، وهو متنافسهم وغاية تتبارى اليها فصحاؤهم. وقد جاء القرآن بأبدعه اذ كان۔ مع ما فيه من الا يجاز المبين فى علم المعانى○ فيه ايجاز عظيم آخر و هو صلوحية معظم آياته لان توخذ منها معان متعددة كلها تصلح لها العبارة باحتمالات لاينا فيها اللفظ. فبعض تلك الاحتمالات مما يمكن اجتماعه، وبعضها وان كان فرض واحد منه يمنع من فرض آخر، فتحريك الاذهان اليه واخطاره بها يكفى فى حصول المقصد من التذكيريه للامتثال او الانتهاء''۔ (۲۱)

کلام عرب کے خوبصورت اسالیب میں سے ایک ایجاز ہے۔ عرب کے فصحاء کے ہاں مرغوب اور مقابلے کے میدان کا منتہی یہی ہیں۔ قرآن سب سے خوبصورت اسلوب لایا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف علم المعانی میں بیان کردہ ایجاز موجود ہے بلکہ قرآن میں دوسرا عظیم ایجاز بھی موجود ہے جو اس کی بہت بڑی آیات کا حامل ہے۔ کیونکہ ان موجز آیات سے جو متعدد معانی اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ سب نہ صرف اس معانی کی عبارت کے مناسب ہیں۔ بلکہ وہ احتمالات لفظ کے منافی بھی نہیں ہیں۔ بعض احتمالات کا جمع کرنا ممکن ہوتا ہے اور بعض کا اگرچہ ایک معنی فرض کر لینا دوسرے کو فرض

کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ ذہن کا ایسے معانی کی طرف جانا کہ جو مقصود کے حصول کے لیے کافی ہیں، یہی تذکیر بالامتثال اور منتہائے مقصود ہے۔

پس اسی وجہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایجاز یہ کلام کی تفہیم کو دشوار بنا دیتا ہے۔ اور اس دشواری کو غور وفکر بیان و وضاحت کے ساتھ دور کیا جا سکتا ہے۔ ایجاز کے اسلوب کو لانے کی بہت سی حکمتیں اور مقاصد ہیں ان کی تفصیل کتب بلاغہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۴۔ اَطناب وتکرار:

اطناب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

''ھو تادیة المعنی بعبارة زائدة عنه مع الفائدة'' (۲۲)

اطناب یہ ہے کہ معنی مرادی کو اس کی بہ نسبت زائد عبارت سے ادا کیا جائے کسی مخصوص فائدہ کے ساتھ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ ذکر کرتے ہیں۔ کہ

''انقسم الاطناب الی : بسط و زیادة'' (۲۳)

اطناب کی دو قسمیں ہیں ایک بسط اور ایک زیادۃ

بسط سے مراد ''الاطناب بتکثیر الجمل'' (۲۴) ہے یعنی جملوں کی کثرت کے ساتھ اطناب کرنا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے:

وَ وَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ (حم سجدہ، ۴۱: ۶، ۷)

ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے۔

یہاں پر ''الذین لا یوتون الزکوۃ'' سے اطناب کیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ مشرکوں میں سے کوئی بھی زکوۃ ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ مومنین کو ادائے زکوۃ پر برانگیختہ کرنا ہے اور زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو اس کے وبال سے خوف دلایا گیا ہے وہ اس طرح سے کہ زکوۃ ادا نہ کرنا یہ مشرکین کا وصف ہے۔

زیادہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام کے اندر زائد حروف یا الفاظ لا کر عبارت کو طویل کیا جائے اوران زائد حروف یا الفاظ کو لانے کا فائدہ بھی ہو اگر زائد حروف بلا فائدہ ذکر کیے جائیں تو یہ اطناب نہیں کہلاتا بلکہ اسے طوالت کلام کہا جاتا ہے۔

اطناب زیادہ اس کی کئی انواع ''الاتقان'' میں ذکر کی گئیں ہیں مثلاً حروف تاکید (لام ابتداء، اِنَّ. اَنَّ. قسم، اُلا استفتاحیہ، اَما. کأنّ. لکنَّ ـ ـ ـ وغیرہ) کو کلام میں ذکر کرنا، اسی طرح حروف زائد کو کلام میں لے کر آنا، تاکید صناعی (مثلاً حروف تاکید کلا، کلتا، اجمع، کل وغیرہ لانا، اِسی طرح مترادف حروف لے کر آنا تاکید کو بیان کرنے کے مقصد کے لیے، مصدر کے ذریعہ تاکید ذکر کرنا، وغیرہ ہے) اسی طرح تکرارِ کلام یہ بھی اطناب کی قسم ہے اس کے علاوہ صاحب اتقان نے زیادہ اطناب کی سترہ انواع مزید ذکر کی ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے اِن سب کا یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔

پس اطناب مفسرین کے لیے اس لیے مشکل کا باعث بنتا ہے کہ انہیں وہ حکمتیں اور وجوہات تلاش کرنی پڑتی ہیں جو بسط کلام کے اندر پائی جاتی ہیں کہ یہ کلام جو اطناب کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

پس کبھی تو اِس کی اطناب کا مقصد تاکید ہوتا ہے اور کبھی تعظیم اور تہویل کے لیے، کبھی رغبت اور شوق دلانے کے لیے، کبھی ابہام کو دور کرنے کے لیے، کبھی مزید وضاحت کے لیے، کبھی حکم کی علت بیان کرنے کے لیے اور کبھی کسی خاص امر پر تنبیہ کرنے کیلئے یہ سب اطناب کے مقاصد یا حکمتیں ہیں۔

پس تکریر یا تکرار کلام یہ اطناب کی ایک خاص قسم ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اور قرآن مجید میں اس کی بکثرت امثلہ کی وجہ سے فقط اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

پس قرآن کریم میں تکرار کلام کی جو مثالیں ذکر ہوئی ہیں اس کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱: ایک ہی جگہ پر یا قریب قریب کی جگھوں پر ایک ہی بات کو بار بار ذکر کرنا۔

۲: بہت سی علیحدہ علیحدہ جگہوں پر ایک ہی کلام کو بار بار ذکر کرنا اس کی مثال انبیاء کے واقعات ہیں۔

یہاں پر اہم بات یہ ہے کہ تکرار کا فائدہ یا حکمت یہ مفسرین پر مخفی ہوتی ہے اور ان کے لیے اشکال کا باعث بنتی ہے اسی لیے تکرار کلام بھی قرآن کریم کی تفہیم کی مشکلات میں سے ایک ہے۔

اس پہلی قسم کی مثال تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے درج ذیل ہے:

سورۃ بقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

(البقرۃ ۲: ۱۴۹۔۱۵۰)

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تین مرتبہ تکرار کی حکمت میں مفسرین کا اختلاف وارد ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ ان آیات کی تفسیر سے متعلق مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

قیل: تاکید، لانہ اول ناسخ وقع فی الاسلام علی ما نص علیہ ابن عباس وغیرہ۔

وقیل: بل ھو منزل علی أحوال:

فالأمر الاول لمن ھو مشاھد الکعبة، والثانی لمن ھو فی مکة غائبا عنھا، والثالث لمن ھو فی بقیة البلدان، ھکذا وجھه فخر الدین الرازی، (۲۵)

قال القرطبی: الأول لمن ھو بمکة، والثانی لمن ھو فی بقیة

الأمصار، والثالث لمن خرج فى الأسفار، ورجّح وهذا الجواب القرطبى(٢٦)

وقيل انما ذكر ذلك لتعلقة بما قبله أو بعده من السياق. فقال اولاً: (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝) (البقرة۲، ۱۴۴)

فذكر فى هذا المقام اجابته الى طلبته وأمره بالقبلة التى كانوا يود التوجه اليها ويرضاها۔

وقال فى الأمر الثانى (ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام وانه للحق من ربك وما اللّٰه بغافل عما تعملون) فذكر انه الحق من اللّٰه وارتقى عن المقام الاول، حيث كان موافقاً لرضا الرسول ﷺ فبين انه الحق أيضاً من الله يحبّه ويرتضيه۝

وذكر فى الأمر الثالث حكمة قطع حجة المخالف من اليهود الذين كانوا يتحججون بالاستقبال الرسول الى قبلتهم. وقد كانوا يعلمون بما فى كتبهم انه سيصرف الى قبلة ابراهيم عليه السلام الى الكعبة. وكذلك مشركوا العرب انقطعت حجتهم لمّا صرف الرسول ﷺ عن قبلة اليهود الى قبلة ابراهيم التى هى أشرف. وقد كانوا

یعظمون الکعبة وأعجبهم استقبال الرسول الیها''
وقیل غیر ذلك من الأجوبة عن حکمة التکرار، وقد
بسطها فخر الدین وغیره، والله سبحانه وتعالیٰ أعلم''
(۲۷)

یہاں پر یہ آیت تین مرتبہ ذکر ہوئی پس یہاں حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ تین مرتبہ تاکید اس لیے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔

فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو اُن کے لیے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہوں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہ ہو، تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر ہوں روئے زمین پر۔

قرطبی نے ایک توجیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ پہلا حکم مکہ والوں کے لیے ہے دوسرا حکم شہر والوں کے لیے اور تیسرا حکم مسافروں کے لیے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیشن گوئی بھی پوری ہوئی، ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی قائم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک مانتے تھے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی۔

امام رازی نے یہاں کے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی بسط سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

تکرار کی دوسری قسم قصص انبیاء کے تکرار کی حکمتیں:

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے قصص میں تکرار وارد ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت نے موسیٰ کا ذکر اپنی کتاب میں ایک سو بیس مرتبہ

فرمایا:

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

''وقال ابن العربی فی القواصم: ذکر الله قصة نوح فی خمس وعشرین آیة، وقصة موسیٰ فی تسعین آیة'' (۲۸)

ابن العربی نے لکھا ہے کہ نوح کا قصہ قرآن میں پچیس آیات میں ذکر کیا اور موسیٰ کا قصہ نوے آیات میں بیان فرمایا:

پھر علامہ سیوطی نے بدر بن جماعۃ کی کتاب ''المقتنص فی فوائد تکرار القصص'' کے حوالے سے قصوں کے تکرار کے فوائد لکھے ہیں، یہاں تفصیل کا موقع نہیں، صاحب ذوق الاتقان میں ملاحظہ کرلیں۔(۲۹)

۵۔کنایۃ

کنایہ کی تعریف ''الاتقان'' میں اس طرح ذکر ہوئی ہے۔

''لفظ أرید به لازم معناه''۔ (۳۰)

کنایہ ایسا لفظ ہوتا ہے جس سے اس کے معنی لازمی مراد لیے گئے ہوں نیز ڈاکٹر محمد اشقر نے ''معجم علوم اللغۃ العربیہ'' میں اس کی تعریف یوں ذکر کی ہے:

''لفظ أرید به لازم معناه مع جواز ارادة معناه الاصلی حینئذ'' (۳۱)

کنایہ ایسا لفظ ہوتا ہے جس سے اس کے معنی لازمی مراد لیے جاتے ہیں ایسی صورت میں کہ اس لفظ کے حقیقی معنی بھی ساتھ ہی اسی وقت میں مراد لیے جاسکتے ہیں۔اسی طرح شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں کنایہ کی تعریف اس طرح ذکر کی ہے:

''والکنایة هی أن یثبت حکما من الأحکام، ولا یقصد به ثبوت ذلك الأمر بعینه، بل یقصد أن ینتقل ذهن المخاطب الی لازمه بلزوم عادی أو عقلی، کما یفهم معنی

كثرة الضيافة من قولهم، هو عظيم الرماد ويفهم معنى السخاوة من قوله تعالىٰ (بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوطَتٰنِ) (المائدہ۵: ۶۴)
(۳۲)

کنایہ ایسے انداز کلام کو کہتے ہیں جس سے کوئی بات کسی کے لیے ثابت کی جائے اس طرح کہ سننے والے کا ذہن ایسی بات کی طرف منتقل ہو جائے جو قدرتی طور پر عقل کے نزدیک لازم ہو مثلاً کسی شخص کو عظیم الرماد (راکھ کے بڑے ڈھیر والا) کہیں اور اس سے مراد بہت مہمان نواز ہو اسی طرح اللہ رب العزت کے اس قول (اس کے ہاتھ کشادہ ہیں) سے کرم وسخاوت کا مفہوم ذہن میں آتا ہے۔

اس کی ایک اور مثال اس طرح سے دی جاسکتی ہے:

''فلانة نؤوم الضحى''

کہ فلاں عورت چاشت کے وقت سونے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد ایسی عورت ہے جس کو (خدمت گزار) میسر ہیں جو گھریلو کام کاج میں اس کی جگہ کام کرتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ عورت چاشت کے وقت سو جاتی ہے حالانکہ یہ وقت عورتوں کی مصروفیت کا ہوتا ہے جب کہ ان کو خدمت گزار میسر نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا حقیقی معنی لینا بھی درست ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عورت اس وقت میں سو جاتی ہو اور اپنے کام کاج بھی مکمل کر لیتی ہو۔

کنایہ کا استعمال کسی معنی کی پوشیدگی کے لیے کیا جاتا ہے جس کا چھپانا ضروری ہو اور اس کی وضاحت نہ کی جاسکتی ہو۔

کلام میں کنایہ کا اسلوب اختیار کرنے کے بہت سے اغراض ومقاصد ہوتے ہیں جس سے واقفیت کے لیے بلاغہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے ان کو تفصیلاً ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

جب کسی آیت میں کنایہ کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی مقصودی کو سمجھنا مفسر کے لیے

مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس لفظ کنایہ کی تصریح وہاں موجود نہیں ہوتی لہذا مفسر آیت کے اندر اس لفظ کنایہ کے مقصود کی معرفت کا محتاج ہوتا ہے۔

مثال اللہ رب العزت کا قول ہے:

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ

(ص ۲۳:۳۸)

یہاں "نعجة" کا لفظ کنایہ ہے عورتوں سے پس کلام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"فكنى بالنعجة عن المرأة كعادة العرب في ذلك: لان ترك التصريح بذكر النساء أجمل منه. لهذا لم تذكر في القرآن امرأة باسمها الا مريم" (۳۳)

یہاں بھیڑ کے ساتھ عورت کی طرف کنایہ کیا گیا ہے کیونکہ اہل عرب کی عادت ایسی ہی پائی گئی ہے اور عورتوں کا ذکر تصریحی طور پر نہ کرنا زیادہ اچھا شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں کسی عورت کا ذکر اس کے نام سے نہیں کیا گیا ہے سوائے مریم کے۔

دوسری مثال علامہ شنقیطی نے اس طرح ذکر کی ہے:

علامہ شنقیطی سورۃ حج کی اس آیت

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ① یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ② (الحج ۲۲:۱-۲)

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہوا ہے یہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد واقع ہوگا اس کے یہاں اس آیت پر وارد ہونے والے اشکال کو ذکر کرتے ہوئے علامہ شنقیطی فرماتے ہیں:

''فان قیل هذا النص فیه اشکال، لانه بعد القیام من القبور لا تحمل الاناث، حتی تضع حملها من الفزع، ولا ترضع، حتی تذهل عما أرضعت○

فالجواب عن ذلك من وجهین

الوجه الاول: ما ذکره بعض أهل العلم، من أن من ماتت حاملا تبعث حاملا، فتضع حملها من شدة الهول والفزع من ماتت مرضعة بعثت کذلك، ولکن هذا یحتاج الی دلیل○

والوجه الثانی: أن ذلك کنایة عن شدة الهول، کقوله تعالیٰ (یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا) (المزمل ۷۳: ۱۷) ومثل ذلک من أسالیب اللغة المعروفة'' (۳۴)

اس آیت مبارکہ کے بارے میں اگر کہا جائے کہ اس میں اشکال واقع ہوا ہے وہ اس طرح کے قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد کوئی بھی عورت حمل نہیں اٹھائے گی چہ جائیکہ گھبراہٹ کے باعث حمل کو گرا دیا جائے اور نہ ہی کوئی عورت بعث بعد الموت کے اپنے بچے کو دودھ پلا سکے گی تو پھر مرضعہ کا اپنے بچہ کو گرا دینا کہاں ممکن ہے؟

پس اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

پہلا یہ کہ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جو عورت حاملہ مرے گی وہ حاملہ ہی قبر سے اٹھائی جائے گی پس ہولناکی اور گھبراہٹ کی وجہ سے وہ اپنا حمل گرا دے گی اسی طرح جو عورت حالت رضاعت میں مرے گی وہ اسی طرح اٹھائی جائے گی لیکن یہ جواب بلا دلیل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جملے قیامت کی خوفناکی اور ہولناکی کے لیے کنایۃً استعمال کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ رب العزت کا یہ قول ہے کہ اس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور کلام عرب میں

اس اسلوب کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

پس اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ کلام کے اندر کنائی اسلوب کو اختیار کرنا یہ مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیدا کرتا ہے پس اس کنایہ سے کیا مراد ہے اس کو سمجھنا اور کلام میں پیدا ہونے والی دشواری کو دور کرنا ان امور نے مفسرین کی توجہ اس اسلوب کی طرف پھیر دی۔

تعریض:

تعریض کو اکثر علماء نے کنایہ کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے بعض نے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا اور بعض نے فرق کیا۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے تعریض کی تعریف سے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے ہیں اور ساتھ کنایہ کے ساتھ اس کے اختلاف کی وجہ بھی ذکر کی ہے مثلاً علامہ سیوطی ابن اثیر کا کنایہ اور تعریض سے متعلق قول نقل کرتے ہیں۔

وقال ابن الاثير، الكناية: ما دل على معنى يجور حمله على الحقيقة والمجاز، بوصف جامع بينهما۔ والتعريض: اللفظ الدال على معنى لا من جهة الوضع الحقيقي أو المجازي، كقول من يتوقع صلةً؛ والله انى محتاج، فانه تعريض بالطلب، مع أنه لم يوضع له حقيقة ولا مجازاً، وانما منهم من عرض اللّفظ، أى: جانبه'' (۳۵)

''کنایہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کو حقیقت ومجاز دونوں معنی پر محمول کرنا جائز ہو ایسے وصف کے ساتھ جو حقیقت و مجاز کو جمع کرنے والا ہو جب کہ تعریض ایسے معنی پر دلالت کرنے والا لفظ ہے جس کی دلالت علی المعنی وضع حقیقی یا مجازی جہت سے نہ ہو مثلاً کوئی شخص جو کہ صلہ (انعام) کا متوقع ہو وہ

کہے ''واللہ انی محتاج'' پس یہ طلب کے لیے تعریض ہے حالانکہ اس بات کی وضع طلب کے لیے حقیقتاً و مجازاً دونوں میں سے کسی ایک طریقہ پر بھی نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ طلب لفظ کے عرض یعنی اس کے پہلو سے سمجھ میں آئی ہے۔

''ابن قتیبہ نے ''تاویل مشکل القرآن'' کی فصل ''الکنایہ والتعریض'' میں تعریض کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''والعرب تستعمله فى كلامها كثيراً. فتبلغ ارادتها بوجه هو ألطف وأحسن من الكشف والتصريح، ويعيبون الرجل اذا كان يكاشف فى كل شيء ويقولون لا يحسن التعريض الا ثلبا وقد جعله الله فى خطبة النساء فى عدتهن جائزا فقال: (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ) (البقرۃ۲:۲۳۵) ولم يجز التصريح'' والتعريض فى الخطبة: أن يقول الرجل للمرأة: والله انك لجميلة ولعل الله أن يرزقك رجلاً صالحاً''(۳۶)

عرب لوگ اپنے کلام میں تعریض کو بکثرت استعمال کرتے ہیں اور بات کو وضاحت اور کھول کر بیان کرنے کی بجائے کلام میں اس کو (تعریض) کو لے کر آنا یہ (اسلوب کلام میں) زیادہ باریکی اور عمدگی ہے اور اہل عرب ایسے شخص کو اچھا نہیں سمجھتے جو ہر بات کو کھول کر بیان کرے اور وہ کہتے ہیں۔ تعریض عمدہ نہیں ہے سوائے ملامت کے مقام کے اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی عدت میں نکاح کا پیغام تعریضاً دینے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ''تم پر کچھ گناہ نہیں جو تم اشارہ کرتے ہو عورتوں کے نکاح کے پیغام میں یا تم اپنے دلوں میں چھپائے ہو اور یہاں وضاحت کے ساتھ پیغام دینا جائز نہیں ہے اور خطبہ (پیغام نکاح) میں تعریض یہ ہے کہ آدمی عورت سے کہے کہ اللہ

کی قسم! ''تو حسین ہے'' یا امید ہے کہ اللہ تجھے نیک شوہر عطا کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ تعریض کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''والتعريض ان يذكر الله حكما علماً أو منكراً، ويكون الغرض منه الايماء الى حال رجل خاص، أو التنبيه على حال رجل معين'' (۳۷)

''یہ ہے کہ کوئی عام بات کہیں اور اس سے مقصود کسی شخص کا حال بیان کرنا ہو یا کسی شخص کو تنبیہ کرنا ہو''۔

پس جب کہ تعریض کا معنی واضح ہو گیا ہے تو اب دوسرا امر یہ ہے کہ تعریض بھی خفائے معنی کی وجہ سے آیت میں اشکال پیدا کر دیتا ہے اور مفہوم کو مشکل بنا دیتا ہے کیونکہ غور وفکر سے یہ ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس آیت میں کسی کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جیسا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''ويأتى فى غضون الكلام بعض خصوصيات ذلك الرجل التى عرّف المخاطب عليه، فيغرق القارى فى الفكر فى مثل هذا الموضع، ويحتاج الى تلك القصة'' (۳۸)

(تعریض کی صورت میں) بعض اوقات اس شخص کی بعض خصوصیات بیان کر دیتے ہیں اور مخاطب کو اس شخص سے مطلع نہیں کرتے ایسی صورت میں قرآن پڑھنے والا قصے کا منتظر و محتاج رہتا ہے۔

''ففى هذه الصور ما لم يطلعوا على تلك القصة لا يدركون فحوى الكلام'' (۳۹)

ایسی صورت میں جب تک قصہ اور واقعہ معلوم نہ ہو مطلب واضح نہیں ہوتا۔

مثالیں:

۱: (وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا
(الاحزاب ۳۳:۳۶) تعريض لقصة زينب وأخيه ۔۔۔ (۴۰)

۲: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ (النور ۲۴:۲۲)

تعريض بأبي بكر الصديق (۴۱)

اس آیت میں ابوبکر صدیق کی طرف تعریضاً اشارہ ہے:

مزید مثالیں، آخری باب میں ذکر کی جائیں گی جس سے واضح ہوگا کہ تعریض کس طرح کلام کو سمجھنے سے قاصر کر دیتا ہے۔

۶۔ مجاز عقلی، استعارہ، تشبیہ

کوئی بھی لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے وہ اس کا حقیقی معنی کہلاتا ہے اگر اس حقیقی معنی کو چھوڑ کر اس لفظ کا کوئی دوسرا معنی مراد لیا جائے تو وہ مجاز کہلائے گا۔ پس کسی بھی لفظ کی وضع کے اعتبار سے چار اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ حقیقت وضعیہ یا لغویہ

۲۔ حقیقت شرعیہ

۳۔ حقیقت عرفیہ

۴۔ مجاز

ان اقسام کی وجہ حصر یہ ہے کہ یا تو وہ لفظ اپنے اصلی وضعی معنی پر باقی رہے گا یا نہیں اگر وہ اپنے اُسی اصلی معنی پر باقی رہے جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا تھا تو اس کو حقیقت لغویہ یا وضعیہ کہا جائے گا اور اگر اس لفظ کے اصلی معنی میں تغیر آ جائے اور وہ تغیر شرعاً واقع ہو تو اس کو حقیقت شرعیہ کہا جائے گا اور اگر اس میں تغیر عرف کے اعتبار سے ہو تو اس کو حقیقت عرفیہ کہا جائے گا۔

اگر لفظ کو اس کے موضوع لہٗ کے علاوہ میں استعمال کیا جائے کسی قرینہ کی وجہ سے تو اس کو مجاز کہتے ہیں:

امام رازی فرماتے ہیں:

''وقد أجمع العلماء على أنه لا يجوز صرف الكلام الى

المجاز الا بعد تعذر حمله علی الحقیقة'' (۴۲)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کلام کو مجاز کی طرف اس صورت میں پھیرا جاتا ہے جب حقیقی معنی میں اس کا استعمال ممکن نہ ہو۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں:

''من أدعی صرف اللفظ عن ظاهره الی مجازه، لم یتم له ذلک الا بعد أربع مقامات:

أحدها: بیان امتناع ارادة الحقیقة

الثانی: بیان صلاحیة اللّفظ لذلک المعنی الذی عینهٗ، والا کان مفسرا علی اللغة

الثالث: بیان تعیین ذلك المجمل ان کان له عدة مجازات

الرابع: الجواب عن الدلیل الموجب لارادة الحقیقة

فما لم یقم بهذه الامور الأربعة کانت دعواه صرف اللفظ عن ظاهره دعوی باطلةٌ'' (۴۳)

جو لفظ کے اپنے ظاہری معنی سے مجاز کی طرف پھیرنے کا دعویٰ کرے تو چار جگہوں کے علاوہ پر یہ دعویٰ کامل نہیں۔

۱۔ حقیقت مراد لینا ممتنع ہو۔

۲۔ جو معنی اس نے متعین کیا ہے لفظ اس کی صلاحیت رکھتا ہو ورنہ یہ لغت پر افتراء ہوگا۔

۳۔ اگر کئی مجازات ہوں تو اس مجمل کی تعیین۔

۴۔ حقیقی معنی کے وجوب کی دلیل کا جواب۔

جو ان چار چیزوں کا اہتمام نہ کرے تو اس کا مجاز کا دعویٰ باطل ہے۔

مجاز کی اقسام:

مجاز کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ مجاز عقلی ۲۔ مجاز لغوی

مجاز عقلی:

حضرت شاہ ولی اللہ نے ''الفوز الکبیر'' میں مجاز عقلی کی تعریف اس طرح بیان کی ہے۔

''والمجاز العقلی: هو أن يسند الفعل الى غير فاعله. أو يجعل المفعول به ما ليس بمفعول به فى الحقيقة لعلاقة المشابهة بينهما. ويدعى المتكلم أنه داخل فى عداده وفرد من أفراده''

كما يقولون: بنى الأمير القصر مع أن البانى بعض البنائين''

(۴۴)

یعنی کلام میں کسی فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں ہے اور ایسی چیز کو مفعول بنائیں جو حقیقت میں مفعول بہ نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان کسی مشابہت کے تعلق کی وجہ سے ایسا کہا جاتا ہے۔ کہنے والا گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی اسی شمار میں ہیں اور اسی جنس سے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے ''امیر نے محل بنایا'' حالانکہ بنانے والے معمار ہوتے ہیں۔

قرآن میں بھی مجاز عقلی کی مثالیں بکثرت آئی ہیں جیسے سورۃ قصص کی اس آیت مبارکہ میں:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص ۲۸:۴)

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر کلمہ یذبح اور کلمہ یستحی یہ دونوں اپنے حقیقی

معنوں میں استعمال ہوئے ہیں لیکن تذبیح اور الاستحیاء کی نسبت فرعون کی طرف نسبت حقیقی نہیں ہے اس لیے کہ فرعون ان افعال کا فاعل حقیقی نہیں ہے یعنی فرعون خود لڑکوں کو قتل نہیں کرتا تھا اور نہ ہی عورتوں کو چھوڑتا تھا بلکہ یہ اس کے لشکر کے لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے اور چونکہ فرعون ان افعال کا سبب تھا وہ اپنے سپاہیوں کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے لہذا یہاں مجاز نسبت میں استعمال ہوا ہے اور یہاں مجاز کا پایا جانا عقلی طور پر ہے نہ کہ لغوی طور پر اسی لیے اس کا نام مجاز عقلی رکھا گیا ہے۔

مجاز لغوی:

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔استعارہ ۲۔مجاز مرسل

استعارہ:

اس کو مجاز لغوی بھی کہتے ہیں استعارہ میں کسی کلمہ کے حقیقی معنی اور مجازی میں تشبیہ کا علاقہ پایا جاتا ہے جیسے اللہ رب العزت کے اس قول میں:

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (ابراہیم ۱:۱۴)

اس آیت مبارکہ میں کلمہ ''الظلمات'' اپنے حقیقی معنی ''اندھیرے'' کی بجائے مجازی معنی ''کفر'' میں استعمال ہوا ہے اور یہاں یہ مجاز لغوی استعارہ ہے کیونکہ اندھیرا اور کفر دونوں میں اس اعتبار سے مشابہت پائی جاتی ہے کہ دونوں صورتوں میں ہدایت نہیں پائی جاتی یا راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

مجاز مرسل:

مجاز مرسل وہ ہے جس میں حقیقی معنی اور مجازی معنی میں مشابہت کے علاوہ کوئی اور تعلق یا علاقہ پایا جائے اور اس علاقہ میں کئی انواع ہیں جو کتب بلاغہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس کی مثال درج ذیل آیات ہیں:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (المزمل ۷۳:۲)

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا (التوبۃ ۹:۱۰۸)

ان دونوں آیتوں میں قیام سے مراد ''نماز'' ہے اور قیام اور نماز کے درمیان تعلق جزئیات کا ہے وہ اس طرح کہ قیام نماز کا جزء ہے۔

پس لفظ کا اپنے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں استعمال ہونا اور پھر مجاز کی اقسام میں سے کسی ایک قسم سے تعلق رکھنا یہ تمام امور انتہائی دقیق اور مشقت طلب ہیں اور اس کے حل کے لیے قرآن میں غور وفکر کی سخت ضرورت ہے اسی لیے مجاز کو بھی مشکلات قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

دور نبوی ﷺ میں بھی یہ واقعہ پیش آیا پس امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے اس کو اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

(البقرہ ۲:۱۸۷)

اس آیت مبارکہ کا مفہوم صحابہ پر مخفی رہا وہ اس طرح کہ اس آیت کے ساتھ (من الفجر) کے الفاظ نازل ہونے سے پہلے جب کوئی بھی صحابی روزے کا ارادہ کرتے تو وہ اپنے پاؤں کے ساتھ سفید اور سیاہ دھاگہ باندھ لیتے اور تب تک کھاتے رہتے جب تک طلوع صبح کے ساتھ ان دونوں دھاگوں کے رنگ ایک دوسرے سے واضح نہ ہو جاتے پس جب (من الفجر) کی قید نازل ہوئی تو صحابہ نے جان لیا کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ جب رات کے اختتام کے بعد طلوع صادق کا وقت ہو جائے تو روزہ کا وقت عین اسی وقت شروع ہوتا ہے۔

پس یہ آیت مبارکہ استعارہ کی مثال ہے اور استعارہ یہ مجاز کی ایک قسم ہے اور چونکہ اس آیت نے صحابہ کے لیے اشکال پیدا کر دیا تھا اس سے پتہ چلا کہ مجاز بھی مشکل القرآن میں شامل ہے اور صحیح تاویل اور تعبیر کا محتاج ہے۔ پس جب (من الفجر) کے الفاظ نازل ہوئے تو اشکال ختم ہو گیا اور صحابہ کے لیے کلام واضح ہو گیا۔

۷۔ **التفات:** اس اصطلاح کی تعریف ''الاتقان'' میں اس طرح سے بیان کی گئی ہے:

''نقل الکلام من أسلوب الی آخر، أعنی: من المتکلم أو الخطاب أو الغیبة الی آخر منها بعد التعبیر بالأول وھذا ھو المشھور'' (۴۵)

ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف کلام کو نقل کر دینا یعنی اسلوب اول کے ساتھ تعبیر کرنے کے بعد واسلوب سے مراد تکلم، خطاب یا غیبت وغیرہ انہیں میں سے ایک کو کسی دوسرے کی طرف نقل کرنا التفات کہلاتا ہے اس التفات کے کئی فوائد ہیں جو کتب بلاغہ میں مذکور ہیں۔ علامہ زرکشی نے ''برھان'' اور علامہ سیوطی نے ''اتقان'' میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

کبھی تکلم سے غیبت کے اسلوب کی طرف، کبھی تکلم سے خطاب کے اسلوب کی طرف، کبھی خطاب سے تکلم کے اسلوب کی طرف التفات کیا جاتا ہے۔

اس اسلوب کے بارے میں اکثر مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس التفات کی وجہ کیا ہے اور اس کی حکمت کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بھی آیات قرآنیہ میں اشکال کا سبب بنتا ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

اس کی مثال سورۃ فاتحہ کی یہ آیت ہے:

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ‏ (الفاتحہ ۱:۵)

اس آیت سے پہلے سارا اسلوب غائب کے صیغہ کے ساتھ تھا پھر اس آیت سے غیبت سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے:

وَمَا لِيَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ‏ (یس ۳۶:۲۲)

یہاں ومالی، اعبد اور فطرنی یہ متکلم کے صیغے ہیں یہاں کلام کو تکلم سے خطاب کی طرف ملتفت کیا گیا ہے۔ اصل میں یہ آیت اس طرح ہونی تھی (والیہ أرجع) یہاں پر علامہ سیوطی

اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''أنه خرج الكلام فی معرض مناصحته لنفسه وهو یرید نصح قومه. تلطفا واعلاما انه یرید لهم ما یرید لنفسه. ثم التفت الیهم لکونه فی مقام تخویفهم ودعوتهم الی الله تعالیٰ: كذا جعلوا هذه الآية من الالتفات'' (۴۶)

یعنی اس کا نکتہ یہ ہے کہ متکلم نے خود سے نصیحت کرنے کے معرض میں کلام شروع کیا اور اس کی مراد یہ تھی کہ اپنی قوم کو نصیحت کرے مگر اس طرح مہربانی کے انداز سے اور یہ بتا کر کہ وہ جو کچھ اپنے واسطے چاہتا ہے وہی ان کے لیے بھی پسند کرتا ہے اور پھر اس وجہ سے کہ وہ (متکلم) ان کو (اپنی قوم والوں کو) عذاب الٰہی سے خوف دلانے اور انہیں اللہ کی طرف بلانے کے مقام میں تھا لہذا وہ ان کی جانب ملتفت ہو گیا۔ اس آیت کو یوں التفات کی قسم سے قرار دیا ہے۔ مزید التفات کی حکمتوں سے واقفیت کے لیے علوم بلاغہ اور علوم القرآن کی کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے یہاں طوالت کے خوف کی وجہ سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

۸۔ اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر کا لانا اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا لانا

کلام کا عمومی اسلوب یہ ہے کہ کلام میں اسم ظاہر کو ذکر کیا جائے لیکن بعض اوقات کچھ ایسے اسباب پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اسم ظاہر کی بجائے اسم ضمیر کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات کلام میں کوئی جگہ اسم ضمیر کے آنے کی ہوتی ہے اور سامع ضمیر کا منتظر ہوتا ہے لیکن وہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو کسی خاص غرض کی وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پس اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لانا اور اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر کو لانے کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں لیکن یہاں طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا جا سکتا ان اسباب کو بلاغت کی کتابیں دیکھنے سے جانا جا سکتا ہے۔

یہاں اس بات کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مفسرین کے ہاں یہ بات بھی اشکال کا باعث

بنتی ہے کہ یہاں اضمار کی جگہ اظہار کرنا یا اظہار کی جگہ اضمار کرنا اس کی کیا حکمت یا سبب ہے۔

اس کی مثال سورۃ انبیاء کی درج ذیل آیت ہے:

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ (الانبیاء۲۱:۹۵)

اس آیت مبارکہ میں اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر کو لایا گیا ہے جس سے مفہوم سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی ہے اور امام نحاس فرماتے ہیں: ''والآیة مشکلة'' (۴۷)

اس آیت کی تفسیر ذکر کرتے ہوئے امام شوکانی لکھتے ہیں:

''وقیل: حرام: أی ممتنع رجوعهم الی التوبة علی أن ''لا'' زائدة. قال النحاس: والآیة مشکلة. ومن أحسن ما قیل فیها وأجله ما رواه ابن عیینة وابن علیة وهیثم وابن ادریس ومحمد بن فضیل وسلیم بن حبان ومعلی عن داود بن أبي هند عن عکرمة عن ابن عباس فی معنی الآیة قال: واجب أنهم لا یرجعون. أی لا یتوبون۔

قال الزجاج وابو علی الفارسی. ان فی الکلام اضماراً ای وحرام علی قریة حکمنا باستئصالها. أو بالختم علی قلوب أهلها أن یتقبل منهم عمل. لأنهم لا یرجعون. ای: لا یتوبون'' (۴۸)

اور کہا یہاں حرام سے مراد یہ ہے کہ ان کا توبہ کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے اور یہاں پر ''لا'' زائدہ ہے۔ امام نحاس کہتے ہیں: یہ آیت مشکل ہے اور اس کی وضاحت میں سب سے اچھی بات جو اس بارے میں کہی گئی وہ ہے جس کو روایت کیا ہے ابن عیینہ، ابن علیہ، ھیثم، ابن ادریس، محمد بن فضل، سلیم بن حیان، معلّٰی، داؤد بن ابی ہند سے اور وہ روایت کرتے ہیں عکرمہ سے اور عکرمہ

روایت کرتے ہیں ابن عباس سے اس آیت کے معنی میں ابن عباسؓ کہتے ہیں: یہ واجب ہے کہ وہ نہ لوٹیں یعنی توبہ نہیں کریں گے۔

امام زجاج، ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ یہاں کلام میں اضمار کیا گیا ہے اصل عبارت اس طرح تھی ''اس بستی پر جس کی تباہی کا ہم نے حکم دیا تھا، یا جس بستی والوں کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی حرام ہے کہ ان کا کوئی عمل قبول کیا جائے اس لیے کہ وہ نہیں لوٹیں گے یعنی وہ توبہ نہیں کریں گے۔

اس کی ایک اور مثال ابن تیمیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ پس وہ سورۃ بقرہ کی اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ

(البقرہ۲:۲۱۷)

''فان قيل: فما الفائدة فى اعادة ذكر القتال بلفظ الظاهر. وهلا اكتفى بضميره. فقال هو كبير؟ وانت اذا قلت سالته عن زيد: هو فى الدار؟ كان أوجز من أن تقول: ازيد فى الدار؟

قيل: فى اعادته بلفظ الظاهر بلاغة بديعة. وهو تعليق الحكم الخبرى باسم القتال فيه عموماً. ولو اتى بالمضمر فقال: هو كبير. لتوهم اختصاص الحكم بذلك القتال المسئول عنه. وليس الامر كذلك. وانما هو عام فى كل قتال وقع فى شهر حرام''(۴۹)

اگر یہاں کہا جائے کہ یہاں لفظ قتال اسم ظاہر کا دومرتبہ استعمال کیوں کیا گیا ہے اور اس کی جگہ ضمیر لانے پر اکتفا کیوں نہیں کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے فرمادیتے ''ھو کبیر'' جب تم کہتے ہو میں نے زید کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ گھر میں ہے؟ اس طرح کہنا بھی کافی ہوجاتا بجائے اس سے کہ تم یوں کہو: کیا زید گھر میں ہے؟

پس اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں اس ظاہر کے ساتھ قتال کا ذکر کرنا یہ بلاغت کی اعلیٰ مثال ہے کہ یہاں پر قتال کے اسم کے ساتھ حکم خبری کو معلق کرنے میں عموم پایا جارہا ہے اگر اس قتال کی جگہ ضمیر لائی جاتی اور کہا جاتا ''ہو کبیر'' تو حکم کے خاص ہونے کا وہم پیدا ہوتا اور مطلب یہ ہوتا کہ جس قتال کے متعلق سوال کیا جارہا ہے پس وہ ہی حرام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حکم عام ہے ہر وہ قتال جو حرمت والے مہینوں میں واقع ہوگا وہ حرام ہوگا۔ پس یہ اسلوب قرآن میں جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہو اس کے وہاں مختلف مقاصد اور حکمتیں ہوتی ہیں جو کتب تفسیر میں مراجعت کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں ہر ہر جگہ کی یہاں وضاحت کرنا ممکن نہیں ہے۔

۹۔ انتشار ضمائر:

عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جہاں پر اسم ضمیر لایا جائے وہاں کلام کے اندر ضمیر سے پہلے اس کے مرجع کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اب یہ عام ہے چاہے وہ مرجع (جس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے) لفظاً موجود ہو یا حکماً موجود ہو۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اسم ضمیر سے پہلے کئی اسمائے ظاہرہ موجود ہوتے ہیں لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ ضمیر کو کس اسم ظاہر کی طرف لوٹانا ہے اس میں اکثر مفسرین کا آپس میں اختلاف بھی پیدا ہوا ہے اور یہ انتشار ضمائر بھی اشکال کا سبب بنا ہے اس کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً علامہ سیوطی نے اس کی مثال اس طرح ذکر کی ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (الفاطر ۳۵:۱۰)

''يحتمل عود ضمير الفاعل فى (يرفعه) الى ما عاد عليه ضمير (اليه) وهو الله. ويحتمل عوده الى العمل.

والمعنى: أن العمل الصالح هو الذى يرفع الكلم الطيب ويحتمل عوده الى الكلم الطيب. وهو التوحيد. يرفع العمل الصالح. لانه لا يصح العمل الا مع الايمان''

(۵۰)

آیت کا ترجمہ یہ ہے ''پاکیزہ کلمات اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح ان کو بلند کرتا ہے''۔

اس آیت میں یرفعہ کی ضمیر فاعل اسی جانب لوٹتی ہے۔ جس طرح الیہ کی ضمیر۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کا مرجع اللہ کا لفظ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر العمل کی طرف لوٹتی ہو اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ کلمہ طیبہ یعنی توحید عمل صالح کو بلند کرتی ہے اس لیے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا۔ پس اس مثال سے واضح ہوا کہ ضمیر کا مرجع واضح نہ ہونے کی بناء پر آیت کے اندر کئی تاویلات کا احتمال پیدا ہو گیا اور ایک معنی کی تعیین مشکل ہو گئی۔ اسی وجہ سے انتشار ضمائر اشکال قرآنی کا باعث ہے۔

۱۰۔ حصر:

حصر کی تعریف ''الاتقان'' میں اس طرح ذکر ہوئی ہے۔

''ھو تخصیص أمر بآخر بطریق مخصوص. ویقال أیضاً: اثبات الحکم للمذکور ونفیه مما عداہ'' (۵۱)

یعنی مخصوص طریق سے کسی امر کو کسی امر کے ساتھ خاص کرنا یا کسی امر کے لیے کوئی حکم ثابت کرنا اور اس کے ماسوا سے اس حکم کی نفی کرنا حصر کہلاتا ہے۔

اور حصر کو قصر یا اختصاص بھی کہا جاتا ہے۔

حصر کی بہت سی انواع اور اسباب ہیں جو کتب بلاغہ میں موجود ہیں وہاں اس کی تفصیل کے لیے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (۵۲)

علامہ زرکشی اپنی کتاب البرہان میں فرماتے ہیں:

''وما استشکلوہ فقوله تعالی (وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَھُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾) (الکھف ۱۸: ۵۵) فانه یدل

علی حصر المانع من الایمان فی أحد هذین الشیئین،
وقد قال الله تعالی فی الآیة الاخری: (وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾)
(الاسراء ۱۷: ۹۴)

فهذا حصر ثالث فی غیرها'' (۵۳)

مفسرین کے لیے اللہ کا یہ قول اشکال کا باعث بنا (لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا) اس لیے کہ اس آیت مبارکہ میں حصر واقع ہوا ہے وہ اس طرح کہ ایمان سے روکنے والی چیز آیت میں بیان کردہ دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہے اور ایک دوسری آیت میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں (نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لائیں جب ان کے پاس آئی ہدایت سوائے اس بات کہ کہ وہ کہیں کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے) پس اس آیت میں ایمان سے روکنے والی ایک تیسری چیز کو حصر کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہ پہلی دو چیزوں کے علاوہ ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ شنقیطی نے ذکر کیا ہے:

''ووجه الجمع أن الحصر فی آیة الاسراء حصر فی المانع العادي. والحصر فی آیة الکهف فی المانع الحقیقی. وأیضاحه: هو ما ذکره ابن عبد السلام من أن معنی آیة الکهف. {وما منع الناس ان یومنوا} ــــــ الا ان الله اراد أن یاتیهم سنة الاولین من انواع الهلاك فی الدنیا، أو یاتیهم العذاب قبلا فی الآخره) فاخبر انه اراد ان یصیبهم أحد الأمرین. ولا شك أن ارادة الله مانعة من وقوع ماینافی مراده. فهذا حصر فی المانع الحقیقی. لان

الله هو المانع فى الحقيقة۝

ومعنى آية {سبحان الذى اسرى بعبده} أنه ما منع الناس من الايمان الا استغرابهم أن الله يبعث رسولا من البشر. واستغرابهم لذلك ليس مانعا حقيقيا. بل عادياً يجوز تخلفه فيوجد الايمان معه. بخلاف الأول فهو حقيقي لا يمكن تخلفه ولا وجود الايمان معه'' (۵۴)

ترجمہ: دونوں آیات میں جمع کی یہ صورت ہے کہ سورہ الاسراء کی آیت میں حصر مانع مجازی کے اندر ہے اور سورۃ کہف کی آیت میں حصر مانع حقیقی میں ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو کہ ابن عبدالسلام نے ذکر کی ہے کہ سورۃ کہف کا معنی یہ ہے لوگوں کو ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اللہ کے ارادے نے کہ ان پر پہلوں کی مانند دنیا میں ہلاکت کی انواع میں سے کوئی ایک نوع واقع ہو یا ان پر آخرت میں عذاب متوجہ ہو۔ پس یہاں خبر دی گئی ہے کہ اللہ کا ارادہ ان دو امور میں سے کسی ایک کا ان پر واقع کرنے کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا ارادہ اس کی مراد کے خلاف واقع ہونے سے مانع ہے۔ پس یہاں مانع حقیقی کے اندر حصر قائم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ ہی خود حقیقت میں مانع ہے اور (سبحان الذی اسری) سورۃ میں آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو ایمان سے ان کی حیرت نے روکا تھا کہ اللہ نے ایک بشر کو کیسے رسول بنا کر بھیجا اور ان کا تعجب یہ مانع حقیقی (ایمان سے روکنے والا حقیقی سبب) نہیں ہے بلکہ ایک عام بات ہے کیونکہ ایمان اس استغراب کے ساتھ بھی پایا جا سکتا ہے۔ بخلاف اول کے کہ اس کا چھوڑنا ممکن نہیں اور نہ ہی ایمان اس مانع حقیقی (جو کہ اللہ کا ارادہ ہے) کے ساتھ پایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱)　فراہیدی، خلیل احمد (م ۱۷۰ھ)، کتاب العین: ۲/۴۱۱، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۸ھ

(۲)　زمخشری، جار اللہ، أساس البلاغہ: ۲۲۲، دار المعرفہ، بیروت، س۔ن

(۳)　حاجی خلیفہ، کاتب جلپی، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون: ۲/۱۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ

(۴)　ابوعبیدہ، معمر بن مثنی، مجاز القرآن: ۱/۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ط ۲، ۱۴۰۱ھ

(۵)　البرھان فی علوم القرآن: ۱/۲۹۱۔ ۲۹۲

(۶)　البرھان فی علوم القرآن: ۱/۲۹۱۔ ۲۹۲

(۷)　البرھان فی علوم القرآن: ۱/۲۹۱۔ ۲۹۲

(۸)　رافعی، مصطفی، تاریخ آداب العرب: ۲/۷۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ط ۴، ۱۳۹۴ھ

(۹)　مجموع الفتاویٰ: ۱۷/۴۰۰

(۱۰)　طوفی، سلیمان، الاکسیر فی علم التفسیر: ۱۸۹، دار الاوزاعی، بیروت، ۱۴۰۹ھ

(۱۱)　مجموع الفتاویٰ: ۳۱/۱۶۲

(۱۲)　جامع البیان: ۱۳/۶۶

(۱۳)　مجموع الفتاویٰ: ۱۶/۲۱۸

(۱۴)　الاتقان: ۲/۲۵

(۱۵)　مجموع الفتاویٰ: ۱۶/۷۴، ۷۵

(۱۶)　الاتقان: ۲/۱۰۵

(۱۷)　رمّانی، ابو الحسن علی بن عیسیٰ (م ۳۸۴ھ)، النکت فی اعجاز القرآن: ۷۶،

مکتبہ مؤید، ریاض، ۱۴۱۲ھ

(۱۸) الاتقان: ۲/۱۰۶

(۱۹) تفسیر کبیر: ۵/۴۸

(۲۰) النکت فی اعجاز القرآن: ۷۷

(۲۱) ابن عاشور، التحریر والتنویر: ۱/۱۲۱، مکتبہ ابن تیمیہ عن الدار التونسیہ للنشر، س-ن

(۲۲) حنفی بیگ ناصف، محمد بك دیاب، سلطان آفندی، مصطفی طموم المالکی، دروس البلاغة: ۷۸، مکتبہ شرکت علمیہ بیرون، لوہر گیت، ملتان، س-ن

(۲۳) الاتقان: ۲/۱۲۶

(۲۴) أیضاً

(۲۵) تفسیر کبیر: ۴/۱۲۵

(۲۶) تفسیر قرطبی: ۲/۱۶۸

(۲۷) تفسیر ابن کثیر: ۲۲۰-۲۲۱

(۲۸) الاتقان: ۱/۱۳۳

(۲۹) الاتقان: ۲/۱۳۳ تا ۱۳۴

(۳۰) الاتقان: ۲/۹۳

(۳۱) محمد سلیمان الاشقر، ڈاکٹر، معجم علوم اللغة العربیہ: ۲۲۱، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۳ھ

(۳۲) الفوز الکبیر: ۷۴

(۳۳) الاتقان: ۲/۹۳

(۳۴) شنقیطی، محمد امین، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: ۵/۱۳-۱۴، عالم الکتب، بیروت، س-ن

(۳۵) الاتقان: ۲/۹۵

(۳۶) تاویل مشکل القرآن: ۱۶۳

(۳۷) الفوز الکبیر، ۷۵

(۳۸) أیضاً

(۳۹) الفوز الکبیر: ۷۶

(۴۰) الفوز الکبیر: ۷۵

(۴۱) الفوز الکبیر: ۷۵

(۴۲) مفاتیح الغیب: ۳۰/۸۳

(۴۳) بدائع الفوائد: ۴/۲۰۵

(۴۴) الفوز الکبیر: ۷۶

(۴۵) الاتقان: ۲/۱۶۵

(۴۶) الاتقان: ۲/۱۶۶

(۴۷) نحاس، اعراب القرآن: ۳/۷۹، دار الکتاب المصری، ط۴، ۱۴۲۰ھ

(۴۸) شوکانی، فتح القدیر: ۳/۵۸۲، دار الوفاء، ط۲، ۱۴۱۸ھ

(۴۹) مجموع الفتاویٰ: ۱۴/۸۸۔۸۹

(۵۰) الاتقان: ۲/۳۶

(۵۱) الاتقان: ۲/۹۷

(۵۲) مثلاً ملاحظہ فرمائیے، البرھان: ۲/۱۹۲۔ ۱۹۳

(۵۳) البرھان فی علوم القرآن، ۲/۱۹۲۔ ۱۹۳

(۵۴) دفع ایھام الاضطراب: ۱۸۷

فصل سوم:۔ مشکلات القرآن کے حل کے بنیادی اصول

آیات قرآنیہ میں جب اشکال پیدا ہوجائے تو درج ذیل طریقوں سے مفسرین اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ اشکال کی وجہ تلاش کرنا

۲۔ سبب نزول کی معرفت

۳۔ رفع اشکال میں قرآن کے اسلوب سے واقفیت

۴۔ متشابہ بمعنی مشکل آیات کو محکم آیات کی طرف لوٹانا

۵۔ ایک موضوع کی تمام آیات کو اکٹھا کرنا

۶۔ سیاق آیات پر غور وفکر

۷۔ صحیح احادیث کی جستجو

۸۔ مفسرین کے اقوال میں تطبیق یا ترجیح کرنا

۹۔ نسخ

۱۰۔ توقف

ان طرق کی مختصر وضاحت مع امثلہ درج ذیل ہے۔

۱۔اشکال کی وجہ تلاش کرنا:۔

ایک مفسر کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اُس سبب سے واقف ہو جس کی وجہ سے کوئی بھی آیت مشکل واقع ہوتی ہے۔ وہ اس سبب میں تحری کرے جب اُس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ آیت مشکل آیات میں داخل ہے تو پھر وہ شخص ایسا طریقہ تلاش کرے جس سے وہ اشکال دور ہو جائے۔

اس لیے کہ بعض اشکال ایسے ہیں جو سرے سے وارد ہی نہیں ہوتے البتہ لوگ خود سے اُن اشکالات کو پیدا کر لیتے ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو اپنے باطل عقائد اور غلط احکامات کو قرآن سے ثابت

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز واضح اور محکم آیات کو مشکل ٹھہراتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آیات قرآنیہ کو اپنے نظریات پر پیش کر کے اسکے مطابق معنی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے نظریات وعقائد کو آیات قرآنیہ پر پیش کیا جائے اگر تو وہ اسکے موافق ہوں تو فبھا ورنہ مخالف ہونے کی صورت میں اُن نظریات کو چھوڑ دیا جائے۔ ایسا اشکال مردود ہے اور اِن افراد کا حکم وہی ہے جو کہ متشابہ بالمعنی کی باطل تاویل کرنے والوں کے متعلق سورۃ آل عمران میں وارد ہوا ہے۔ اگر اکثر ایسے مفسرین کے کلام پر غور کیا جائے جو مشکل آیات کے حوالے سے اُن سے منقول ہے تو اُن سب کے کلام میں ایک مشترک اور غالب چیز آیت کے اندر پیدا ہونے والی مشکل کے سبب کا بیان ہے۔ بہت کم ہی ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اس طریقہ کو چھوڑا ہے۔ اکثر مفسرین ذکر کر دیتے ہیں کہ یہاں اشکال کا سبب غرابت لفظ ہے، یا تقدیم وتاخیر ہے۔ یا اعراب کے لحاظ سے یہ آیت مشکل ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس مشکل آیت کے حوالے سے مفسرین درج ذیل طریقہ کار کو اختیار کرتے ہیں۔

۱۔ کسی نص یا نص کے قائم مقام کے حوالے سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں کہ یہ آیت مشکل ہے۔

۲۔ اشکال کی انواع میں سے کسی نوع کا ذکر کرتے ہیں۔

۳۔ اشکال کی وجہ تلاش کرتے ہیں نیز یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس اشکال کا تعلق اِس آیت کے مماثل دوسری آیات سے بھی ہے یا نہیں؟

۴۔ پھر اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض مفسرین اس طریقہ کار میں سے کسی ایک چیز کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی جگہ پر قاری کو مزید غور وفکر اور باریک بینی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ اشکال کا سبب جان لے نیز اسکے لیے اُسے بہت سی تفاسیر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کہ جو سبب اُس نے جانا ہے کیا دوسرے مفسرین کی طرف سے بھی اُسکی تائید ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

اشکال کا سبب جاننے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بات مفسر کو کتاب اللہ کے صحیح مفہوم

تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے اسکا جواب اُس شخص جیسا نہیں ہوسکتا ہے جو کہ سوال کی اصل یا مسئلہ کی حقیقت کو اچھی طرح جان کر اور سمجھ کر جواب دے۔

نیز جو مفسر آیات قرآنیہ میں پیدا ہونے والی مشکل کے سبب سے اچھی طرح واقف ہوگا۔ تو وہ مختلف تفاسیر میں مفسرین کی طرف سے اُس آیت کے متعلق بیان کردہ اقوال یا جوابات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے قابل ہوسکے گا یا اُن میں جمع کی صورت پیدا کرسکے گا۔

پس مفسرین کے منہج پر غور وفکر کرنے والا اشکال کے سبب کی تلاش کی اہمیت کو جان جائے گا۔(۱) نیز دوسرے علوم میں بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً فقہاء کسی بھی فقہی مسئلہ میں اختلاف کے اصل محل کو سب سے پہلے تلاش کرتے ہیں۔

۲:۔سبب نزول کی معرفت:

اہل علم ذکر کرتے ہیں کہ سبب نزول کی معرفت، یہ آیت قرآنی کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''ومعرفة سبب النزول يعُين على فهم الآية. فانّ العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب۔'' (۲)

یعنی سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔

اکثر اہل علم ذکر کرتے ہیں کہ سبب نزول کے جاننے سے قرآن کی آیات پر وارد ہونے والے اشکالات کو زائل کیا جاسکتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''زعم زاعم أنّه لا طائل تحت هذا الفن۔يعنى معرفة أسباب النزول ۔لجريانه مجرى التاريخ.وأخطأ فى ذلك.بل له فوائد ۔۔۔ومنها:الوقوف على المعنى وازالة

الاشکال۔''(۳)

علامہ فرماتے ہیں کہ کسی نے یہ کہا ہے کہ اِس فن سے بجز اِسکے کوئی فائدہ نہیں کہ قرآن تاریخ بن سکے۔ مگر یہ قائل کی غلطی ہے کیونکہ اس فن میں بہت سے اعلیٰ درجہ کے فائدے پائے جاتے ہیں۔

اسکے بعد علامہ سیوطیؒ اُن فوائد کو ذکر کرتے ہیں اُن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ سبب نزول کی معرفت سے آیات کے معانی منکشف ہو جاتے ہیں اور اُن کے سمجھنے میں اُلجھن نہیں پڑتی ہے۔

سبب نزول کی معرفت سے اشکال کے زائل ہونے کی علامہ سیوطیؒ نے کچھ مثالیں ذکر کیں ہیں اُن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امثلہ:

ا: عثمان بن مظعونؓ اور عمرو بن معدیکربؓ کے متعلق حکایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ دونوں کہا کرتے تھے کہ شراب مباح ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بطور دلیل پیش کرتے تھے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا

(المائدہ۵: ۹۳)

''اُن لوگوں پر کچھ گناہ نہیں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ اس بارے میں جو وہ کھا پی چکے''۔

اس کے متعلق امام سیوطی لکھتے ہیں:

''ولو علما سبب نزولها لم يقولا ذلك، وهو أنّ ناسًا قالوا لمّا حُرّمت الخمر: كيف بمن قتلو فى سبيل الله وماتوا وكانوا يشربون الخمر وهى رجس؟ فنزلت۔'' (۴)

اگر اِن دونوں حضرات کو اس آیت کا سبب نزول معلوم ہوتا تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے اور

اس آیت کا باعث نزول یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے کے وقت کہا ''ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو شراب کو باوجود نجس ہونے کے پیا کرتے تھے اور اب وہ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے مارے جا چکے یا طبعی موت سے مر گئے ہیں چنانچہ اُن لوگوں کی تسکین کی خاطر کے لیے اس آیت کا نزول ہوا تھا۔

۲:۔اللہ کے اس قول میں (فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ) (البقرہ ۲:۱۱۵)

''فاناّ لو تُركنا مدلول اللفظ لا منتقضى أن المصلّى لا يجب عليه استقبال القبلة سفراً ولا حضرًا. وهو خلاف الاجماع. فلما عرف سبب نزولها علم أنّها فى نافلة السفر. أوفيمن صلّى بالاجتهاد وبان له الخطأ. على اختلاف الروايات فى ذلك'' (۵)

اگر ہم اُس کو لفظ کے مدلول پر ہی چھوڑ دیں تو اس کا مقتضی یہ ہوگا کہ نماز پڑھنے والے پر فر اور حضر کی حالت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا واجب ہی نہیں اور یہ بات اجماع کے خلاف ہے پھر جب اسکا سبب نزول معلوم ہوا تو پتہ لگا کہ یہ حکم باختلافِ روایات سفر کی نفل نمازوں کے رے میں یا اُس شخص کے بارے میں ہے۔ جس نے سمت قبلہ نا معلوم ہونے کے باعث اپنی نماز ھ لی۔

:۔''ومن ذلك: قوله: (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ) (البقرہ ۲:۱۵۸)

فانّ ظاهر لفظها لا يقتضى أنّ السّعىَ فرض وقد ذهب بعضهم الى عدم فرضيته تمسُّكاً بذلك. وقد ردّت عائشه على عروة فى فهمه ذلك بسبب نزولها. وهو أنّ الصّحابة تأثّموا من السّعى بينهما لأنّهٗ من عمل الجاهليّة. فنزلت'' (٦)

اس ارشاد مبارکہ کے ظاہر لفظ سے سعی (دوڑنے) کا فرض ہونا معلوم نہیں ہوتا ہے اسلیے بعض علماء اس کے فرض نہ ہونے کے قائل ہو گئے اور اس آیت سے انہوں نے تمسک کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے عروہؒ کے آیات کو اس طرح سمجھنے کی تردید کرنے کے لیے اس آیت کا سبب نزول ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ صحابہ نے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو زمانہ جاہلیت کا فعل سمجھ کر تصور کیا کہ اگر ہم اِسکے مرتکب ہوئے تو گنہگار ہوں گے تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۔متشابہ بمعنی مشکل آیات کو محکم آیات پر لوٹانا:

قرآن کے سلسلے میں ایک مومن کے لیے یہ واجب ہے کہ جو چیز اُس پر واضح ہو اُس پر عمل کرے اور جو اُسکے لیے مشتبہ ہو اُس پر ایمان لائے اور متشابہ آیات کو محکم آیات کی طرف لوٹائے تاکہ مفہوم واضح ہو جائے نیز وہ محکم آیات جو متشابہ کی تفسیر بیان کر رہی ہیں اور اُن کی مجہول باتوں کو کھول رہی ہیں اُن کو دلیل بنائے۔ اس طرح محکم آیات کے ذریعہ اُس کی وضاحت ہو جائے گی پس اسطرح نصوص قرانیہ نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ موافق ہو جائیں گی بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق بھی کریں گی کہ یہ سب کچھ (محکم اور متشابہ آیات) اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو کلام اللہ کی طرف سے ہو اُس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا۔ پس اختلاف تو غیر اللہ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا آیات قرآنیہ میں تعامل کا یہ ہی طریقہ تھا اور اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اِسی اصول پر دلالت کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران ۳:۷)

''یعنی اللہ تعالی وہ ذات ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی اس میں

بعض آیتیں محکم ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں فتنہ کی غرض سے اور اُسکی تاویل تلاش کرنے کے لیے اور اِن (متشابہ آیات) کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اِن (متشابہ) آیات پر ایمان لائے یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت ارشاد فرمارہے ہیں کہ محکم آیات ہی کتاب اللہ کا اصل ہیں۔ یعنی یہ آیات اپنے مفہوم پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔لوگوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی انکے بارے میں التباس پیدا نہیں ہوتا۔اور دوسری متشابہ آیات میں بہت سے لوگوں یا بعض لوگوں کو اُن کے مفہوم کے بارے میں اشتباہ ہوتا ہے۔

پس جو شخص ان متشابہ آیات کو واضح آیات کی طرف لوٹائے اور محکم آیات کا حکم اِن پر لگائے تو وہ ہی ہدایت پائے گا جو اُس کے برعکس کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

نیز اگر آیات کا مفہوم سمجھ نہیں آتا تو کسی عالم سے اُسکے متعلق پوچھ لے۔

حسن بصریؒ کا ایک قول سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (البقرہ ۲:۱۲۱)

''وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اُسکی ایسے تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے یہ ہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اِس (قرآن) کا انکار کرتے ہیں۔پس وہ ہی لوگ کافر ہیں''۔

''قال: {يتلونه حق تلاوته} يعملون بمحكمه ويؤمنون بمتشابهه، ويكون ما أشكل عليهم الى عالمه۔'' (۷)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یتلونہ حق تلاوتہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کے محکمات پر عمل

کرتے ہیں اور متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور جو چیز اُن کے لیے اشکال پیدا کرے اُسکو وہ اُسکے جاننے والے کے سپرد کردیتے ہیں۔

۴۔رفع اشکال میں قرآن مجید کے اسلوب سے واقفیت:۔

اللہ رب العزت کے کلام میں جہاں بھی اشکال کا وہم پیدا ہوتا ہے تو وہاں اشکال کو دور بھی کیا جاتا ہے۔اس لیے قرآن خود بہت سی آیات کی تفسیر بیان کرتا ہے اسی لیے مفسرین نے اصول تفسیر میں پہلا ماٗ خذ قرآن کو قرار دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں اگر ایک جگہ آیت مجمل ہے تو دوسری جگہ اس کا بیان آتا ہے۔

اسی ضمن میں ابن القیمؒ فرماتے ہیں:۔

''مراد المتکلم یعلم من:

لفظه المجرد تارة، والمقرون تارة،

ومنه ومن لفظ آخر یفید ان الیقین بمراده تارة

ومنه ومن بیان آخر بالفعل أوالقول یحیل المتکلم علیه تارة،

ولیس فی القرآن خطاب أرید منه العلم بمدلوله الاّوهو

داخل فی هذه الاقسام۔'' (۸)

متکلم کی مراد کبھی تو محض اسی لفظ سے معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی ساتھ والے لفظ (سیاق وسباق) سے۔اور کبھی کسی دوسرے ایسے لفظ سے جو مراد کا یقین دے اور کبھی کسی اور قولی یا فعلی بیان سے متکلم جس کی طرف اپنی مراد کو پھیرے۔قرآن کا وہ کلام جس کے مدلول پر آگہی مقصود ہے وہ ان اقسام میں سے کسی ایک کے تحت داخل ہے۔

یعنی قرآن مجید اِن اشکالات کو حل کرنے کے لیے درج ذیل طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ کار اختیار کرتا ہے۔

امثلہ:۔

ا:۔جب کوئی بصیرت والا شخص قرآن پاک اور سنت مطہرہ کے طریقہ پر غور وفکر کرے گا تو وہ کوئی ایسی

بات پائے گا جو کلام کے ظاہری الفاظ سے پیدا ہونے والے اشکال کے وہم کو دور کرتی ہوگی۔ اور یہ بات قرآن کے سمجھنے میں بڑی لطیف اور پیچیدہ ہے۔

اسکی مثال اللہ رب العزت کا یہ قول مبارکہ ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء۴:۱۶۴)

یعنی اللہ رب العزت نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا۔

اس آیت کو سننے سے ایک وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہاں مجازاً اللہ کے کلام کرنے کی نسبت موسیٰؑ کی طرف کی گئی ہے لیکن آگے ہی اللہ رب العزت (تکلیماً) مصدر لے کر آئے جو تاکیداً ثابت کرتا ہے کہ اللہ کا کلام کرنا حقیقتاً واقع ہوا تھا اس طرح مجاز کا وہم دور ہو جاتا ہے۔

۲: اللہ رب العزت کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ (الاعراف۷:۴۲)

اس آیت کے پہلے جملے امنوا وعملوا الصالحات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید ایمان والے ہر طرح کے نیک اعمال کرتے ہیں چاہے اُن کی طاقت کے مطابق ہوں یا نہ ہوں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے مکلفین پر وہ اعمال بھی واجب ہیں جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے ۔لیکن یہ وہم اِس جملہ معترضہ {لانکلف نفساً الاّ وسعھا} سے زائل ہو گیا جو کہ مبتدا اور خبر کے درمیان واقع ہوا ہے۔

نمبر ۳: اسی طرح اللہ رب العزت کا یہ قول ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ (الانعام۶:۱۵۸)

سورۃ انعام کی اس آیت کا مفہوم اس طرح ہے کہ وہ کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرا رب اُن کے پاس آجائے۔

اس آیت مبارکہ کے پڑھنے سے قاری کو یہ وھم پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہاں اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کے آنے سے مراد اُس کی بعض نشانیوں کا آنا مراد ہے۔لیکن اِسی آیت کے اگلے جملے نے یہ وھم زائل کردیا وہ جملہ اس طرح سے ہے(اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ) (الانعام۶:۱۵۸)پس اس جملہ کے آنے سے واضح ہوگیا کہ یہاں اللہ کا آنا ہی مراد ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا احتمال ممکن نہیں کیونکہ اللہ کی نشانیوں کے آنے کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

پس ان جیسی آیات پر غور وفکر کرنے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ قرآن پاک کا یہ اسلوب ہے کہ اکثر ایسی آیات جن میں کوئی اشکال یا وہم پیدا ہو رہا ہو تو اُسی آیت میں اُس اشکال کو زائل کر دیا جاتا ہے۔

علامہ شنقیطیؒ نے اپنی کتاب ''دفع ایھام الاضطراب''میں اشکالات کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید کا یہ طریقہ استعمال کیا ہے۔اُس کتاب میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔(۹)

اسی طرح شیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی نے اپنی کتاب ''القواعد الحسان لتفسیر القرآن'' میں قرآن پاک کے اس طریقہ کا ذکر کیا ہے نیز اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

''وهذا أعلى أنواع التعليم. فأنهّ لا يبقى اشكالا الِاّ أزاله. ولا احتمالا الا أوضحه. وهذا يدل على عظيم فضل الله وبالغ حكمته. وهو فى القرآن كثيرٌ جدًّا۔'' (۱۰)

یعنی یہ تعلیم کی اعلیٰ قسم میں سے ہے۔پس اسکے ذریعہ ہر طرح کا اشکال دور ہو جاتا ہے اور ہر محتمل بات واضح ہو جاتی ہے اور یہ اسلوب اللہ رب العزت کے عظیم فضل اور بے انتہا حکمت پر دلالت کرتا ہے اور قرآن میں اس طریقہ کو بہت زیادہ اختیار کیا گیا ہے۔

۵۔ایک ہی موضوع کی تمام آیات کو اکٹھا کرنا:۔

یہ طریقہ اشکال کو دور کرنے میں بے حد معاون اور اہم ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ بیان کرتا ہے اگر ایک آیت میں کوئی بات مختصر ذکر کی گئی ہو تو کسی دوسری آیت میں اُسی بات کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہوگا اسی طرح اگر ایک آیت ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ اُس کا بیان موجود ہوگا۔

اشکالات کو دور کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کا یہی منہج اور طریقہ تھا کہ اشکال پیدا ہونے کی صورت میں وہ ایک موضوع کی آیات کو اکٹھا کر کے مفہوم واضح کرتے تھے۔

منہج نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال درج ذیل ہے:

بخاری شریف میں یہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے موجود ہے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

جب سورۃ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام٦:٨٢)

تو ''شقّ ذلك على المسلمين، فقالوا: يا رسول الله، أيّنا لايظلم نفسه؟ قال: ''ليس ذلك، انّما هو الشرك، ألم تسمعوا ما قال لقمان لابنه وهو يعظه: (١١)

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان٣١:١٣)

(کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملوث نہیں کیا) تو مسلمانوں کو یہ آیت بڑی بھاری محسوس ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ: ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو؟ (صحابہ نے یہاں ظلم سے مراد گناہ کو لیا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اِس سے مراد شرک ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا (اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)

پس یہ دونوں آیتیں ظلم کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یہاں پر ایک آیت کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری آیت کے ذریعہ فرمائی اور واضح کر دیا کہ دونوں آیتوں میں ظلم سے مراد شرک ہے۔

منہج صحابہ کی مثال:

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کی تخریج کی ہے:

''حدثنا ابن المثنى قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن سماك بن حرب قال: سمعت خالد بن

عرعرة قال: سمعت عليًا يقول: (وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾) (الطور ۵۲:۵) هو السماء، قال: (وَ جَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّ هُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳۲﴾) (الانبیاء ۲۱:۳۲)''(۱۲)

ہم سے بیان کیا ابن المثنیٰ نے' ابن المثنیٰ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا محمد بن جعفر نے اور محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا شعبہ نے' شعبہ روایت کرتے ہیں سماک بن حرب سے' سماک کہتے ہیں کہ میں نے خالد بن عرعرۃ سے سنا اور خالد کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا (سورۃ طور کی) اس آیت (والسقف المرفوع) یعنی چھت بلند کی ہوئی میں چھت سے مراد آسمان ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا اسکی وضاحت اللہ رب العزت کے اس ارشاد میں ہے (اور ہم نے آسمان کو مضبوط چھت بنایا اور وہ ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں)۔

پس اس مثال میں حضرت علیؓ نے سقف کی وضاحت سورۃ انبیاء کی آیت سے کی کہ اس سے مراد آسمان ہے۔

بعض دفعہ مختلف آیات میں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہوں جن میں بظاہر اشکال کا وھم پیدا ہو رہا ہو اُن کو اگر اکٹھا کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن میں کوئی اشکال نہیں ہے بلکہ اُن آیات میں ایک چیز کی مختلف صورتوں یا مختلف اطوار کا تذکرہ ہوتا ہے جیسا کہ پیدائش آدم سے متعلق آیات اور موسیٰؑ کی لاٹھی سے متعلق قرآن میں مختلف تعبیرات وغیرہ۔

اِن کی مثالیں پہلے تفصیلاً گزر چکی ہیں۔

۴۔ سیاق آیات پر غور وفکر:۔

قرآن پاک کی آیات میں جو اشکال یا مشکل واقع ہو اُس کو دور کرنے کے لیے قرآن کریم کی اُن مشکل آیات کے سیاق وسباق پر غور وفکر اور نتیجہ تک پہنچنا ایک اہم ذریعہ ہے۔ علامہ زرکشی آیات کے سیاق پر غور کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وممایعین علی المعنی عندالاشکال امور ــــــــ

الرابع: دلالة السياق: فانها ترشد الى تبيين المجمل، والقطع بعدم احتمال غيرالمراد، وتخصيص العام، وتقييد المطلق، وتنوع الدلالة، وهو من أعظم القرآئن الدالة على مراد المتكلم، فمن أهمله غلط فی نظيره، وغالط فی مناظراته، وانظرالی قوله تعالی: (ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۞) (الدخان ۴۴:۴۹) كيف تجد سياقه يدل على أنّه الذليل الحقير۔'' (۱۳)

وہ چیزیں جو اشکال کے وقت معنی تک پہنچنے میں مدد دیتی ہیں اُن میں سے چوتھی چیز سیاق کی دلالت ہے کیونکہ سیاق آیات یہ مجمل کی وضاحت، معنی مرادی کے علاوہ دیگر معنوں کے احتمالات کے قطع کرتے، عام کی تخصیص، مطلق کی مقید اور مفہوم کی دلالت کی انواع کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور یہ چیز متکلم کی مراد پر دلالت کرنے پر سب سے بڑا قرینہ ہے۔ جو شخص سیاق آیات کو جان بوجھ کر نظرانداز کرتا ہے وہ ایک جیسی آیات کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتا ہے اور آپس میں مشابہ آیات اُس کو غلطی میں ڈالتی ہیں۔ اس کی مثال اللہ رب العزت کا یہ ارشاد ہے۔ (چکھو تم' تم ہو عزت والے بزرگی والے) اس آیت کے پس منظر کو جانے بغیر یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی کہ متکلم مخاطب کو ذلیل اور حقیر کہہ رہا ہے۔

سیاق کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

''ویراد بالسياق: هوما قبل الآية وما بعدها، فما قبل الكلام أصلا يسمّٰى سباق، وما بعده يسمّٰى لحاق، ومجموعهما يسمّى السياق۔'' (۴۱)

سیاق سے مراد مطلوبہ آیت سے پہلے اور بعد کی آیات ہیں اور جو کلام آیت سے قبل ہو اُس کو ''سباق'' کہتے ہیں اور جو کلام آیت کے بعد آئے اُس ''لحاق'' کہتے ہیں اور اِن دونوں کے

مجموعے کو سیاق کہا جاتا ہے

اور اس طریقہ کو بہت سے مفسرین نے اشکالات کے دور کرنے میں استعمال کیا ہے۔

سیاق کلام سے اشکال دور کرنے کی مثال درج ذیل ہے:

امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ (الصافات ۳۷: ۱۳۹۔۱۴۵)

ان آیات میں یونسؑ کا قصہ مذکور ہے یعنی یونسؑ بھیجے ہوئے لوگوں میں سے تھے، جب بھاگ کر پہنچے بھری کشتی پر، پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے، تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہؑ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، تو لوگوں کے اُٹھائے جانے کے دن تک اُس کے پیٹ میں ہی رہتے، پھر ہم نے انھیں چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اُس وقت بیمار تھے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین کے نزدیک اِس آیت کو {فنبذنه بالعراء وهو سقيم} جو یہاں واقع ہوئی ہے سورۃ قلم کی آیت (لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾) (القلم ۶۸: ۴۹) کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے اس لیے کہ سورۃ قلم کی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یونس علیہ اسلام کو چٹیل میدان میں نہیں ڈالا گیا تھا۔

امام نحاسؒ اس اشکال کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔

أجاب النحاس وغيره: بأنّ الله سبحانه أخبرها هنا أنّه. نبذ بالعرآء وهو ليس مذموم، ولولا رحمته۔

عزوجل○ لنبذ بالعرآء وھو مذموم (۱۵)

اللہ سبحان وتعالی سورۃ قلم کی اس آیت میں یہ خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے یونسؑ کو چٹیل میدان میں ڈالا اِسی حال میں کہ وہ مذموم نہیں تھے۔ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو اُن کو میدان میں ڈالا جاتا اِس حال میں کہ وہ مذموم ہوتے۔

اس مثال سے سیاق کلام کی اہمیت واقع ہوتی ہے کہ یہ اشکال کو دور کرنے میں کتنا معاون ہوتا ہے اور اِسی کے ذریعہ سے معنی کے بیان اور مراد کی معرفت میں مدد ملتی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اشکال دور کرنے کے لیے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

۷۔صحیح احادیث کی جستجو:۔

شریعت اسلامی میں احادیثِ نبویہ کی بڑی اہمیت ہے شریعت کے ماٰخذ میں احادیث نبویہ کا دوسرا درجہ ہے۔ مفسرین نے بھی قرآن کی تفسیر کا دوسرا ماٰخذ احادیث رسول ﷺ کو قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ احادیث مبارکہ قرآن پاک کی تشریح اور وضاحت ہیں اور آیات قرانیہ میں پیدا ہونے والے اشکالات کو دور کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا اور اُن کو اللہ کی طرف سے حکم تھا کہ وہ لوگوں پر اسکا مفہوم واضح کریں اس اعتبار سے آپ علیہ السلام پہلے شارح قرآن ہیں آیت مبارکہ ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل ۱۶:۴۴)

یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اُتارا ہے کہ آپ اسے کھول کھول کر بیان کریں اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''ومما ينبغي أن يُعلم أن القرآن والحديث اذا عرُف تفسيره من جهة النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم لم يُحتجّ فى ذلك أقوال أهل اللّغة''(١٦)

قرآن اور احادیث میں جو چیزیں ماننے کے لائق ہیں جب اُن کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے منقول ہو تو پھر اس کے متعلق اہل لغت کے اقوال حجت نہ ہوں گے۔

اسی طرح علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

''للناظر فی القرآن لطلب التفسیر مآخذ کثیرة أمهاتها أربعة: الاول: النقل عن النبی ﷺ، وهذا هو الطراز الأول، لکن یجب الحذر من الضعیف فیه والموضوع، فانّه کثیر۔'' (۱۷)

قرآن مجید میں اس کی تفسیر معلوم کرنے کے لیے غور وفکر کے بہت سے مآخذ ہیں اُن میں چار مآخذ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں پہلا مآخذ وہ روایات ہیں جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے بچنا واجب ہے کیونکہ یہ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

آئمہ تفسیر نے اشکالات کو دور کرنے کے لیے سب سے پہلے سنت کو معیار بنایا ہے۔

ابن العربیؒ نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں سورۃ الحجر کی اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ (الحجر ۱۵:۸۷)

یعنی ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے۔

یحتمل أن یکون السبع من السور، ویحتمل أن یکون من الآیات، لکن النبی ﷺ قد کشف قناع الاشکال، وأوضح شعاع البیان، ففی الصحیح عند کل فریق ومن کلّ طریق أنّها أم الکتاب، والقرآن العظیم، حثیما تقدّم من قول النبی ﷺ لابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ''هی السبع

المثانی، والقرآن العظیم الّذی اوتیت''
وبعد هذا، فالسبع المثانی کثیر، والکلُّ محتمل، والنصُّ قاطع بالمراد، قاطع بمن أراد التکلیف والعناد، وبعد تفسیر النبیﷺ فلا تفسیر، ولیس للمتعرض الی غیره الاّ النکیر، وقدکان یمکن لولاتفسیر النبیﷺ أن أحرّز فی ذلك مقالاوجیزاً، وأسبك من سنام المعارف ابریزاً،اِلاّ أن الجوهر الأعلی من عند النبیﷺ أولی وأعلی۔'' (۱۸)

ہوسکتا ہے کہ سات سورتیں مراد ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سات آیات مراد ہوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اشکال کو واضح فرمادیا۔علماء کے ہر گروہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد ام الکتاب ہے اور قران عظیم ہے۔جیسا کہ ابی بن کعب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہیں جو مجھے عطا کیے گیے ہیں۔

اب اس قول کے بعد کہ سبع مثانی بہت سی ہیں۔یہ ضد کا احتمال ہوسکتا ہے۔نص کی مراد قطعی ہے۔جو تکلف اور سرکشی کو ختم کر دیتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر کرنے کے بعد کوئی تفسیر ممکن نہیں۔

اگر ایسا ممکن ہوتا کہ تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتی تو میں اس سلسلے میں خاصا کلام جمع کر دیتا اور معلومات کی بلندیوں سے خالص سونا ڈھال دیتا لیکن قیمتی ترین جوہر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے وہ سب سے اعلی وافضل ہے۔

اس مثال سے احادیث نبویہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے اشکال کو دور کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر کو سب سے زیادہ اہم قرار دیا جائے گا اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث کی صحت کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کر لی جائے پس اِس ضمن میں وہ روایات قابل قبول نہ ہوں گی جو ضعیف یا موضوع ہوں اگر چہ وہ آیات میں پیدا ہونے والے اشکالات کو دور بھی کر رہی ہوں۔

۸۔مفسرین کے اقوال میں تطبیق یا ترجیح کرنا:۔

جب احادیث میں جمع اور ترجیح کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مختلف یا متعارض احادیث کو اس طرح جمع کیا جائے کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اُن کے درمیان ترجیح کا عمل ہو جائے۔ کسی ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور ترجیح کے بہت سے طریقے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ راجح روایات پر عمل کیا جائے گا اور مرجوح کو چھوڑ دیا جائے گا۔

لیکن قرآن کی متعارض آیات کو جمع کیا جائے گا اس میں جمع ضروری ہے اور جمع ممکن نہ ہو تو یہاں ترجیح کا عمل ایسا نہیں ہوگا کہ ایک آیت کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جائے بلکہ ترجیح کے عمل کی صورت میں آیات کی تفسیر میں بیان کردہ مفسرین کے اقوال میں ترجیح دی جائے گی اس طرح کہ اقوال راجح کو اختیار کیا جائے گا اور مرجوح قول کو چھوڑ دیا جائے گا۔

پس بہت سے مفسرین نے اپنی جمع بین الآیات کے طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

شیخ محمد بن صالح بن عثیمین فرماتے ہیں:

> ''واذا رأیت ما یوهم التعارض من ذلك فحاول الجمع بینهما، کان لّم یتبینّ لك وجب علیك التوقف وتکل الأمر الی عالمه۔'' (۱۹)

> ''جب تم وہ آیات دیکھو جن میں تعارض کا وہم ہو تو ان کے درمیان جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اور اگر پھر بھی تم پر مطلب واضح نہ ہو تو تمہارے لیے توقف کرنا اور اس کا معاملہ اس کے جاننے والے کے سپرد کرنا واجب ہے''۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی متعارض آیات میں سب سے پہلے جمع کرنا واجب ہے اس کے بعد مفسرین کے اُقوال میں ترجیح کا عمل کیا جائے گا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

''ومن شروط الترجیح التیّ لا بدمن اعتبار ھا أن لا یمکن الجمع بین المتعارضین بوجه مقبول. فان أمکن ذلک تعین المصیر (الیه) ولم یجز المصیر الی الترجیح۔'' (۲۰)

ترجیح کی شرائط میں سے کہ جن کا اعتبار لازمی ہے یہ بھی ہے کہ متعارض معانی کو معقول طور پر جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر جمع کرنا ممکن ہو تو وہی لازمی ہے اور ترجیح کی صورت جائز نہیں رہتی۔

۹۔نسخ:۔

لغت کے اعتبار سے نسخ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ا۔مناہل العرفان میں علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

''أحدھما: ازالة الشئ واعدامه۔ ومنه قولھم نسخت الشمس الظلّ۔ ونسخ الشیب الشباب۔'' (۲۱)

''یعنی پہلا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کا زائل ہوجانا یا معدوم ہوجانا جیسا کہ کہا جاتا ہے ''سورج نے سائے کو زائل کر دیا۔ اور بڑھاپے نے جوانی کو ختم کر دیا۔''

قرآن میں اس کی مثال یہ ہے:

{وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الاّ اذا تمنی القی الشیطان فی اُمنیّته ۝ (فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝) (الحج ۲۲:۵۲)

''ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ھوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا، شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، بس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ دور کر دیتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے

اللہ دانا اور باحکمت ہے''۔

''ولآخر: نقل الشئ وتحویله مع بقائه فی نفسه ------والیه الاشارة بقوله تعالٰی: (اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾)(الجاثیہ ۴۵:۲۹) والمراد به نقل الاعمال الی الصحف، ومن الصحف الی غیرھا۔''(۲۲)

''یعنی کسی چیز کو منتقل کر دینا اور بدل دینا اس طور پر کہ اُس کا وجود باقی رہے اور اللہ رب العزت کا یہ ارشاد اس معنیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے (ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے'')

اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کو صحیفے میں نقل کرنا اور صحیفے سے اُس کے علاوہ میں نقل کرنا۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف:

علامہ زرقانی نے اس طرح ذکر کی ہے:

''رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی۔'' (۲۳)

کسی حکم شرعی کا دلیل شرعی کے ذریعہ اٹھایا جانا۔

اس تعریف میں رفع کی قید سے وہ چیز نقل گئی جس کو اُٹھایا نہ گیا ہو اور وہ قرآن میں باقی ہو مثلاً تخصیص اس لیے کہ اس میں حکم کو اٹھایا نہیں جاتا بلکہ بعض افراد پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

دلیل شرعی کی قید سے دلیل عقلی خارج ہو گئی۔

نسخ کی اہمیت آئمہ کے اس قول سے واضح ہو سکتی ہے جسے علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے:

''لایجوز لأحد أن یفسّر کتاب اللّٰه الاّ بعد أن یعرف منه الناسخ والمنسوخ۔'' (۲۴)

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ کے ناسخ اور منسوخ کو جانے بغیر اُسکی تفسیر کرے۔

نسخ کے متعلق اہم بات یہ ہے کہ یہ اوامر ونواہی میں واقع ہوتا ہے یعنی احکامات میں عقائد

اللہ کی صفات وغیرہ میں نسخ واقع نہیں ہوتا ہے نسخ کے متعلق تفصیلی کلام یعنی اس کی اقسام، انواع، احکامات، نسخ کے طریقے جواز عدم جواز کی بحث وغیرہ بہت سی علوم القرآن کی کتب میں موجود ہے اور ہماری بحث سے خارج ہے قدیم وجدید تمام علماء نے اس موضوع پر تحقیقی اور تجزیاتی کتب لکھی ہیں۔

اس باب میں نسخ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نسخ بھی آیات قرآنیہ میں محسوس ہونے والے تعارض کو دور کرنے کا ایک طریقہ ہے اس موضوع میں نسخ کو اس ترتیب میں نہیں رکھا گیا کہ جب متعارض آیات کے درمیان جمع وترجیح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر وہاں نسخ کو مانا جائے گا بلکہ نسخ کی شرائط کا مکمل طور پر پایا جانا ضروری ہے بصورت دیگر جمع وترجیح کے ناممکن ہونے کی صورت میں توقف کیا جائے گا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

نسخ کی تین اقسام ہیں:

۱۔ نسخ التلاوۃ والحکم: جس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں مثلاً دس قطرے دودھ سے رضاعت کی حرمت کا ثبوت وغیرہ

۲۔ نسخ التلاوۃ وبقاء الحکم: جس کی تلاوت منسوخ ہو اور حکم باقی ہو مثلاً آیت رجم

۳۔ نسخ الحکم وبقاء التلاوۃ: یعنی جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو مگر وہ آیت قرآن میں موجود ہو۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں ''متوفی عنھا زوجھا'' کے متعلق آیت تربّص۔

ہماری اس بحث میں نسخ کی پہلی دو قسمیں شامل نہیں ہیں اس لیے کہ ہماری بحث قرآن کریم میں پائی جانے والی مشکلات کے اسباب اور اُن کے حل سے متعلق ہے پہلی دونوں قسموں میں اُن کی تلاوت اب منسوخ ہونے کی وجہ سے وہ قرآن کی مشکلات میں شامل نہیں ہے ہماری بحث نسخ کی تیسری قسم سے متعلق ہے۔

اس کی مثال قرآن کریم کی سورۃ بقرہ میں موجود ہے مثلاً ابن العربی اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں اللہ رب العزت کے اس ارشاد کے متعلق لکھتے ہیں:

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّۃً لِّاَزۡوَاجِہِمۡ

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

(البقرة ۲:۲۴۰)

یعنی وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں پیچھے چھوڑ دیں تو وہ اپنی بیویوں کے لیے اپنے گھر والوں کو ایک سال کی وصیت کریں پس اگر وہ نکلنا چاہیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے لیے کریں، دستور کے مطابق اللہ غالب حکمت والے ہیں۔

''هذه آية مشكلة وبيانها في ''الاحكام'' والمتعلق بهذا القسم منها أنها منسوخة'' (۲۵)

یہ آیت معنی کے اعتبار سے مشکل ہے اور کتاب الاحکام میں اس کا تفصیلی بیان موجود ہے اور یہ اس قسم سے متعلق ہے اور منسوخ ہے۔ اس آیت میں اشکال اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ یہ آیت اپنے سے پہلی والی آیت کے مخالف ہے حکم کے اعتبار سے باوجود اس کے کہ دونوں آیتوں میں ایک ہی مسئلہ بیان ہوا ہے دوسری آیت بھی سورۃ بقرہ ہی کی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

(البقرة ۲:۲۳۴)

پہلی والی آیت میں وہ عورت جس کا شوہر مر جائے اس کے لیے ایک سال کی وصیت کرنے کا شوہر کو حکم ہو رہا ہے گویا اس کی عدت ایک سال ہوگی اور شوہر کے لیے ایک سال کا سکنیٰ اور نفقہ اُس عورت کے لیے واجب ہوگا۔

جب کہ دوسری آیت میں متوفی عنہا زوجھا کی عدت چار ماہ دس دن ذکر کی جا رہی ہے۔

دونوں آیتوں میں تعارض کا وہم ہوتا ہے پس جمہور علماء ومفسرین جن میں ابن العربی بھی شامل ہیں، اُن کا مذہب یہ ہے کہ پہلی والی آیت (چار ماہ دس دن کی مدت والی آیت) ناسخہ ہے اور دوسری آیت منسوخ ہے۔

ناسخ آیت کے پہلے ذکر ہونے کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ آیت جگہ کے اعتبار سے مقدم ہے لیکن نزول کے اعتبار سے منسوخ آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

پس یہاں نسخ کے ثابت ہونے سے دونوں آیتوں کے مضامین میں جو تعارض پیدا ہو رہا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ توقف:

اس باب میں توقف سے مراد یہ ہے کہ:

''الامتناع الی أمد عن اصدار حکم یرفع به الاشکال الوارد علی معنی الآیة لعدم القبول بهذا الحکم عند المتوقف'' (۲۶)

کچھ مدت کے لیے ایسے حکم صادر کرنے سے رکنا کہ جس سے آیت کے معنی پر ہونے والے اشکال کو دور کیا جا سکتا ہو۔ اس امتناع کی وجہ متوقف کے ہاں اس حکم کو نہ ماننا ہو۔

اس تعریف میں ''الی أمد'' کی قید سے مراد ''الی غایة'' ہے۔

اللہ رب العزت کی آیات میں بغیر علم کے کوئی بات کہنے کی بجائے مفسر کے لیے ایسی آیات میں جن کی مراد واضح نہ ہو توقف کرنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

''وان تعارضت الادلة فی المراد علم أنه قد اشتبه علیه (ای أشکل علیه)، فیومن بمراد الله منها، ولا یتهجّم

علی تعیینه، وینزّله منزلة المجمل قبل تفصیله والمتشابه قبل تبیینه'' (۲۷)

اگر آیت کی مراد سمجھنے کے بارے میں دلیلوں کا تعارض آپڑے اور مفسر جان لے کہ یہ مقام اس پر مشتبہ ہو گیا ہے تو اسے چاہیے کہ جو کچھ بھی خدا تعالیٰ نے اس کلام سے مراد لی ہے اس پر ایمان لے آئے اور اس کے معنی کو متعین کرنے پر دلیری نہ کرے بلکہ اسے بمنزلہ اس کی تفصیل کے قبل ہی مجمل اور اس کی تبیین کے قبل ہی متشابہ ہونے کے تصور کرے۔

پس کلام الٰہی کی مراد واضح نہ ہونے پر توقف اختیار کرنے کا قول کتاب اللہ، سنت نبویہ، آثار صحابہ اور اہل علم کے عمل سے ثابت ہے اور اس پر یہ دلیل ہے:

پس قرآن کی آیات جو توقف پر دلالت کرتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۶)

ترجمہ: ''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۳۳)

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو اعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو

تم جانتے نہیں۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

''القائل فی دین اللّٰہ بالظن. قائل علی اللّٰہ مالم یعلم'' (۲۸)

اللہ رب العزت کے دین کے متعلق ظن کے ساتھ بات کرنے والا اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے والا ہے جس کا اس کو علم نہ ہو۔

بہر حال حدیث میں توقف کی مثال مسلم شریف کی روایت ہے جو کہ شعبہ بن مغیرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں؛

''لما قدمت نجران سألونی. فقالوا! انکم تقرؤون: (یٰٓاُخۡتَ ھٰرُوۡنَ) (مریم۱۹:۲۸) وموسیٰ قبل عیسی بکذا وکذا فلمّا قدمتُ علی رسول اللّٰہ ﷺ سألته عن ذلك فقال انھم کانوا یسمون بأنبیآئھم والصالحین قبلھم'' (۲۹)

جب میں نجران گیا تو وہاں ان لوگوں نے مجھ سے سوال کیا پس انہوں نے اس آیت (یٰٓاُخۡتَ ھٰرُوۡنَ) کے بارے میں کہا کہ موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان مدت دراز کا فاصلہ ہے اس لیے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہارونؑ مریمؑ کے بھائی ہوں جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو میں نے اُن سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام اسلاف صالحین کے نام پر رکھا کرتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ مغیرہؓ سے ایک آیت کے متعلق سوال کیا گیا، ان کو اس آیت میں اشکال پیدا ہوا اور وہ جواب نہیں جانتے تھے پس انہوں نے خود سے کوئی جواب دینے کی بجائے توقف کیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

اُس آیت کے متعلق سوال کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اشکال کا جواب فرمایا اور اُن کے توقف کرنے کو برا نہیں سمجھا۔

پس تفسیر جامع البیان میں امام طبری نے ابن عباسؓ کے توقف کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ایک آدمی نے ابن عباسؓ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جو کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہے اس کے جواب میں ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا:

''هما يومان ذكرهما الله جل وعزا الله أعلم بهما.
وا كره أن أقول فى كتاب الله بما لا أعلم'' (۳۰)

یہ دو دن اللہ رب العزت نے قرآن میں ذکر کیے ہیں ان کی مراد سے اللہ ہی واقف ہیں اور میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ جب بھی انہیں کتاب اللہ کی کسی آیت کے بارے میں اشکال ہوتا تھا تو وہ ابن عباسؓ کو بلواتے تھے اور ان سے کہتے تھے: ''غص غواص'' (۳۱) اے غوطہ خور غوطہ لگاؤ یعنی اس کے معنی تلاش کرو۔

پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آیات اللہ میں توقف کرتے تھے اور اس کے حل کے لیے ابن عباسؓ کو بلواتے تھے۔ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب میں ابن وھب سے روایت کیا ہے کہ:

''سمعت مالكا يقول: ينبغى للعالم أن يألف فيما أشكل عليه قول: لا أدرى فانه عسى أن يهيأله خير قال ابن وهب: وكنت أسمعه كثيرا ما يقول لا أدرى وقال فى موضع آخر: لو كتبنا عن مالك لا أدرى، لملانا الألواح''
(۳۲)

ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا ایک عالم کو چاہیے کہ جس چیز کے متعلق اسے اشکال یا شبہ پیدا ہو تو وہ اس کے متعلق لکھ دے ''میں نہیں جانتا'' امید ہے کہ وہ اس کے لیے بہتر ہوگا۔

ابن وھب کہتے ہیں: میں اکثر امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: ''لا أدری'' میں نہیں جانتا'' ایک اور جگہ ابن وہب کہتے ہیں اگر ہم امام مالک سے ''لا أدری'' کی روایت کو لکھیں گے تو تختیاں بھر جائیں گی۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''وكلام أهل التفسير من الصحابة والتابعين شامل لجميع القرآن، الّا ما قد يشكل على بعضهم فيقف فيه، لا لأنّ أحداً من الناس لا يعلمه، لكن لأنه هو لم يعلمه''
(۳۳)

صحابہ اور تابعین مفسرین کا کلام پورے قرآن کو شامل ہے البتہ اگر کسی جگہ انہیں اشکال پیش آیا تو انہوں نے توقف کیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ خاص فرد اسے نہ سمجھ سکا۔

ابن تیمیہ کے اس قول سے توقف کے متعلق ایک اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ:

توقف کا مطلب یہ ہے کہ ''توقف الی الامد'' نا کہ ''الی الأبد'' یعنی ایک مدت تک توقف کیا جائے ہمیشہ کے لیے توقف اختیار نہیں کیا جائے گا پس ہر وہ شخص جس کو اشکال واقع ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مسلسل مشکل آیت کی وضاحت کی تلاش میں لگا رہے جب تک کہ تحقیق کے ذریعہ وہ اشکال دور نہ ہو جائے اور اس کا ذریعہ اللہ کی کتاب میں تدبر یعنی مسلسل غور وفکر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے لیے تحقیق وتلاش منع ہے یہ حکم صرف متشابہ بلحاظ معنی والی آیات کا ہے نیز توقف کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس مشکل آیت کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔ پس آیت میں پائی جانے والی

مشکل اس کے تدبر اور اس کے مدلول پر عمل کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے پس بالاتفاق صحیح مذہب یہ ہی ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کا معنی نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس ساری بحث سے توقف کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ یہ طریقہ بھی اشکال کو دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

خلاصہ کلام

اس فصل میں مشکل آیات کے حل کے حوالے سے جو دس امور ذکر کیے گئے ہیں یہ کوئی قانون یا کلیہ کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ علوم القرآن اور تفاسیر کی کتب کے مطالعہ سے علماء کا مشکلات القرآن کے حل میں جو منہج اور اسلوب دکھائی دیا اور اس حوالے سے جو ان کے اقوال کتب میں موجود تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دس امور ترتیب سے ذکر کردیئے گئے ہیں۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ ایسی آیات جن کی توجیہات واضح نہ ہوں یا وہ کئی معنوں کا احتمال رکھتی ہوں ان میں مفسر کیلئے درج ذیل باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

☆ مفسر کا صحیح العقیدہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ باطل نظریات کے حامل افراد اور ملحدین قرآن کی ایسی آیات کو ہی نشانہ بناتے ہیں اور ان کی غلط توجیہات سے اپنے باطل نظریات کو ثابت کرتے ہیں جیسا معتزلہ، خوارج، جبریہ، مرجیہ، باطنیہ اور رافضی فرقے یہ سب اپنے باطل نظریات کو قرآن کی آیات سے ہی ثابت کرتے ہیں اور عوام الناس کو مغالطہ دیتے ہیں نیز دھوکے اور فریب کے دام میں پھنسا کر گمراہ کرتے ہیں۔

☆ مشکل آیات کے حل کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کو بنیاد بنائے کیونکہ قرآن خود اپنی تفسیر بیان کرتا ہے اور شریعت اسلامیہ کا پہلا ماٴخذ قرآن مجید ہی ہے لہذا مشکل آیت کی وہ توجیہ قرآن سے تلاش کرے اور قرآن کے طریقہ کار کو اختیار کرے اور کوئی ایسی تاویل نہ کرے جو قرآن کی دوسری آیات کے مفہوم کے خلاف ہو۔

☆ اگر کسی آیت کی وضاحت مفسر کو قرآن مجید سے نہ ملے اور اس موضوع اور مفہوم کی قرآن

میں دوسری آیت تلاش کرنے سے عاجز آجائے تو پھر وہ قرآن مجید کی ایسی آیات کے مفہوم کو سنت صحیحہ سے تلاش کرے کیونکہ سنت (حدیث) رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن کی شارح اور اس کو واضح بنانے والی ہے۔

☆ نیز مفسر اقوال صحابہ کو بھی مشکلات کے حل میں مدنظر رکھے اور کسی بھی متشابہ آیت کی وہ ہی تفسیر بیان کرے جو اقوال صحابہ میں موجود ہو اگر ایسی آیات کی کوئی تاویل یا باہم متعارض محسوس ہونے والی آیات کے تناقض کا حل صحابہ کے اقوال میں اس کو مل جاتا ہے تو وہ خود سے کوئی توجیہ بیان نہ کرے اور صحابہ کے قول کو ہی ترجیح دے۔

☆ صحابہ کے اقوال میں اُسے مشکل کا حل نہ ملے تو تابعین کے اقوال میں اس کو تلاش کرے اس کی علت یہ ہے کہ تابعین نے ان اقوال میں سے بیشتر باتوں کی تعلیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہی حاصل کی ہے۔

☆ بسا اوقات مفسر کو یہ مشکل پیش آسکتی ہے کہ ایک ہی مشکل آیت کی توجیہ یا متعارض آیات کے تعارض کو دور کرنے میں صحابہ اور تابعین سے کئی کئی اقوال منقول ہوتے ہیں جن کو سن کر نا سمجھ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ کوئی ثابت شدہ اختلاف ہے اور انہیں متعدد اقوال کے طور پر بیان کر جاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ واقعی امر یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک نے کسی آیت کے ایک ایسے معنیٰ کو ذکر کیا ہوتا ہے جو اس کے نزدیک ظاہر تر اور سائل کے حال سے لائق تر ہوتا ہے پس اگر وہ مفسر ان اقوال میں سے جس قول کو بھی بالانفراد لے گا وہ اچھا کرے گا، اگر اقوال باہم متعارض ہوں تو ایسے موقع پر وہ کوشش کرے کہ ان کے درمیان اس طرح سے تطبیق پیدا کرے اور جمع کی ایسی صورت نکالے کہ مشکل آیت کے لحاظ سے ہر قول اس کا مدلول بن جائے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ اقوال میں ترجیح کا عمل کرے۔ ترجیح کے عمل میں درج ذیل طریقے ہیں:

۱۔ جس قول کے بارے میں سمع (سنی ہوئی بات) ثابت ہوتی ہو اس کو اسی سمع کی طرف راجح

کردے۔

۲۔ اگر سماعی شہادت نہیں پائی جاتی ہے لیکن دو مختلف اقوال میں سے کسی ایک کے تقویت دینے کا طریق استدلال کے ذریعہ سے پایا جاتا ہے تو جس امر میں استدلال قوی ہو اس کو ترجیح دے دے مثلاً حروف ہجا کے معنوں میں صحابہ کا اختلاف پایا جاتا ہے ایسے موقع پر مفسر کو چاہیے کہ وہ اُس شخص کے قول کو ترجیح دے جس نے اُن حروف کو ''قسم'' قرار دیا ہے۔

۳۔ یا دو قولوں میں سے متأخر قول مقدم ہوگا بشرطیکہ نقل ہونے میں صحت کے اعتبار سے دونوں یکساں ہوں، ورنہ صحیح قول کو مقدم رکھا جائے گا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ سلف صالحین کے مابین قرآن شریف کے بارہ میں قلیل ہی اختلاف ہے اور جو اختلاف اُن سے صحیح ثابت ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر اختلافات کا رجوع اختلاف تنوع کی طرف ہوتا ہے نہ کہ اختلاف تضاد کی جانب۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے بھی مشکل آیات کی تاویل میں صحابہ اور تابعین کے مذاہب اور تغیر سے عدول کر کے اُن کے خلاف راستہ پر قدم رکھا تو وہ اس فعل میں غلطی پر ہے بلکہ بدعتی ہے کیونکہ صحابہ اور تابعین قرآن شریف کی تفسیر اور اس کے معانی کے ویسے ہی اعلیٰ درجہ کے ماننے والے تھے جیسے کہ وہ اس حق کو بخوبی جانتے تھے جس کے ساتھ خدائے پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔

☆ اگر مشکل آیت کی مراد سمجھنے میں دلیلوں کا تعارض آجائے اور وہ مقام مفسر پر مشتبہ ہو جائے تو اُسی پر ایمان لے آئے اور خود سے کوئی معنی متعین کر کے اللہ کے بارے میں افتراء سے خود کو بچائے اور ایسی جگہ پر توقف کرے۔

☆ وہ الفاظ جن کا استعمال اہل عرب کے ہاں قلیل ہے وہاں غرائب القرآن کے معنی معلوم کرنے میں استقلال سے کام لینا اور اہل فن کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے

اور ظن سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اس میں صحابہ اور تابعین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی لفظ کی تعبیر اس کے لازم معنی سے کرتے تھے اور متاخرین لغت کے تتبع اور مواقع کی تلاش میں قدیم تفسیر کو چھوڑ دیتے تھے پس اس نوع میں سلف کی تفسیروں کی پیروی کرے اور حل نہ ملنے کی صورت میں لغت کی طرف رجوع کرے۔

☆ علامہ سیوطی نے ایک مفسر کے لیے سولہ علوم میں ماہر ہونا ضروری قرار دیا ہے اور مشکل القرآن کے حل کے لیے بھی انہی علوم کا جاننا اور ان کی روشنی میں مشکلات کو حل کرنا ضروری ہے مثلاً علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علوم بلاغہ (علم بیان، معانی، بدیع) علم قرأت، علم اصول دین، اصول فقہ، علم فقہ، اسباب نزول اور قصص کا علم، علم ناسخ ومنسوخ، وغیرہ وغیرہ۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مفسرین کی تفاسیر میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں مثلاً

جامع البیان: ۲/۲۲۸، ۲/۲۹۷، ۲/۴۴۵

معالم التنزیل: (الحج، ۱۳) ۵/۳۶۹

مجموع الفتاویٰ: ۱۵/۲۶۹، ۱۶/۱۱

بدائع التفسیر: ۲/۶۶، ۲/۱۰۹

تفسیر القرآن العظیم: (یوسف: ۹۹) (القصص: ۸۲)

روح المعانی: (البقرۃ، ۱۳)، (آل عمران ۹۲)

(۲) مقدمہ اصول تفسیر: ص ۴۷

(۳) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۵۹

(۴) الاتقان: ۱/۶۰

(۵) الاتقان: ۱/۶۰

(۶) الاتقان: ۱/۶۰

(۷) جامع البیان: ۱/۵۲۰

(۸) ابن القیم، الصواعق المرسلہ علی الجہمیۃ والمعطلۃ: ۲/۷۵۴، دار العاصمہ، سعودیہ، ط ۲، ۱۴۱۲ھ

(۹) دفع ایہام الاضطراب: ۱۳۰

(۱۰) عبد الرحمن السعدی، القواعد الحسان لتفسیر القرآن: ۹۹، مکتبہ المعارف، ریاض، سعودیہ، ۱۴۰۰ھ

(۱۱) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء: ۱/۶۰۹، ح ۳۴۲۸

(۱۲) جامع البیان: ۱۸/۴۷

(۱۳) البرھان فی علوم القرآن: ۲/۳۴۴-۳۴۵

(۱۴) حسن الحربی، قواعد الترجیح عند المفسرین: ۱/۱۲۶، دار القاسم، سعودیہ، ط ۱، ۱۴۱۷ھ

(۱۵) نحاس، اعراب القرآن: ۳/۴۴۰

(۱٦) مجموع الفتاویٰ: ۱۳/۲۷

(۱۷) البرهان فی علوم القرآن: ۲-۲۹۲

(۱۸) ابوبکر ابن العربی، احکام القرآن: ۳/۱۱۳٦، دار الفکر، بیروت، لبنان، س-ن

(۱۹) محمد بن عثمین، اصول فی التفسیر: ۴۵، دار ابن قیم، سعودیه، ط۱، ۱۴۰۹ھ

(۲۰) محمد بن علی شوکانی، ارشاد الفحول: ۲/۷۸۵، دار السلام، قاہرہ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

(۲۱) مناهل العرفان: ۳٦۷

(۲۲) مناهل العرفان: ۳٦۸

(۲۳) مناهل العرفان: ۳٦۸

(۲۴) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۰

(۲۵) ابن العربی، محمد بن عبد الله بن محمد بن عبد الله، علامه، حافظ، الناسخ والمنسوخ: ۲/۳۱، مکتبه الثقافة الدینیة، ۱۴۱۳ھ

(۲٦) یہ تعریف امام زرکشی کے قول سے لی گئی ہے جو بحر محیط میں منقول ہے-البحر المحیط: ۱/۲۰۸

(۲۷) الاتقان: ۲/۳۵۲

(۲۸) جامع البیان: ۱/۷۸-۷۹

(۲۹) مسلم، مسلم بن حجاج بن قشیری، امام، الجامع الصحیح المسلم، کتاب الآداب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم وبیان ما یستحب من الآسماء: ۲/۲۰۷، قدیمی کتب خانه، کراچی، ط۲، ۱۳۷۵ھ

(۳۰) جامع البیان: ۲۹/۴۲

(۳۱) البحر المحیط: ۲/۳۸۵

(۳۲) ابن عبد البر، ابوعمر یوسف بن عبد الله، حافظ، جامع بیان العلم وفضله: ۲/۸۳۹، دار ابن الجوزیه، سعودیه، ط۱، ۱۴۱۴ھ

(۳۳) مجموع الفتاویٰ: ۱۷/۲۹٦

❀❀❀❀❀❀❀

باب سوم

تفسیر عثمانی، تفسیر بیان القرآن اور ان کے مؤلفین کا تعارف اور اشکالات قرآنی کے حل میں مذکورہ تفاسیر کا منہج

فصل اول: تفسیر عثمانی اور اس کے مؤلفین کا تعارف

فصل دوم: تفسیر بیان القرآن اور اس کے مؤلف کا تعارف

فصل سوم: اشکالات قرآنی کے حل میں تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کا منہج

تفسیر عثمانی کا اجمالی تعارف:

تفسیر عثمانی اردو تفاسیر میں بلند پایہ اور آسان فہم تفسیر ہے یہ تفسیر شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے مترجم قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھوا کر چھاپی گئی ہے نیز شیخ الہندؒ کے ترجمہ کی بنیاد حضرت شاہ عبدالقادر کا الہامی ترجمہ ہے۔

اس ترجمہ کے مطلق شیخ الہند فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ تعالیٰ اسرارہم کے تراجم کو جو غور سے دیکھا تو یہ امر بے تامل معلوم ہو گیا کہ اگر مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو شدتِ ضرورت کے وقت ترجمہ کرنا دشوار ہوتا۔ علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لیے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتی اور ان دقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کر سکتے۔'' (۱)

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے۔ جن میں اختصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں حضرت شیخ الہند نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع کیا کہ انہوں نے جہاں جہاں ضرورت سمجھی وہاں اجمال کی تفصیل فرما دی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ لیکن آپ کی حیات میں پانچ پاروں یعنی (سورۃ فاتحہ تا سورۃ نساء) کے حواشی ہی لکھے گئے۔ آپ کے انتقال کے بعد ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۹۲۳ء میں ترجمہ قرآن، مدینہ پریس بجنور سے شائع ہوا جس میں سورۃ نساء تک کے حواشی مولانا محمود الحسن کے اور باقی حواشی شاہ عبدالقادر کے ''موضح قرآن'' کے چھاپے گئے۔

اس کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۹۳۶ کو شائع ہوا۔ اس میں سورۃ فاتحہ یا سورۃ نساء کے حواشی مولانا محمود الحسن کے اور باقی حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی کے قلم و علم کا نتیجہ ہیں۔ (۲)

برصغیر کی اردو تفاسیر میں تفسیر عثمانی کا نام انتہائی مقبول اور معتبر رہا ہے اس کی وجہ ان تین اکابر (مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا محمود الحسن، علامہ شبیر احمد عثمانی) کا علم وفضل، اخلاص وللّٰہیت اور کمال احتیاط وادب کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت کی لگن ہے۔

یہ تفسیری نوٹ مختصر اور جامع ہیں اور ان میں پورے حزم واحتیاط سے تفسیر بالروایت کا التزام کیا گیا ہے اور علمی مسائل کے بیان میں علمی آداب کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لیے اس ترجمہ وتفسیر کو عالمگیر مقبولیت نصیب ہوئی اور قرآن مجید کے طالب علموں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ (۳)

اللہ تعالیٰ نے اس تفسیری حاشیے کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ پاکستان، ہندوستان، چین، ہانگ کانگ اور افغانستان وغیرہ میں (فارسی ترجمہ ھوکر) چھپ چکا ہے اور پاک وہند میں چھ سات اداروں نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے۔

تفسیر عثمانی کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے نئی کتابت وطباعت میں تفسیری عنوانات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے تا کہ تفسیر سے استفادہ میں آسانی رہے یہ ایڈیشن اکتوبر ۱۹۸۹ء میں چھپا۔

مختصر تفاسیر میں یہ اپنے رنگ کی ایک بہترین تفسیر ہے۔ جس میں سلف صالحین کے مسلک قدیم کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے اور نہایت شستہ ادبی زبان استعمال کی گئی ہے نیز انتہائی آسان فہم اور خوبصورت انداز میں دقیق علمی مسائل کو حل کیا ہے اور مختصر حواشی کے ذریعہ قرآن کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ ایک متوسط حجم کی جامع تفسیر ہے جس کی غیر معمولی خصوصیات کا اندازہ اس کے مطالعہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس کو پڑھ کر بڑی بڑی ضخیم تفسیروں کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تفسیر عثمانی اہل علم کی نظر میں:۔

اس عظیم تفسیری شاہکار کی عظمت کی گواہی بہت سے اہل علم نے دی ہے جو شخص محققانہ، محدثانہ اور مفسرانہ انداز سے اس تفسیر کا بغور مطالعہ کرے گا تو وہ ضرور اس کی قدر ومنزلت کا اعتراف کرے گا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگاہ میں اس تفسیر کی جو قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ علامہ عثمانی کی جب تھانہ بھون میں حکیم الامت سے اُن کی وفات سے پہلے حالت مرض میں ملاقات ہوئی تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ میں نے اپنا تمام کتب خانہ وقف کر دیا ہے البتہ دو چیزیں جن کو میں محبوب سمجھتا ہوں اپنے پاس رکھ لی ہیں ایک تو آپ کی تفسیر والا قرآن شریف اور دوسری کتاب ''جمع الفوائد'' اس واقعہ سے حکیم الامت کی نظروں میں تفسیر عثمانی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (۴)

مولانا انور شاہ کاشمیری لکھتے ہیں:

''مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے۔'' (۵)

مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ:

''مولانا عثمانی نے یقیناً بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔'' (۶)

مولانا عبدالصمد صارم نے اپنی کتاب میں اس تفسیر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

قرآن مجید مترجم شیخ الہند پر بہترین فوائد لکھے گئے ہیں۔ فوائد کیا ہیں مختصر و معتبر تفسیر ہے۔'' (۷)

مولانا انور شاہ فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ، صاحب فتح الملہم، محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانی، خدا اُن کی عمر دراز کرے انہوں نے تمام کلمات میں اپنے شیخ کے اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے موتیوں اور گہر کے ساتھ تین سال میں قرآن کے فوائد کو مکمل کیا اور اس میں ہر وہ چیز شامل کر دی جس کی زمانہ کے لحاظ سے ضرورت تھی۔ آپ نے زمانہ حاضر کے بعض ملحدین کے کمزور اور مردود اقوال کو باطل کر کے دکھایا۔'' (۸)

مولانا گوہر الرحمن فرماتے ہیں:

''یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو اردو خواں طبقے کے لیے زیادہ افادیت رکھتی ہے اس

لیے کہ اس میں فنی اصطلاحات اور طویل علمی مباحث کی بجائے آیات کے اصل مفہوم کو مختصر اور مفید حواشی کے ذریعہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔" (۹)

مولانا مالک کاندھلوی لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ (علامہ عثمانی) نے بڑے ہی محققانہ انداز میں مطالب کلام اللہ کی تشریح کی لطائف و معارف کا ایک سمندر اِن فوائد میں جمع کر دیا ہے بہت سے اشکالات جن کے حل کے لیے بڑے بڑے دفتر بھی شاید کفایت نہ کر سکیں ان کا حل نہایت سہل اور لطیف انداز میں موتیوں کی طرح چند پاکیزہ کلمات میں کر دیا ہے۔ بالخصوص اہل باطن اور ملحوین نے اپنی تفاسیر میں جو جو تحریفات کی تھیں اُن کا اِس حسن اسلوب سے رد فرمایا ہے کہ دیکھنے والے کو اس کے مطالعہ کے بعد ادنی تردد اور التباس نہیں رہتا۔" (۱۰)

قاضی محمد زاھد الحسینی نے ان الفاظ میں علامہ عثمانی کی تفسیر کو سراہا ہے۔"علامہ عثمانی کے مرتب کردہ فوائد دورِ حاضر کے لیے معلم قرآنیات ہیں۔" (۱۱)

آخر میں عطاء اللہ شاہ بخاری کا یہ تبصرہ کافی ہے:

"جب سے یہ تفسیر چھپی ہے اسے ساتھ رکھتا ہوں جب کوئی تعلیم یافتہ کسی خاص مسئلہ کو پوچھتا ہے اس تفسیر کو کھول کر پڑھ لیتا ہوں جس میں اس کا جواب ہوتا ہے۔"(۱۲)

الغرض علماء کے اِن اقوال سے اس تفسیر کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے نیز اِن اقوال سے اس تفسیر کی بنیادی خصوصیات کا بھی ادراک ہوتا ہے جو اُسے دوسری تفاسیر سے ممتاز کرتی ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر خاص و عام میں یکساں معتبر اور مقبول ہے۔

تفسیر عثمانی کی خصوصیات:

تفسیر عثمانی کی تمام خصوصیات کا احاطہ کرنا اور مثالوں سے واضح کرنا طوالت کے خوف

کی وجہ سے ممکن نہیں اس لیے چیدہ چیدہ خصوصیات کو مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے نیز صاحب ذوق کے لیے حاشیہ میں مثالوں کے حوالے مذکور ہیں وہ چاہیں تو وہاں مراجعت کر سکتے ہیں۔

(۱) سلف صالحین کی رائے سے مطابقت:

تفسیر عثمانی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق ہے۔

علامہ عثمانی نے آیات قرآنیہ کی تشریح میں سلفؒ اور متاخرین کے اقوال کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ایسے مقامات جہاں تفسیری اختلاف سامنے آتا ہے وہاں خاص طور پر سلف کے مسلک کی تائید کے لیے دلائل کے ساتھ کلام بھی کیا ہے۔امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' امام آلوسی کی ''روح المعانی'' ابوحیان کی ''البحر المحیط'' اور ابوبکر رازی کی ''احکام القرآن'' اور تفسیر ابن کثیر کے اقتباسات تفسیر عثمانی کے صفحات کی زینت بنے ہیں اور یہ سب ایسی تفاسیر ہیں جو سلف کے تفسیری علوم کا خلاصہ ہیں۔ (۱۳)

(۲) آیات قرآنیہ کے مضامین میں ربط:

قرآن کے ایک روشن معجزہ ہونے کی دلیل اُس کا اسلوب بیان اور حیرت انگیز نظم و تالیف بھی ہے۔

آیات کے باہمی ربط و مناسبت کو بیان کرنے سے تفسیر پڑھنے والے کے لیے اس بات کی آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مختلف آیات کے مابین ایک ربط قائم ہونے کی وجہ سے معنی کی گہرائی تک پہنچ سکے تا کہ قرآنی مفہوم کو بہتر انداز سے سمجھا جا سکے۔

علامہ عثمانی نے اپنی تفسیر میں جابجا آیات کا ربط واضح کیا ہے جس سے اس تفسیر کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

(۳) کلامی انداز:

تفسیر عثمانی کی ایک منفرد خصوصیت اُس کا کلامی انداز ہے علم الکلام ایسے علم کا نام ہے جس کے ذریعہ عقلی دلائل سے کام لے کر دینی عقائد کے دفاع میں استدلال کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ علامہ عثمانی انتہائی مدلل اور پراثر انداز میں عقیدہ سے متعلق

آیات پر بحث کرتے ہیں یہ اُن ہی کا خاصہ ہے۔ (۱۴)

(۴) فلسفیانہ مباحث:

علامہ عثمانی نے اپنی تفسیر میں آیات قرآنیہ کی تشریح میں فلسفیانہ اور منطقی طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے مفہوم قرآنی کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے اسلامی احکام کو فلسفہ یونان اور جدید سائنس سے مطابقت دیتے ہوئے شرعی مسائل کو عقل و حکمت کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی انہی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا سراج احمد نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ ''مولانا عثمانی فلسفیانہ مسائل عوام کو ایسے عام فہم طرز ادا سے سمجھاتے ہیں کہ جس کی نظیر دوسری جگہ ملنی مشکل ہے۔ (۱۵)

ان فلسفیانہ مباحث کی کئی امثلہ اس تفسیر میں موجود ہیں۔ (۱۶)

(۵) تاریخی و جغرافیائی حقائق:

علامہ عثمانی نے اپنی تفسیر میں تاریخی آیات کی نہایت دلکش پیرائے میں تشریح بیان کی ہے۔ علامہ عثمانی مفسر تاریخی آیات کے ضمن میں متعلقہ فنون کے ماہرین کی تحقیقات بھی پیش کرتے ہیں جن سے آیات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اور مفہوم سمجھنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔ (۱۷)

(۶) تفسیر عثمانی اور علم صرف و نحو:

قرآن حکیم کا ترجمہ اور تفسیر کے لیے جہاں دیگر ضروری علوم کا جاننا لازم ہے وہیں مفسر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم صرف و نحو سے آگاہ ہو علم صرف میں لفظوں کی پہچان اور اُن کے مشتقات کے قاعدوں کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ علم نحو میں الفاظ کے باہمی تعلق اور اُن کی اعرابی حالت کی پہچان کے قاعدے بیان کیے جاتے ہیں۔

علامہ عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں ہر جگہ تو نہیں لیکن اکثر مقامات پر قرآنی الفاظ کی صرفی و نحوی حیثیت، اشتقاق اور صیغے کو بھی واضح کیا ہے اور اس کی وضاحت کے لیے دوسری آیات قرآنیہ کو بھی بطور استدلال بیان کیا ہے۔

علامہ عثمانی نحوی بحثوں میں اس بات کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ دیگر مفسرین نے آیت کا جومفہوم بیان کیا ہواُس کا بھی تذکرہ کردیا جائے۔ (۱۸)

(۷) تفسیر عثمانی اور اسرار شریعت:

تفسیر عثمانی میں جہاں مختلف علوم پر تحقیق وتنقید نظر آتی ہے وہیں دین وشریعت کی اصل روح بھی قاری کونظر آتی ہے اور ہر بھید کھلتا چلا جاتا ہے۔علامہ عثمانی اپنے خوبصورت طرز تفہیم سے ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو آیات قرآنیہ کے حکمیانہ اسرار کو اجاگر کردیتی ہے اور دین کا ہر مسئلہ اپنی اصلیت کے ساتھ دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔(۱۹)

(۸) لغوی بحثیں:

غریب القرآن ایک انتہائی اہم موضوع ہے اکثر کتب فقط اسی موضوع پر لکھی جاتی ہیں تفسیر عثمانی میں بہت زیادہ لغوی ابحاث موجودنہیں البتہ کہیں کہیں مولانا اپنی لغت دانی اور تحقیق کا بے پناہ مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

علامہ عثمانی کی لغوی مسائل پر مہارت کا اندازہ سورۃ یوسف کی تفسیر پڑھنے سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے ولقد همت به وهما بها میں لفظ همّ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ (۲۰)

سورۃ تحریم میں لفظ ''فرج'' کی تشریح لغوی اعتبار سے خوبصورت انداز سے بیان کی ہے۔(۲۱)

الغرض علامہ عثمانیؒ نے اختصار وجامعیت کے ساتھ لغوی تحقیق کو بھی شامل تفسیر کیا ہے جو قاری کے فہم میں اضافے کا باعث ہے۔

(۹) اسرار تصوف:

تصوف کا ذوق رکھنے والے اگر تفسیر عثمانی کا مطالعہ کریں تو انہیں پتہ چلے گا کہ تفسیر اس رنگ سے بھی خالی نہیں ہے۔ مفسر محقق نے قرآن کی مختلف آیات کے تحت چیدہ چیدہ مقامات پر روحانیت وتصوف کی نکتہ آرائیاں بھی بیان کی ہیں مثلاً سورۃ مزمل کی آیت ۸

''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝'' کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو یا بظاہر مخلوق سے معاملات و علائق رکھنے پڑتے ہیں لیکن دل سے) اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اُسی کی یاد میں مشغول رہیے۔

غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک اُن کے لیے اُدھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اِسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہہ لو کہ سب تعلقات اُسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں ''بے ہمہ و باہمہ'' یا ''خلوت درانجمن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔'' (۲۲)

(۱۰) رد اسرائیلیات:

پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچتی تھیں اُن میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات سے بھی ہوتی تھیں اور پھر یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہیں۔ جنہیں قرآن مجید کے قصص کی تشریح میں پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کی تردید کی ہے اور ان کی کمزوری کو ظاہر کیا اس ضمن میں مولانا نے بڑا تحقیقی انداز اختیار کیا ہے اور اصول تفسیر و اصول حدیث کے اصولوں کے مطابق قصص سے متعلق آیات قرانیہ کی تفسیر بیان کی ہیں۔ (۲۳)

(۱۱) تفسیر عثمانی اور علوم جدیدہ

''علوم جدیدہ کے لیے ترجمہ و تفسیر قرآن میں وسائل آزمائی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جدید علوم کے کسی نظریہ یا نتیجہ بحث و تجربہ کی قرآن سے ہم آہنگی اس انداز سے دکھائی جائے جیسے قرآن حکیم سے اس کا استنباط ہو رہا ہو۔ یہ طریقہ قرآن کی ترجمانی یا تفہیم کا کسی قدر حق ادا کرنے کی بجائے اصل مقصد کو ہی نگاہوں سے اوجھل کر دینے کا سبب بن سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن حکیم کی مرکزی حیثیت اپنی جگہ قائم رکھی جائے اور اس کے کسی اشارہ یا کنایہ یا صریح لفظ پر

کوئی جدید انکشاف یا نظریہ چسپاں کیا جائے یہ بات قابل قبول ہے''۔(۲۴)

تفسیر عثمانی میں بھی علوم جدیدہ کی روشنی میں اکثر مقامات پر دلنشین انداز میں عقلی دلائل مہیا کیے گیے ہیں۔ (۲۵)

تفسیر عثمانی کے مؤلفین کا تعارف:

تفسیر عثمانی چونکہ دو بزرگوں کی کاوش کا نتیجہ ہے اس لیے ان دونوں حضرات (محمود الحسن، شبیر احمد عثمانیؒ کی مختصر سوانح حیات ذکر کی جائے گی تا کہ علم وعمل اور اخلاص وتقوی کے مجسم ان اولیاء کے مراتب کا اندازہ ہو سکے جن کے علم سے یہ عظیم شاہکار تخلیق پایا۔

''شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ '' کی مختصر سوانح حیات:

شیخ الہندؒ جیسا کہ اُن کے لقب سے ظاہر ہوتا ہے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے ممتاز عالم دین، مجاہد، رہنما اور نامور شیخ طریقت تھے آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے جسے علم وعمل، شرافت ودینداری کے علاوہ دینوی وجاہت بھی حاصل تھی۔

آپ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور رشید احمد گنگوہی کے سب سے برگزیدہ اور محبوب روحانی فرزند تھے۔

ولادت:

آپ کا اسم گرامی محمود حسن اور لقب شیخ الہند تھا جو تحریک خلافت کے زمانے میں قوم کی زبان سے نکلا اور مشہور ہوا۔ حضرت ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد مولانا ذوالفقار علی ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔

آپ کا تاریخی نام ولد ذوالفقار علی بھی بتایا جاتا ہے۔(۲۶)

تعلیم وتربیت:

مولانا محمود حسن نے چھ سال کی عمر سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ میاں جی منگلور صاحب

سے اور فارسی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحب سے پڑھیں۔(۲۷)

مولانا محمود حسنؒ کے طبعی محاسن اور صلاحیتیں لڑکپن کے زمانہ سے ہی ظاہر و ہویدا تھیں کوچہ گردی اور رذیل کھیلوں سے ہمیشہ اجتناب ہی برتا البتہ سیر و شکار سے کافی دلچسپی تھی۔(۲۸)

اوائل عمری سے ہی دین کی طرف رغبت اور علم کی جستجو کی لگن دل میں موجود تھی اور اسی لگن اور تڑپ سے دینی علوم کے ہر دائرے میں صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ انہوں نے کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتابیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے پڑھیں حدیث میں محمد قاسم نانوتویؒ، یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دھلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔(۲۹)

حضرت مولانا کی عمر پندرہ سال تھی جب ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ مولانا ملا محمد محمود صاحب دیوبندیؒ صدر مدرس مقرر کیے گیے مولانا محمود حسن دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے۔ اس طرح سے سب سے پہلے معلم بھی محمود اور متعلم بھی محمود ہی تھے۔ (۳۰)

۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ء میں آپ تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں بھی سلسلہ تدریس جاری تھا اور اس کے بعد پورے طور پر آپ تدریس میں مشغول ہو گئے۔(۳۱)

دینی و علمی خدمات:

حضرت مولانا محمود حسنؒ نے ۱۲۸۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا اور ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس یعنی شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز ہوئے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے طلباء دارالعلوم کو فیض یاب فرمایا۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درس حدیث دے کر ۱۸۶۰، اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالم دین، فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کیے آپ کا درس حدیث اُس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا اور مرجع علماء تھا آپ کو علماء عصر نے ''محدث عصر'' تسلیم کیا ہے۔(۳۲)

ساری دنیا میں آپ کے فضل وکمال اور تبحر علمی کی شہرت تھی بلخ، بخارا، قندھار، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور یمن تک کے لوگ آپ کے علم وفضل سے فیوض پاتے تھے حضرت مولانا حسن صاحب آیات قرآنیہ اوراحادیث نبویہ کے معانی ومضامین کواس طرح بیان فرماتے کہ سب آپ کی علمیت کے قائل ہوجاتے۔

شیخ الہندؒ کے حلقہ درس کی خصوصیات کی نسبت مولانا میاں اصغر حسین لکھتے ہیں ''حلقہ درس'' دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کے حلقہ تحدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن وحدیث حضرت کی زبان پر تھا اور آئمہ اربعہ کے مذاھب از براور صحابہ وتابعین، فقہاء، ومجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں نہ منہ میں کف آتا تھا نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو جامع الغموض اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ سے بامحاورہ اردو میں اس روانی اور جوش سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا امنڈتا آرہا ہے(۳۳)

آپ کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت جمع بین الاقوال الفقہاء والاحادیث تھی اور یہی شاہ ولی اللہ کے خاندان کا طرز تعلیم تھا۔

ان کے سوانح نگاروں کی رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں کیا ان آخری قرنوں میں دنیا میں ایسے بہت کم علماء شمار ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس قدر طویل زمانہ افادہ تلافدہ اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں گزارا ہو۔ (۳۴)

درس وتصنیف، ارشاد وتلقین اور جذبہ جہاد میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں آپ اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے۔ آپ نے اِن علوم کی تشریح وتفہیم میں نمایاں حصہ لیا اور عظیم خدمت انجام دی۔

ہر دور کے علماء نے آپ کے علم وفضل کی گواہی دی ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ نے آپ کو''شیخ العرب والعجم'' کا خطاب دیا۔ (۳۵)

اشرف السوانح میں حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق لکھا ہے:

''آپ کے کمالات علمیہ وعملیہ مسلم ومشہور ہیں۔'' (۳۶)

سیاسی خدمات:

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں چند ایسے حوادث پیش آئے کہ محمود حسن کو سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا پڑا۔ آپ بنیادی طور پر مصلح عالم اور شیخ طریقت تھے۔ ان کا اصل کام درس وتدریس اور تزکیہ وتربیت تھا۔ انہیں بعض حالات اور قومی ضروریات کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ تیار کر لیا تھا اور اُسے لباس عمل پہنانے کی کوشش انہوں نے اس وقت سے شروع کر دی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں۔ (۳۷)

شیخ الہندؒ نے مسلم نوجوانوں کو اسلام کے عقائد وافکار سے روشناس کرانے کے لیے اور الحاد واباحیت کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے درس گاہیں قائم کیں تاکہ دینی علوم کی اشاعت ہو اور حکومت برطانیہ کے خلاف یہ ادارے پردے اور کمین گاہ کا کام دیں۔ (۳۸)

حضرت مولانا محمود صاحبؒ کی زندگی ایک طرف درس وتدریس اور ارشاد وتلقین سے عبارت تھی۔ تو دوسری طرف مجاہدانہ قوت عملی جہاد کے جذبہ سے سرشار اور طلب حریت سے معمور تھی ۔انہوں نے علماء کے اندر اس جذبہ جہاد کی روح پھونک دی تھی۔

جنگ بلقان ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ میں آپ نے بڑھ چڑھ کر ترکوں کی مدد کی ۷ ۱۳۲ ھ میں آپ نے جمیعۃ الانصار کی بنیاد ڈالی جس کے امیر آپ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے۔

خلیق احمد لکھتے ہیں:

> ''آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحب کے قلب وجگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا وہ اُنکے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب

کا سامنا کیا۔ تاریخ ھند کا کوئی دیانت دار مورخ اُن کو بھلا نہ سکے گا''۔ (۳۹)

آپ نے ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لیے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جسے ''ریشمی رومال کی تحریک'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یہ تحریک بہت موثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی۔ حضرت شیخ کی حسن اعتمادی اور قوم کی قومیت فقدانی ان دونوں نے مل کر تحریک کو ناکام بنا دیا۔ (۴۰)

مولانا نے علماء اور سلاطین حجاز سے ملکر ہندوستان کو آزاد کرانے کا منصوبہ بھی بنایا لیکن وہ منکشف ہو گیا اور اسی وجہ سے آپ کو گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں مقید کر دیا اور کئی سال وہاں قید کی زندگی گزاری اور اس دوران آپ نے وہاں قرآن کریم کا ترجمہ لکھا۔

مؤلف اسیر مالٹا لکھتے ہیں:

حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی اقامت کے ایام میں ہوا۔ دن رات اُن کو یہی دھن تھی اور یہی مشغلہ تھا۔ نہ کبھی اُن کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کوئی رغبت ہوتی تھی۔ بسا اوقات تو اِن کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی۔

یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا۔ جس میں مولانا کو ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے۔ کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقدر فرما دیے تھے ان کے طے کرنے کا ذریعہ یہ سفر اور اسارت قرار دی گئی طے ہو جانے کے بعد ان کو وطن بھجوا کر بہت جلد واپس بلا لیا گیا۔'' (۴۱)

وفات:

مالٹا سے رہائی کے بعد جب ہندوستان تشریف لائے تو بیمار ہو گئے علاج کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اُن کی میت دھلی سے دیوبند لائی گئی اور مولانا قاسم بانی دارالعلوم دیوبند کے پہلو میں دفن کیئے

گئے۔ آپ نے اکہتر سال کی عمر پائی۔

ممتاز ترین تلامذہ:

حضرت کی حلقہ درس سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکلے درج ذیل شیخ الہند کے ممتاز تلامذہ ہیں۔

مولانا عبداللہ سندھیؒ، انور شاہ کاشمیریؒ، حبیب الرحمنؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند، مفتی کفایت اللہؒ صدر جمعیۃ علماء ہند، حسین احمد مدنیؒ، شبیر احمد عثمانیؒ، اشرف علی تھانویؒ، محمد میاں انصاریؒ، سید حامد حسن گنگوہیؒ، محمد الیاسؒ، ثناء اللہؒ امرتسری، عزیز گلؒ، محمد ابراھیمؒ ملیاوی وغیرہ۔

اخلاق وعادات:

حضرت شیخ الہند بہترین اخلاقی اوصاف کے مالک تھے۔ ظاہری علم وفضل کی طرح باطن بھی آراستہ تھا۔ آپ کا کوئی قول وفعل خلاف شریعت ہونا تو درکنار مدتوں سے خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنی سا فعل بھی آپ سے خلاف سنت سرزد ہوا ہو۔ دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضرت کو اتباع سنت کا خیال تھا خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین ومتوسلین کو قولاً وعملاً اس کی ترغیب دیتے۔ (۴۲)

اعلیٰ درجہ کا ضبط وتحمل اور حالات ومقامات، امور قلبیہ اور واردات غیبیہ کو انتہائی درجہ میں مخفی رکھنا اور نوافل وعبادات کو بدرجہ غایت پوشیدہ رکھنا حضرت مولانا کی دائمی عادت تھی۔

آپ کی طبعیت نہایت سادہ اور متواضع تھی۔ فخر وتکبر کا نام تک نہ تھا۔ ظاہری چال ڈھال اور وضع قطع میں ریاء، نمود اور بڑائی کا شائبہ بھی نہ تھا۔ حضرت کا توکل اور اعتماد علی اللہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ظاہری سامان معیشت اگر موجود نہ بھی ہو تو آپ کو کوئی پریشانی نہ ہوتی تھی۔

حضرت حکیم الامت اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے تھے اور انہیں مجسم اخلاق کہا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ تم بڑے فخر سے کہتے ہو اسیر مالٹا تھے ہم کہتے ہیں کہ امیر مالٹا تھے تم کہتے ہو کہ شیخ الہند تھے ہم کہتے ہیں کہ شیخ العالم تھے۔ (۴۳)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کو ''نفسیات انسانی کے مبصر حاذق'' کا خطاب دیا۔(۴۴)

تصانیف:۔

حضرت شیخ الہندؒ کی زیادہ تصانیف تو نہیں ہیں کیونکہ ابتدائی پچیس تیس سال تو درس و تدریس میں مشغول رہے اور اُس کے بعد کی زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف نظر آتی ہے تاہم جس قدر یادگار کتابیں ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ادلہ کاملہ اس کا دوسرا نام ''اظہار حق'' ہے۔

(۲) ایضاح الادلہ (۳) احسن القری

(۴) جہد المقل (۵) افادات

(۶) الابواب والتراجم: یہ بخاری شریف کے ابتدائی چند تراجم وابواب کی شرح ہے اور اسارات مالٹا کی یادگار ہے۔

(۷) کلیات شیخ الہند (۸) حاشیہ مختصر المعانی

(۹) تصحیح ابی داؤد (۱۰) فتاویٰ

(۱۱) ترجمہ قرآن شریف (۱۲) مکتوبات شیخ الہند(۴۵)

''مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سوانح حیات''

پیدائش:۔

حضرت عثمانیؒ کی ولادت ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۹ھ کو بجنور میں ہوئی جہاں آپ کے والد محترم ان دنوں میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات کے عہدے پر سرفراز تھے۔(۴۶)

نام ونسب:۔

آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے تینتالیسویں پشت میں ملتا ہے۔حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن اور حبیب الرحمن دار العلوم دیو بند آپ کے علاقی بھائی تھے(۴۷)

تعلیم وتربیت:۔

۱۳۱۲ھ سات سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم دیو بندی کے سامنے بسم اللہ ہوئی۔آپ نے اُن سے اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد دیو بندی مدارس دار العلوم دیو بند سے فارسی پڑھنی شروع کی۔بعد ازاں فارسی کی بڑی بڑی کتابیں مولانا محمد یٰسین صاحب صدر مدرس سے پڑھیں۔

۱۳۱۹ھ سے عربی تعلیم دار العلوم دیو بند میں شروع کی۔آپ کے عربی اساتذہ میں مولانا محمد یٰسین صاحبؒ شیر کوٹی، مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا حکیم محمد حسنؒ صاحب اور بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن اسیر مالٹا تھے۔

۱۳۲۵ھ میں دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔آپ دورہ حدیث کے امتحان میں اول نکلے۔(۴۸)

تدریسی خدمات:۔

ویسے تو آپ دوران تعلیم ہی طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔مگر باقاعدہ پڑھانے کی ابتداء ۱۳۲۵ھ میں دار العلوم دیو بند میں ہوئی۔

۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عالیہ فتح پور دھلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

۱۳۲۸ھ میں انہیں دارالعلوم میں بلایا گیا۔ یہاں عرصہ تک درجہ علیاء کی کتب پڑھائیں۔

مولانا عثمانیؒ کے درس مسلم کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر اُن کی خاص نظر تھی۔ ایک عرصہ تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے بعض اختلافات کے سبب سے حضرت انور شاہ صاحبؒ اور مفتی عزیز الرحمنؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سوات) تشریف لے گئے۔ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ میں حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر کے ارشاد پر دارالعلوم تشریف لائے اور ۱۳۶۶ھ تک بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم کی خدمات انجام دیتے رہے۔(۴۹)

علامہ عثمانیؒ نے اپنے عہد معلّمی میں ہر علم وفن کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھا کر ایک خاص تاریخی مقام حاصل کرلیا تھا۔ اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں یکساں مہارت حاصل کر لی تھی اور نوعمری میں ہی اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں عمر کھپا کر انسان پہنچتے ہیں۔

دینی اور علمی خدمات:۔

حضرت علامہ کی دینی اور علمی خدمات نا قابل فراموش ہیں علم وفضل میں آپ کا پایہ بلند تھا۔ اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ آپ کی ساری عمر دین اسلام کی خدمت میں گزری سعید احمد اکبر آبادی رقم طراز ہیں۔

> ''یوں تو مسلمانوں کی دینی اور عملی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو براہ راست حضرت الاستاذ کے فیوض وبرکات سے مستفید نہ ہوا ہو۔ لیکن اس میں آپ کے سب سے زیادہ شاندار اور دیر پا کارنامے دو ہیں۔ ایک حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن مجید کی تکمیل اور اس پر حواشی وفوائد اور دوسرے صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم ارباب نظر جانتے ہیں کہ حضرت استاذ نے کس جامعیت،

اصابت رائے اور دقتِ نگاہ کے ساتھ قرآن وحدیث کی خدمت کے یہ دونوں شاہکار مرتب کیے ہیں۔ موخر الذکر کا چرچا تو ہندوستان چھوڑ ممالک اسلامیہ تک ہے۔ مصر کے اکابر علم نے فتح الملھم کی داد دی ہے۔(۵۰)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ ''علامہ عثمانی علم وفضل کے پہاڑ تھے۔''(۵۱)

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

''علم وفضل''، فہم وفراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانی کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان وقلم دونوں کے یکساں شہ سوار تھے۔ اردو کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت وبلاغت، عام فہم دلائل، پر اثر تشبیہات وانداز بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر وتقریر دونوں منفرد تھیں۔ حالات حاضرہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی تحریر اور تقریر عوام وخواص میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح وبلیغ اور عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ حضرت شیخ الہند اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا۔ اس کے لکھنے اور جلسے میں پڑھنے کا شرف مولانا عثمانی ہی کو حاصل ہوا تھا۔(۵۲)

سیاسی خدمات:۔

شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانیؒ متجر عالم، فقیہ، محدث اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے سیاسی رہنما بھی تھے۔ علمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علامہ عثمانیؒ نے عملی سیاست میں گرمجوشی سے حصہ لیا۔ ایام جوانی میں آپ نے تحریک ریشمی رومال کے اکابرین مولانا محمود حسن، عبیداللہ سندھی، حاجی ترنگ زئی اور تحریک خلافت کے دوران مولانا عبدالباری، حکیم اجمل اور علی برادران جیسے صف اول کے قائدین کے ساتھ سیاست میں اپنا کردار ادا کیا۔ (۵۳)

آپ کو تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۱ھ تک جمیعۃ الانصار کے جلسوں میں تقریریں کیں اور مقالے پڑھے تحریک خلافت کے دوران بھی جوش وجذبے کے ساتھ جمیعۃ العلماء ہند کے جلسوں میں شرکت کی۔علامہ عثمانی نے حضرت شیخ الہند کے سیاسی اور مذہبی نائب کی حیثیت سے اُن کی تحریک اور خلافت کی بہتر انداز سے ترجمانی کی۔علامہ عثمانی امت اسلامیہ کی تہذیبی روح کو تقویت پہنچانا چاہتے تھے اور ملت اسلامیہ کے نوجوانوں میں حقیقی اخوت پیدا کر کے وحدت اسلامی کی دعوت کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔تاکہ سرمایہ دارانہ اور آمرانہ ذہنیت کا مقابلہ کیا جاسکے۔(۵۴)

حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو ہندوستان میں تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ملک کا دورہ کیا اور اس عرصے میں عثمانی اپنے استاد کے ہمراہ رہے انہوں نے اپنی تقریروں سے ملک کو گرما دیا۔

سیاست میں علامہ عثمانی اولاً جمیعۃ العلماء کے ساتھ شریک تھے اس سے قبل وہ خلافت کمیٹی کے اہم رکن رہ چکے تھے ۱۹۱۴ء میں جنگ بلقان کے زمانہ میں انہوں نے ترکوں کے لیے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

۱۳۲۹ء میں علامہ عثمانیؒ نے اپنا مقالہ ''ترک موالات'' جمیعۃ العلماء ہند کے اجلاس میں پڑھا جو آپ کا علمی شاہکار ہے اور اُسے فقیہ ہند مفتی کفایت اللہ صاحب اور تمام علماء نے بہت سراہا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔

''سالانہ اجلاس جمیعت علماء ہند، ترک موالات پر زبردست تقریر از عثمانی براہ راست دفتر سے شائع ہوئی۔(۵۵)

قیام پاکستان میں علامہ عثمانیؒ کا بڑا ہاتھ ہے ۱۳۶۶ء میں سرحد ریفرنڈم کے سلسلے میں آپ نے اپنے شاگرد علماء کے ذریعہ اہل سرحد کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔جس کے نتیجہ میں اہل سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔اس کے علاوہ آپ نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔

پاکستان میں بھی انہوں نے بہت سی دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر اُن کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا۔ خصوصاً ان کو عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی اور اُن کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی بھی مسلم سمجھی جاتی تھی۔ (۵۶)

علامہ صاحب کے اخلاق واوصاف:۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیت جس طرح علم وفضل میں مسلم تھی۔ اسی طرح اخلاق وعادات میں بھی صاف ستھری شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے ظاہر وباطن میں یکسانیت تھی۔

مولانا محمد طیب صاحبؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے تھے:

> ''اخلاقی طور پر مولانا میں ایک خاص وصف یہ تھا جو بہت ہی اونچا تھا کہ ظاہر وباطن میں یکسانیت تھی۔ وہ اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا اُن کے برخلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے۔'' (۵۷)

حق تعالیٰ نے علم وفضل کا ایک وافر حصہ علامہ صاحب کو عطا فرمایا تھا اس کے ساتھ عجز وانکساری اور بزرگوں کا ادب واحترام اُن کے خاص اوصاف ہیں اگر ان کے بڑوں نے بھری مجلس میں بھی انہیں تہدید آمیز لہجے میں کوئی بات کہی تو کبھی اف نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بات اُن کے نزدیک قابل تسلیم نہ بھی ہوتی تب بھی اپنے اکابر کے حقوق کی رعایت روا فرماتے تھے۔ (۵۸)

مولانا عثمانی اپنے علم وفضل میں اتنا اونچا مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ فنائیت اور خوف الٰہی اور تقویٰ وطہارت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ نماز انتہائی خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے خشیۃ اللہ اور شرم وحیا کا پیکر تھے، قلب نہایت نازک اور رقیق پایا تھا، لیکن تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہونے دیتے تھے جو بات کہتے تھے ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ بہت ناپ تول کر کے کہتے تھے۔ (۵۹)

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا جس نے اُن کی بڑائی دلوں میں بٹھادی تھی۔ قلبی طور پر استغناء اور ناز کی کیفیت کا غلبہ

زیادہ تھا۔ کام کے سلسلہ میں جب تک دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہیں ہوتی تھی متوجہ نہیں ہوتے تھے۔(۶۰)

وفات:۔

آپ ۶۹-۱۳۶۹ھ کو وزیر اعظم بہاولپور کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے۔ ۲۱ صفر کی شب کو بخار ہوا اور صبح تک طبیعت ٹھیک ہوگئی۔ لیکن آٹھ بجے صبح پھر سینہ میں تکلیف شروع ہوئی اور سانس میں رکاوٹ ہونے لگی اور بالآخر ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو یہ آفتاب علم و عمل ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

روز نامہ نوائے وقت میں ''موت العالم موت العالم'' کے عنوان کے تحت درج ذیل الفاظ لکھے گئے۔

''مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ '' کی وفات سے پاکستان علماء کی صف اول میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو شاید ہی پر ہو سکے۔ مولانا صرف ایک جید عالم مترجم القرآن، مفسر احادیث ہی نہیں بلکہ ایک اچھے سیاستدان اور فصیح البیان مقرر بھی تھے۔ پاکستان کی تاسیس میں قائداعظم کے بعد آپ کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔(۶۱)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات پر پاکستان اور دیگر ممالک اسلامیہ میں بے شمار تعزیتی جلسے ہوئے۔ سلاطین وزراء سفراء، علماء، امراء، نیز سرکاری وغیر سرکاری حکام نے مسلم وغیر مسلم عوام کے ساتھ خاص طور پر اظہار حزن وملال کیا۔

تلامذہ:۔

مرحوم کی کوئی ظاہری اولاد نہ تھی لیکن الحمد للہ انہوں نے اپنی کثیر باطنی اولاد چھوڑی ہے۔ یہ اُن کے تلامذہ ہیں جو زیادہ تر دیو بند اور بعض ڈابھیل میں اُن کے شرف تلمذ سے مشرف ہوئے۔ اُن میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا منظور صاحب نعمانیؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود دائرہ علم ہے۔(۶۲)

تصانیف کا مختصر جائزہ:۔

علامہ عثمانی صاحبؒ نے اپنے علم کا فیضان تقریری اور تحریری دونوں طرح امت مسلمہ کو پہنچایا ذیل میں آپ کی تصنیفات و مقالات کا فقط نام ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) تفسیر عثمانی
(۲) فتح الملہم
(۳) شرح اردو بخاری شریف
(۴) الاسلام
(۵) العقل والنقل
(۶) اعجاز القرآن
(۷) الشہاب
(۸) لطائف الحدیث اور معارف القرآن
(۹) القاسم کی قلمی خدمات
(۱۰) حجاب شرعی
(۱۱) الدار الآخرۃ
(۱۲) سجود الشمس
(۱۳) خوارق عادت

حوالہ جات وحواشی

(۱) محمود حسن، مولانا شیخ الھند، عثمانی، شبیر احمد، علامہ، حمائل شریف: ا۔ مدنیہ پریس۔ بجنور۔ یو۔پی۔ انڈیا۔ ۱۳۵۵ھ

(۲) سمیر عبدالحمید ابراھیم۔ اتجاھات التراجم والتفاسیر القرآنیہ: ۱۵۵، مرکز الدراسات الشرقیہ۔ جامعہ قاھرہ۔ ۱۹۹۰ء

(۳) رشید احمد جالندھری، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم: ۱/۱۷۶۔ نیشنل بک فائونڈیشن۔ اسلام آباد۔ ۱۹۸۹ء

(۴) شیر کوٹی، انوار الحسن ۔ تجلیات عثمانی: ۹۰۔ادارہ نشر المعارف۔ ملتان۔ ۱۹۹۰ء

(۵) عثمانی، شبیر احمد۔ صحیح مسلم مع فتح الملھم: ۱/۳۔ مکتبہ رشیدیہ۔ قاری منزل۔ پاکستان چوک۔ کراچی۔ س۔ن

(۶) تجلیات عثمانی: ۹۰

(۷) الازھری، عبد الصمد صارم۔ تاریخ التفسیر: ۴۴۔ مکتبہ معین الادب۔ اردو بازار لاھور۔ س۔ن۔

(۸) انور شاہ کاشمیری، محمد۔ مشکلات القرآن: ۲۹۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ بیرون بوھر گیٹ۔ ملتان۔ ۱۴۱۴ھ

(۹) گوھر الرحمن، علوم القرآن: ۲/۶۴۴۔ مکتبہ تفھیم القرآن۔ مردان۔ ۲۰۰۲ء

(۱۰) کاندھلوی، محمد مالک، التحریر فی اصول تفسیر: ۱۳۴۔ قرآن محل۔ مولوی مسافر خانہ۔ کراچی۔ س۔ن

(۱۱) زاہد الحسینی، قاضی محمد۔ تذکرۃ المفسرین: ۲۰۰۔ دارالارشاد اٹک شھر۔ پاکستان۔ ۱۴۰۱ھ

(۱۲) بحوالہ تجلیات عثمانی: ۹۵

(۱۳) ملاحظہ فرمائیے سورۃ مریم: ۴۲، ۲/۶۷۹، سورۃ الصافات: ۱۴۴، ۲/۹۷۴، سورۃ التوبہ: ۱/۴، ۲۲، سورۃ الطلاق: ۲/۱۱۸۲، ۶، سورۃ الضحیٰ: ۲/۱۲۷۵، ۶

(۱۴) الانبیاء: ۲/۷۱۷، ۲۲؛ المائدہ: ۱/۲۵۳، ۷۵؛ بنی اسرائیل: ۱:

۶۱۶/۱؛ الاعراف: ۸،۹،۱/۳۱۶؛ الاحزاب: ۴۰،۲/۹۱۶

(۱۵) ماهنامه ''القاسم'' جمادی الاول، ۱۳۳۰ھ: ۲/۳۸

(۱۶) الدهر: ۱، ۲/۱۲۳۳؛ بنی اسرائیل: ۸۵، ۱/۶۳۸ تا ۶۳۱

(۱۷) الروم: ۱ تا ۴، ۲/۸۷۵،۸۷۶؛ سبا: ۱۵،۲/۹۳۱۔۹۳۲

(۱۸) ملاحظه فرمائیے: الکهف: ۱۹،۲/۶۵۵؛ یوسف: ۵۳، ۱/۵۲۲؛ الفتح: ۱۸،۲/۱۰۹۴؛ الکافرون: ۴،۵، ۲/۱۲۹۴؛ الکهف: ۲۳،۲/۶۵۷

(۱۹) عنکبوت: ۴۵،۲/۸۷۰؛ سورة الحج: ۴۷، ۲/۷۴۴؛ سورة آل عمران: ۹۷،۱/۱۱۸

(۲۰) سورة یوسف: ۲۴، ۱/۵۱۲

(۲۱) سورة التحریم: ۱۲؛ ۲/۱۱۱۹ سورة البروج: ۱، ۲/۱۲۵۹، سورة هود: ۴۰، ۱/۴۸۴

(۲۲) تفسیر عثمانی: ۲/۱۲۲۱ سورة الجن: ۲۷،۲/۱۲۱۹، سورة النور: ۳۵، ۲/۷۸۱، ۷۸۲

(۲۳) سورة ہود: ۳۸،۱/۴۸۳؛ سورة مریم: ۹۵۷، ۲/۶۸۶؛ سورة ص: ۲۱ تا ۲۵، ۲/۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲۔

(۲۴) ابو محفوظ الکریم معصومی، مقاله ''مولانا آزاد کی ترجمانی وتفسیر: ۲۳

(۲۵) مزید ملاحظه فرمائیے: سورة الانعام: ۷۵،۱/۲۸۸، سورة الرعد: ۱۳، ۱/۵۴۰، ۵۴۱، سورة الحجر: ۱۸،۱/۵۷۱، سورة النحل: ۶۸، ۱/۵۹۷، سورة النحل: ۱۶، ۲/۸۲۴

(۲۶) اصغر حسین، سید، حیات شیخ الهند: ۹، مطبع قاسمی، دیوبند، س۔ن

(۲۷) تهانوی، اشرف علی، ارواح ثلاثه: ۴۶۸، مکتبه رحمانیه، اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاهور، س۔ن

(۲۸) حیات شیخ الهند: ۹

(۲۹) بخاری، اکبر شاه، اکابر علمائے دیوبند: ۲۹، اداره اسلامیات، انار کلی، لاهور، س۔ن

(۳۰) گیلانی، مناظراحسن، سوانح قاسمی: ۲/۲۱۵، مکتبه رحمانیه، اردو بازار، لاهور، س۔ن

(۳۱) محمد میاں، سید، علماء ہند کا شاندار ماضی: ۵/۹۸، مکتبه رشیدیه، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۲ء

(۳۲) فیوض الرحمن، حافظ، قاری، مشاهیر علمائے دیوبند: ۱/۵۶۵، مکتبه

عزیزیه، اردو بازار، لاهور، ۱۹۷۶ء
(۳۳) حیات شیخ الهند: ۲۳
(۳۴) ماهنامه، بزم قاسمی، جنوری تا فروری (۲۰۰۲): ۴/۱۶، دارالعلوم، فاروق اعظم، کراچی، جنوری، فروری ۲۰۰۲
(۳۵) شفیع، مفتی محمد، مجالس حکیم الامت: ۲۶۱، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانه، کراچی، ۱۳۶۶ھ
(۳۶) عزیز الحسن و مولوی عبدا لحق، اشرف السوانح: ۱/۱۴۱، محمد عثمان مالك كتب خانه اشرفیه، جامع مسجد، دهلی، ۱۳۵۴ھ
(۳۷) غلام رسول مهر، مولانا، سر گزشت مجاهدین: ۵۲۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، انارکلی، لاهور، س۔ ن۔
(۳۸) عبدالله فهد فلاحی، تاریخ دعوت وجهاد: ۱۷۵، مکتبه تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاهور، ۱۹۸۷ء
(۳۹) خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت: ۲۲۴، دارالمؤلفین، اسلام آباد، پاکستان، س۔ ن۔
(۴۰) مدنی، حسین احمد، مولانا، تحریك ریشمی رومال: ۲۴۷، مرتبه، مولانا عبد الرحمن، آغا میر حسین کلاسك، ۴۲، دی مال لاهور، ۱۹۶۶ء
(۴۱) مدنی، حسین احمد، اسیر مالٹا: ۱۶۰، مکتبه زکریا بالمقابل جامع مسجد، عالمگیر مارکیٹ، لاهور، س۔ن
(۴۲) حیات شیخ الهند: ۱۴۴
(۴۳) ارواح ثلاثه: ۴۷۰
(۴۴) گیلانی، مناظر احسن، سید، احاطه دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن: ۱۵۴، مرتبه مولانا اعجاز احمد اعظمی، اداره تالیفات اشرفیه، ملتان، ۱۴۱۸ھ
(۴۵) مشاہیر علمائے دیو بند: ۱/۵۶۹ تا ۵۷۰
(۴۶) انوارا لحسن شیر کوٹی، حیات عثمانی: ص ۲۹، مکتبه دار العلوم کراچی، ۱۹۸۸ء
(۴۷) عثمانی، شبیر احمد، علامه، تفسیر عثمانی: مقدمه (ز)، مکتبه البشریٰ،

کراچی، ۱۴۳۰ھ

(۴۸) مشاہیر علمائے دیوبند: ۱/۲۱۰

(۴۹) ایضاً

(۵۰) رسالہ برھان جنوری ۱۹۵۰ء :۶

(۵۱) ماہنامہ البلاغ ''مفتی اعظم نمبر'': ۱۳۹۹، ۲۱۶ھ

(۵۲) سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۹، ادارہ اهتمام دارالعلوم دیوبند، یو۔پی، ۱۹۷۸ء

(۵۳) ماہنامہ فکر ونظر، اپریل، جون ۱۹۸۹ء :۹۱، ۹۲

(۵۴) محمد حسن الاعظمی، منشور مؤتمر العالم الاسلامی: ۳۵، مطبع سعیدی قرآن محل، کراچی، س۔ن۔

(۵۵) جمیعتہ العلماء کیا ہے، ج۲، ص۲۹بحوالہ حیات عثمانی:۲۱۶

(۵۶) تاریخ دارالعلوم دیو بند: ۲/۱۰۰

(۵۷) اکبر شاہ بخاری، دارالعلوم دیو بند کی پچاس مثالی شخصیات، ص۱۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۱۸ھ

(۵۸) حیات عثمانی: ص ۱۹۰

(۵۹) رسالہ برھان، ۷ جنوری ۱۹۵۰

(۶۰) رسالہ دارالعلوم: ۷، ۸، ماخوذ حیات عثمانی، ص۱۹۲، مئی ۱۹۵۶ء

(۶۱) روزنامہ نوائے وقت ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۳

(۶۲) متعارف، جنوری ۱۹۵۰، ص۳۱۲

حیات عثمانی: ص۔ ۱۸۳

''حیات عثمانی: ص ۱۸۳ (یہ شرح کراچی سے ''فضل الباری کے نام سے چھپ چکی ہے)

تفسیر بیان القرآن کا اجمالی تعارف

تفسیر بیان القرآن کی عظمت اور اعلیٰ علمی مقام کا اعتبار اس لحاظ سے ہوسکتا ہے کہ یہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قلم کا شاہکار ہے جن کی ذات گرامی علم وعرفان، دینی بصیرت وفقاھت، تقوی وطہارت اور شریعت وطریقت میں ایسا بلند وبالا مقام رکھتی تھی کہ اُن کے علم، فقر، زہدوتقوی کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی وہ سلف صالحین کے علوم وفیوض کے صحیح امین ووارث تھے۔

تفسیر بیان القرآن سب سے پہلے ۱۳۲۶ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی اس وقت یہ ڈیڑھ ڈیڑھ سو کے صفحات کی ۱۲ جلدوں پر مشتمل تھی اس کے بعد اِس کے سینکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس تفسیر پر تقریباً تین مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں اِن میں سے ایک پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا سے ڈاکٹر ریحانہ صدیقی کا ہے، دوسرا مقالہ سندھ یونیورسٹی، جامشورو سے ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے لکھا اور تیسرا مقالہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں مولانا عبدالقادر آزاد کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے اور ایک مقالہ تیونس میں بھی اس تفسیر پر لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر ہذا کی یہ خوبی ہے کہ اس میں صحیح روایات اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق کے ساتھ شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گیے ہیں قرأت وتجوید کے مسائل بھی تفصیل سے نقل کیے گیے ہیں مولانا تھانوی صاحبؒ کا طریقہ پروقار اور متین ہے کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہوتا نیز ان کا ترجمہ قواعد کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عربیت کے لحاظ سے بھی بلند پایہ ہے۔

اس تفسیر کی صحیح عظمت ووقعت کا اندازہ اور اس کی قدرومنزلت کا احساس ایسے اہل علم

حضرات کو ہی ہوسکتا ہے جنہوں نے قرآن کے مطالب سمجھنے، سمجھانے میں عمر کا خاص حصہ صرف کیا ہو۔ اور اُن کو تفسیر قرآن کریم سے متعلقہ علوم کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع میسر آیا ہو جن پر مطالب قرآنی کا صحیح طور پر سمجھنا موقوف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''بیان القرآن'' مطالب قرآن پاک سمجھنے کے لیے جس طرح کافی ہے اُسی طرح شکوک وشبہات کا ازالہ، اشکالات، عقلیہ کے حل کے لیے بھی یہ تفسیر زمانہ حاضر کی تفسیروں میں امتیازی شان کی حامل ہے۔ اس کے حکیمانہ اسلوب بیان اور تحقیقانہ استدلال سے ہر شخص اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق استفادہ اور اپنے شکوک وشبہات کا اُزالہ کرسکتا ہے۔

وجہ تالیف:۔

مولانا تھانویؒ تفسیر بیان القرآن کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمہ شائع کرنے شروع کردیے ہیں جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیے۔ جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی۔ ہر چند کے چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان کے مفاسد پر اطلاع دے کر اِن مضرتوں کے روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ کثرت سے ترجمہ بینی کا مذاق پھیل گیا ہے وہ رسالہ اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی ثابت نہ ہوئے۔

تاوقتیکہ ابناء زمانہ کو کوئی ترجمہ بھی نہ بتلایا جاوے جس میں مشغول ہو کر اِن تراجم مبتدعہ مخترعہ سے بے التفات ہو جاویں۔ ہر چند کہ تراجم وتفاسیر محققین سابقین کے بالخصوص خاندان عزیزیہ کے ہر طرح کافی ووافی ہیں مگر ناظرین کی حالت وطبیعت کا کیا جائے کہ بعض تفاسیر میں عربی یا فارسی نہ جاننے کی مجبوری، بعض تراجم میں اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر مانع دلچسپی ہوا۔ تأمل ومشورے سے یہی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جاوے جس کی زبان وطرز بیان وتقریر مضامین میں اِن کے مذاق وضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ رہے اور ساتھ ہی اس کے کوئی ضروری مضمون خواہ جزو قرآن ہو یا اس کے متعلق ہو رہ نہ جائے۔ چند روز تک یہ رائے

صورت تجویز و پیرایہ تذکرہ میں رہی۔ آخر جب احباب کا تقاضہ زیادہ ہوا اور خود بھی اِس کی ضرورت روزانہ مشاہدہ و معائنہ میں آنے لگی۔ آخر بنام خدا محض توکلاً علی اللہ پھر اس اطمینان پر کہ اگر میں کسی قابل نہیں تو کیا ہوا بزرگانِ عصر اصلاح فرما کر اس کو دیکھنے کے قابل کر دیں گے آخر ربیع الاول ۱۳۲۰ھ میں اس کو شروع کرتا ہوں۔ (۱)

تفسیر کا آغاز و اختتام:

اس تفسیر کے ترجمہ کے آغاز و اختتام کا کوئی سراغ نہیں ملتا صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر سے پہلے ترجمہ لکھا گیا ہے۔ البتہ تفسیر کے بارے میں مکمل رہنمائی ملتی ہے کہ ۱۹۰۲ء بمطابق ۱۳۲۰ھ میں لکھنی شروع کی مگر صرف ربع پارے تک ہی لکھ سکے تھے کہ سلسلہ منقطع ہو گیا دوبارہ ۱۹۰۵ء۔ ۱۳۲۳ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۱۹۰۸ء۔ ۱۳۲۵ھ میں ڈھائی سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ (۲)

۲۔ تفسیری مآخذ:۔

مولانا نے اپنی تفسیر لکھنے میں جن تفاسیر سے مدد لی ہے وہ بقول آپ کے یہ ہیں:

تفسیر بیضاوی، تفسیر رحمانی، معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، خازن، تفسیر حقانی، ابن کثیر، لباب، درمنثور، تفسیر کشاف کے ساتھ بعض تراجم قرآن اور الاتقان، قاموس القرآن وغیرہ سے بھی مدد لی ہے۔ (۳)

لیکن زیادہ اعتماد آلوسی کی روح المعانی پر کیا ہے۔ (۴)

۳۔ ترجمہ و تفسیر کی زبان:۔

ترجمہ و تفسیر کی زبان اگرچہ اردو ہے لیکن تفسیر میں عربی و فارسی کا غلبہ ہے جبکہ ترجمہ کے بارے میں مولانا محمد عبداللہ چھپراوی کی رائے ہے ”یہ ترجمہ باعتبار زبان و محاورہ کے نہ تو خالص دہلوی ہے اور نہ لکھنوی بلکہ پوربی بہاری محاورات سے زیادہ ملتا جلتا ہے جبکہ بیان القرآن کے ترجمہ نگار کے مطابق اس میں یو پی کی اردو استعمال کی گئی ہے مثلاً پاویں گے، جاوے گا، بتلایا وغیرہ۔ (۵)

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ ترجمہ و تفسیر کے اسلوب میں بہت فرق ہے ترجمہ عام فہم و آسان زبان میں ہے جبکہ تفسیر میں عربی، فارسی الفاظ کے ساتھ بکثرت اصطلاحات کا استعمال ہے۔

۴۔ ترجمہ کی خصوصیات:۔

ا۔ ترجمہ بین السطور نقل کیا گیا ہے اور حاشیہ میں توضیحی ترجمہ بھی دیا گیا ہے جس سے آیت کا مفہوم تقریباً واضح ہو جاتا ہے۔ توضیحی عبارت بریکٹ میں رکھتے ہوئے ترجمہ کو نمایاں کرنے کے لیے اُس پر لائن کھینچ دی ہے۔

۲۔ بقول مولانا اس ترجمہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ آسان اور عام فہم ہے اور تحت لفظی کی بھی رعایت رکھی گئی ہے۔

۳۔ ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گیے اس لیے کہ محاورے ہر علاقے کے جدا جدا ہوتے ہیں۔

۴۔ ترجمہ میں ترکیب کی رعایت زیادہ کی گئی ہے۔

۵۔ ترجمہ میں مروجہ اردو زبان کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ ترجمہ پر اہل علم کی آرا:۔

ا۔ بیان القرآن کی مقبولیت کا ایک اہم سبب اس کا ترجمہ ہے شیخ الہند مولانا محمود الحسن لکھتے ہیں:۔

> ''بندے کے احباب میں مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اور اشرف علی نے جو ترجمہ کیا ہے احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو خرابیوں سے پاک صاف اور عمدہ ہیں۔'' (٦)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> ''اس ترجمہ میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہیں اور اس ترجمہ میں ایک خاص بات یہ رکھی گئی ہے کہ کم علمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ

سے جو شکوک قرآنی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں اُن کا
ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ بغیر کسی تاویل کے وہ شک ہی پیش نہ آئے۔"
(۷)

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں:

"ترجمہ بامحاورہ و مطلب خیز ہے اور باقی ترجموں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔"(۸)

عبدالشکور ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"ترجمہ بامحاورہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ زبان کی سلاست اور بیان
کی صحت میں بھی وہ بڑے تراجم سے سبقت لے گیا ہے ترجمہ صحیح اغلاط سے
پاک ہے اور زبان فصیح ہے۔"(۹)

تفسیر کے جملہ اجزاء کا تعارف:۔

اس کے اجزاء درج ذیل ہیں اس سے تفسیر کے جملہ پہلو نگاہوں کے سامنے آجائیں گے۔ اور تفسیر کے مطالعہ میں بھی آسانی ہوگی۔

(۱)۔ پہلا حاشیہ بین السطور ترجمہ کے بعد توضیحی ترجمہ دیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ توضیحی عبارت بریکٹ میں دی ہے اور ترجمہ کو مزید نمایاں کرنے کے لیے اس پر لائنیں بھی کھینچ دی ہیں۔

(۲)۔ دوسرا حاشیہ لفظ "ف" لکھ کر متعلقہ آیات کی مختصر تفسیر بیان کی گئی ہے۔

(۳)۔ تیسرا حاشیہ تفسیر میں دو قسم کے عنوانات مستقلاً لگائے گئے ہیں۔ پہلا مضامین منصوصہ قرآنیہ کا ہے یعنی اگر چند آیات ایک ہی مضمون کی ایک ساتھ آئی ہیں تو ان کا مستقل عنوان قائم کردیا ہے مثلاً سورۃ بقرہ کی آیات ۲ تا ۴ ھدی للمتقین سے یوقنون تک مسلمانوں کی صفت بیان کی گئی ہے تو اس کا عنوان "صفات المؤمنین" لکھ دیا ہے۔"

۴۔ چوتھا حاشیہ ہر صفحہ پر "لغات" کے نام سے ہے جس میں اہم لغات القرآن بیان کی گئی ہیں۔

۵۔ پانچواں حاشیہ بلاغت و فصاحت کا "البلاغۃ" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں متعلقہ آیات

کے حوالہ سے بحث کی گئی ہے۔

۶۔ چھٹا حاشیہ ''ملحقات الترجمہ'' کے عنوان سے ہے جس میں ترجمہ کی وجہ اور ترکیب بیان کی ہے۔

۷۔ ساتواں حاشیہ ''الکلام'' کے عنوان سے ہے جس میں متعلقہ آیات سے جو عقیدہ واضح ہوتا ہے اُسے بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ آٹھواں حاشیہ ''الروایات'' کے عنوان سے ملتا ہے جس میں تفسیری روایات کے طرق مروی عنہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۹۔ نواں حاشیہ تفسیری صفحہ کے بالکل نچلے حصہ میں ''حواشی'' کے عنوان سے قائم کیا ہے اس میں عموماً ترجمہ وتفسیر پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے گیے ہیں مثلاً (۱۰)

۱۰۔ دسواں حاشیہ ''النحو'' کے عنوان سے ہے اس کے ذیل میں کسی خاص آیت کی ترکیب بیان کی گئی ہے۔ (۱۱)

۱۱۔ گیارہواں حاشیہ ''ربط'' کے عنوان سے قائم ہے یعنی ایک سورت کا دوسری سورت سے یا ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط کہیں ضمناً بیان کر دیا ہے کہیں باقاعدہ عنوان دے کر بیان کیا ہے۔ (۱۲)

۱۲۔ بارہواں حاشیہ ''مسائل السلوک من کلام ملک الملوک'' کے عنوان سے پہلے عربی میں پھر ''رفع الشکوک ترجمہ مسائل السلوک'' کے عنوان سے اردو ترجمہ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کا قرآن سے اثبات کیا گیا ہے۔

۱۳۔ تیرھواں حاشیہ ہر جلد کے آخر میں منسلک کیا گیا ہے اس کا نام ''وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی'' اس میں قرآنی ترتیب پر ہر جلد کے متعلقہ قرأت سبعہ کی قرأتیں جمع کر دی ہیں اصل کتاب عربی میں ہے۔

۱۴۔ چودھواں حاشیہ بعض رسائل مفیدہ کی شکل میں جلد کے آخیر میں ملحق کر دیا گیا ہے مثلاً ''رسالہ رفع البناء فی نفع السماء'' اس میں ایک سائل کے سوال آسمان سے کیا فوائد ہیں؟ کا جواب دیا گیا ہے۔ (۱۳)

تفسیر کے اِن اجزاء کی وضاحت کے بعد مصنف کا اسلوب تحریر واضح ہونے کی بناء پر تفسیر کا مطالعہ اور اُس سے استفادہ آسان ہوجائے گا اور یہ بات بھی واضح ہوجائے گی کہ متعلقہ مسئلہ کو تفسیر کے کسی جزء میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

''تفسیر کی چند نمایاں خصوصیات''

اس تفسیر کی چند خصوصیات کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے البتہ ''مشکل القرآن'' کے حل کے سلسلے میں مذکورہ تفسیر کے منہج پر فصل ثالث میں تفصیلاً بحث کی جائے گی اور وہیں پر مثالیں بھی ذکر ہوں گی اس لیے یہاں فقط اختصار کے ساتھ نمایاں خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو کہ خود تفسیر بیان القرآن (مکتبہ تالیفات اشرفیہ) کے مقدمے سے ماخوذ ہیں۔(۱۴)

(۱) پہلا اصول اگر تفسیر کسی روایت کی بنیاد پر کی ہے تو کوشش کی گئی ہے کہ وہ روایت صحیح ہو لیکن اگر قرآن سے تفسیر واضح تھی تو اس کی مزید وضاحت یا تائید میں پیش کی جانے والی حدیث کی صحت پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

(۲) قرآن مجید کے اول تا آخر تک ماقبل کے ساتھ انتہائی سہل زبان میں ربط بیان کیا گیا ہے۔

(۳) جتنی آیات کی تفسیر مضامین کے تناسب کی وجہ سے ایک جگہ لکھی ہے اُن کے شروع میں ایک جامع عنوان لکھ دیا ہے۔

(۴) جو مضامین متعدد جگہ آئے ہیں اُن پر کسی جگہ مفصلاً لکھ کر بقیہ مقامات پر حوالہ دے دیا گیا ہے یا پہلی جگہ اِس دوسری جگہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(۵) تفسیر کے بیان میں قواعد میزانیہ منطقیہ کی پوری طرح رعایت کی ہے۔

(۶) سلف کے خلاف متاخرین کے اقوال کو نہیں لیا گیا۔

(۷) جہاں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں اُن میں سے جن کو روایت یا ذوق عربیت سے راجح سمجھا اسی کو اختیار کرلیا گیا جہاں دونوں مساوی معلوم ہوئے وہاں دونوں کو نقل کیا ہے۔

(۸) ضرورت سے زائد کوئی مضمون نہیں لکھا۔

(۹) ترجمہ میں محاورے کی نسبت ترکیب کی رعایت زیادہ کی ہے۔

(۱۰) سابقہ آسمانی کتب سے متعلق مضامین تفسیر حقانی سے نقل کیے ہیں۔

(۱۱) لطائف، نکات، حکایات اور فضائل کے ذریعہ تفسیر کو طویل نہیں کیا مقصود صرف حل القرآن رکھا گیا ہے۔

(۱۲) اختلافی مسائل میں صرف مذہب حنفی کو لیا گیا ہے، دوسرے مذاہب کو ضرورت کے تحت حاشیے میں لکھ دیا ہے۔

(۱۳) تفسیر میں جہاں استاذی لکھا ہے وہاں اس سے مراد مولانا محمد یعقوبؒ ہیں جہاں مرشدی لکھا ہے وہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہیں جہاں کچھ نہیں لکھا وہاں ذاتی یادداشت ہیں۔

(۱۴) جہاں شرح صدر نہیں ہوا وہاں تصریح کر دی ہے اور قاری سے کہا ہے کہ اگر اس سے بہتر میسر ہوں تو اُس سے رجوع کر لے۔

(۱۵) فقہ اور کلام کے مسائل پر اُسی قدر اکتفا کیا جس پر قرآن کی تفسیر موقوف تھی۔

(۱۶) انہی شبہات کے جواب کا اهتمام کیا گیا ہے جن کا منشاء کوئی دلیل صحیح ہو، یعنی کوئی آیت یا حدیث یا امر ثابت بالحس یا عقل ہو۔

(۱۷) جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے اُس کے مقابل کسی کا قول نہیں لیا۔

(۱۸) جہاں کسی کتاب سے من وعن عبارت لی ہے وہاں صرف نام لکھ دیا ہے جہاں متن میں تغیر کر کے لیا ہے یا صرف مفہوم اخذ کیا ہے وہاں کتاب کے نام کے ساتھ لفظ ''من'' لگا دیا ہے علمی مباحث قرأت، لغت، بلاغت وغیرہ کی زبان عربی رکھی ہے تا کہ عوام اس طرف ملتفت ہو کر مشوش نہ ہوں۔

مصنف کی اپنی تفسیر کے بارے میں رائے:۔

مولانا تھانوی نے ایک دفعہ خود اپنی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ'' بیان القرآن میں سب الہامی مضامین ہیں یہ تفسیر میں نے کامل شرح صدر کے ساتھ لکھی ہے اِس کی قدر تو اُن لوگوں کو ہوگی جنہوں نے کم از کم بیس معتبر تفاسیر کا مطالعہ کیا ہو۔ (۱۵)

تفسیر کے بعض مقامات لکھنے سے قبل میں آدھ آدھ گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر شرح صدر ہوا اور جن مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا۔ وہاں اس کا صاف اظہار کر دیا اور لکھ دیا اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اُسی کو اختیار کیا جائے چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہی ہیں ایک سورۃ برأت میں ایک سورۃ حشر میں۔(۱۶)

تفسیر پر اہل علم کی آراء:۔

بہت سے اہل علم نے اس تفسیر کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں۔

''مولانا نے اپنی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا ہے۔ فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ شبہات اور شکوک کو حل کیا گیا ہے۔ صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں۔ تمام کتبِ تفاسیر کو سامنے رکھ کر اُن سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ یہ تفسیر تیرھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے اس لیے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔(۱۷)

مولانا انور شاہ کاشمیری نے فرمایا ہے:

> ''میں سمجھتا تھا کہ یہ تفسیر عوام الناس کے لیے لکھی گئی ہے لیکن تفسیر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اِس سے علماء بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں''۔(۱۸)

انہی کا ایک قول بیان القرآن (مطبع ادارہ تالیفات اشرفیہ) کے مقدمہ میں بھی منقول ہے:۔

> ''میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اردو کا دامن علم و تحقیق سے خالی ہے لیکن مولانا تھانوی کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب میں سمجھتا ہوں کہ اردو بھی بلند پایہ علمی تحقیقات سے بہرہ ور ہے''۔(۱۹)

مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:۔

''تفسیر بیان القرآن اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں ثری سے ثریا تک پہنچ گئی ہے''۔(۲۰)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں:۔

تفسیر ''بیان القرآن'' میں بڑی بڑی کتابوں کی مسبوط اور مفصل بحثوں کا خلاصہ اور نتیجہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے''۔(۲۱)

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

> ''حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ'' کی تفسیر بیان القرآن اپنے مضامین کے اعتبار سے بے نظیر ہے اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب انسان تفسیر کی ضخیم جلدیں کھنگالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے گا''۔(۲۲)

مولانا گوہر الرحمن اپنی کتاب ''علوم القرآن'' میں اس طرح اقمطراز ہیں:۔

> ''حضرت مولانا تھانویؒ کو چونکہ تمام علوم وفنون میں پختگی اور رسوخ حاصل تھا اس لیے اُن کے ترجمے اور تفسیر میں مختلف علوم وفنون کے لطائف و دقائق کو ملحوظ رکھا گیا ہے''۔(۲۳)

”مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مختصر سوانح حیات“

ولادت:۔

حضرت اشرف علی تھانوی کی پیدائش کے بارے میں سوانح نگاروں اور مورخین کے اقوال میں ماہ ولادت کی تعین میں اختلاف ہے جبکہ تاریخ وسن ولادت میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تاریخ پیدائش کے متعلق عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں۔

”حضرت والا کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبح صادق واقع ہوئی“۔(۲۴)

بعض کے نزدیک ربیع الاول کے مہینہ میں پیدائش ہوئی (۲۵) جبکہ بعض کے مطابق ربیع الآخر (۲۶) اور کچھ کے نزدیک ماہ ولادت جمادی الثانی ہے۔(۲۷) سن عیسوی کے حساب سے تاریخ پیدائش ۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء ہے۔(۲۸)

وطن مالوف:۔

مولانا تھانویؒ ”تھانہ بھون“ میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کی حکومت سے پہلے راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر میں ایک قلعہ اپنے نام سے آباد کیا جو ”تھانہ بھیم“ کہلایا۔ پھر مسلمانوں کی آمد و سکونت پر اس کا نام ”محمد پور“ ہوا۔ جسکا ثبوت اس وقت کے شاہی کاغذات سے ملتا ہے۔ مگر یہ نام مقبول و مشہور نہ ہوا اور وہی پرانا نام معروف رہا البتہ تھانہ بھیم سے ”تھانہ بھون“ ہوگیا۔ اسی کی نسبت سے مولانا تھانوی کہلائے۔(۲۹)

نام ونسب:۔

مولانا تھانویؒ کا دادھیالی نام عبدالغنی تھا۔ مگر حافظ غلام مرتضی پانی پتی نے جن کی اُن کے نھیال پر خاص التفات تھی اور ان کے گھر آنا جانا تھا۔ ان کا نام ”اشرف علی“ تجویز کیا۔ چناچہ آپ اسی نام سے مشہور خلائق ہوئے۔ مولانا کے والد گرامی کا نام منشی عبدالحق تھا۔ آپ کے والد بڑے اہل دل بزرگ تھے۔(۳۰)

مولانا اشرف علی تھانوی ایک مقتدر خوشحال خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں ظاہری شوکت و شرافت کے ساتھ ساتھ علم اور روحانیت بھی سمٹ آئی تھی۔ جب سلطنت غزنویہ پر زوال آیا تو آپ کے جداعلیٰ سلطان شہاب الدین علی فرخ شاہ والی کابل تھے۔ اس پر جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر انہوں نے کئی بار ہند کے کافروں کو زیر کیا اور خود بامراد ہوئے۔ لیکن قدرت نے ان کے مقدر میں حکمرانی اور جاہ وجلال کے ساتھ ساتھ دین کی سربلندی وسرفرازی بھی لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ آخر میں کابل کے کوہساروں کو گوشہ عزلت بنا کر یہ بزرگان چشت کے سلسلہ میں منسلک ہو کر ایک عالم کو روحانی فیوضات و برکات سے بہرہ مند کرتے رہے اور آج یہ مقام درّہ شاہ فرخ کے نام سے مشہور و مقبول ہے۔ (۳۱)

مولانا تھانویؒ کے والد محترم کا تعارف کرواتے ہوئے عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں۔

> ''مولانا تھانویؒ دادھیال کی طرف سے فاروقی اور ننھیال کی طرف سے علوی ہیں۔ والد کا اسم مبارک عبدالحق تھا آپ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک مقتدر رئیس اور صاحب نقد و جائیداد تھے فارسی میں بہت اعلیٰ مہارت رکھتے تھے اور اچھے انشاء پرداز تھے۔ وہ باقاعدہ عربی خواندہ تو نہ تھے۔ لیکن ان کے مخارج بہت صحیح تھے اور گو حافظ تو نہ تھے لیکن ناظرہ ایسا رواں تھا کہ بعض اوقات حافظوں کو بھی لقمہ دیا کرتے تھے۔ میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے۔ باجازت رئیس باغات اور تعمیرات کے ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے''۔ (۳۲)

آپ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ذکی الفہم صاحب بصیرت اور صاحب نسبت بی بی تھیں۔ (۳۳)

مولانا تھانوی کا لقب ''حکیم الامت'' ہے جو سب سے پہلے مرزا محمد بیگ مرحوم نے آپ کے پتہ میں تحریر فرمایا تھا۔ (۳۴)

مولانا تھانویؒ اپنا سلسلہ نسب بیان کرتے ہیں۔

''اشرف بن منشی عبدالحق بن حافظ فیض علی بن غلام فرید شہید بن محمد جلال بن رحمت اللہ بن امام اللہ (جو ۹۸۳ھ میں موجود تھے) ابن عتیق اللہ خطیب (صاحب فرمان مصدرہ ۸ جمادی الاول ۲ جلوس عالمگیری) ابن حافظ حبیب اللہ (صاحب فرمان عہد جہانگیری) ابن شیخ آدم (صاحب فرمان عہد اکبر اول بشرکت برادر خود فرید) ابن مولانا صدر جہاں جد اعلیٰ خطیبان موجود دور ۹۷۰ھ بعہد اکبر اول (۳۵) شجرہ نسب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا تھانویؒ کے خاندان میں علم وتقوی نسل درنسل چل رہا تھا۔ یہاں دادھیال کے ساتھ ننھیال کا ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کیونکہ آپ کے ننھیال بھی اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ جیسا کہ اُن کے ماموں امداد علیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک زبردست صاحب حال وقال بزرگ تھے۔(۳۶)

ان کے نانا بھی بہت بڑی علمی شخصیت تھے۔ جن کا تعارف صاحب سیرت اشرف یوں کراتے ہیں۔

''پیر جی نجابت علی اعلیٰ فارسی دانی، انشاء پردازی، لطیفہ گوئی، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بہت مشہور ومقبول تھے۔ اور ریاست کنج پورہ میں بعہدہ وکیل ریاست تھے۔ اُن کی ذات پر ذکر وشغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ انہوں نے خود کو فکر معاش وادائے حقوق سے بے نیاز کرلیا''۔(۳۷)

مولانا تھانویؒ کو دینی فراست، تقوی، ایمان وعمل جیسی نعمتیں اپنے دادھیال اور ننھیال دونوں طرف سے ملی۔ انہی صفات جمیلہ کی وجہ سے آپ مرجع خلائق بنے۔

تحصیل علم:

مولانا تھانویؒ کے والد صاحب نے اپنے بڑے بیٹے اشرف علی تھانویؒ کو عربی اور دینیات جبکہ چھوٹے بیٹے اکبر علی کو انگریزی تعلیم میں لگا دیا چنانچہ ایک مرتبہ مولانا تھانوی کی تائی

صاحبہ نے آپ کے والد مرحوم سے کہا کہ بھائی تم نے چھوٹے لڑکے کو انگریزی تعلیم میں لگا دیا وہ تو خیر اچھا کمائے گا اور بہتر زندگی گزارے گا جبکہ بڑا عربی پڑھ رہا ہے۔ وہ کہاں سے کھائے گا اور اس کا گزارا کیسے ہوگا۔ اس پر آپ کے والد محترم فرمانے لگے۔ بھابھی صاحبہ تم یہ کہتی ہو کہ یہ عربی پڑھ کر کہاں سے کھائے گا؟ خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو اُس جیسے اس کی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے۔ اور یہ اُن کی جانب رخ بھی نہیں کرے گا۔ (۳۸)

اور وقت نے اُن کے والد کا کہا سچ کر دکھایا اور مولانا کو اپنوں اور بیگانوں میں مقبول بنا دیا۔

آپ کی تعلیم کا آغاز کلام پاک سے ہوا اور قرآن پاک کے چند پارے آپ نے کھتولی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے آخون جی سے پڑھے۔ پھر باقی سارا قرآن حافظ حسین علی سے جو دہلی کے باشندے تھے اور میرٹھ رہا کرتے تھے، اُن سے حفظ کیا اور دس برس کی عمر میں حفظ سے فراغت پالی۔ (۳۹)

یہ وہ دور تھا جس میں تعلیم کا آغاز فارسی سے کیا جاتا تھا۔ اس لیے آپ نے فارسی کی ابتدائی تعلیم میرٹھ کے اساتذہ سے ہی حاصل کی۔ متوسطات تھانہ بھون میں مولانا فتح محمد سے پڑھیں اور انتہائی کتب فارسی ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی سے پڑھیں جن کا شمار ادب کے کامل اساتذہ میں ہوتا تھا۔ (۴۰)

عربی کی ابتدائی کتب مولانا نے اپنے تھانہ بھون میں ہی مولانا فتح محمد سے پڑھیں مگر اس کی باقاعدہ تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچ کر حاصل کی۔ مشکوۃ شریف، مختصر المعانی، نورالانوار ملاحسن سے شروع کی۔ آپ اخیر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں اِس سلسلہ میں داخل ہوئے یعنی تقریباً پانچ سال کے عرصہ میں جبکہ ابھی ۱۹، ۲۰ برس کے تھے فارغ التحصیل ہو گئے۔ (۴۱)

آپ انتہائی ذھین، اور محنتی طالب علم تھے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کی طالب علمی کے زمانے کی خوبیاں ذکر کی ہیں۔ مثلاً مفتی وکیل احمد نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:
''مولانا تھانوی وقت ضائع کیے بغیر ہر وقت تعلیم میں منہمک رہتے تھے۔ جس کا اندازہ ذیلی واقعہ سے ہوتا ہے۔ دوران تعلیم حضرت کو خارش کا مرض لاحق ہوا جبکہ آپکی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ چھٹی لے

کر اپنے مکان تھانہ بھون تشریف لے گئے اور چونکہ طالب علمی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور خالی رہنا مشکل تھا۔ اس لیے بطور مشغلہ کے مثنوی زیر و بم تصنیف فرمائی۔" (۴۲)

مولانا عبدالرشید ارشدؒ لکھتے ہیں:

"جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لیے تشریف لائے تو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے اپنے اس ہونہار طالب علم کی ذہانت و ذکاوت کی بطور خاص مدح فرمائی۔ حضرت گنگوہی نے مشکل مشکل سوالات کیے اور اُن کے جواب سن کر مسرور ہوئے۔" (۴۳)

مولانا کے اخلاق و اوصاف:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اعلیٰ اخلاق و اوصاف کے حامل تھے۔ انہی خوبیوں کی بناء پر وہ ہادیٔ مخلوق ہوئے اور ایک رہنما کی حیثیت سے کئی سال لوگوں کو دین حق کے راستہ پر لگایا۔ ان کی نمایاں اخلاقی خصوصیات میں ظاہر و باطن میں مطابقت، ادب، شرم وحیا، تقوی، ایمان کامل، استغناء عن المخلوق، اعتدال و توازن، عاجزی و انکساری، زہد، ایثار و قربانی، حفاظت امت، ترک مالایعنی اور استقامت وغیرہ شامل ہیں۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

"افراط و تفریط اکثر بزرگوں اور اولیائے امت میں ہوا کرتی ہے۔ کوئی کسی خصلت میں بہت بڑھا ہوا اور کوئی کسی خصلت میں۔ توازن و اعتدال حضرات انبیاء کا خاصہ ہوتا ہے۔ اسی سیرت انبیائی کی جھلک آپ میں دیکھنے میں آئی۔ ہر کام اپنے وقت پر، ہر چیز اپنی جگہ پر۔ کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، سب کے ضابطے، سب کے آداب، ہر گفتگو ایک مقصد لیے ہوئے، بے مقصد گفتگو جیسے جانتے ہی نہ تھے۔ زبان پر اتنا قابو میں نے کسی بزرگ کا نہ پایا اور وظائف پر جو زور دوسرے آستانوں پر رہتا ہے اُس کا یہاں نام ہی نہ تھا۔ رسوم سے اجتناب، نمائشی تکلفات سے احتراز، بس اپنے کام سے کام، دوسروں کو زحمت سے بچانے کا کامل اہتمام، بندوں کی خدمت عبادت کے درجہ میں یہی

خصوصیات مجلس اشرفی کے دیکھنے میں آئیں۔"(۴۴)

اساتذہ:۔

کسی بھی طالب علم کی علمی اور ذہنی صلاحیتوں کا دارومدار اساتذہ پر ہوتا ہے۔مولانا کی خوش قسمتی تھی کہ اُنہیں اُس وقت کے بہترین اساتذہ نصیب ہوئے جو علم وعمل کے پہاڑ اور انتہائی شفیق مربی ورہنمائی کی حیثیت رکھتے تھے۔اُن کے نمایاں اساتذہ میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:

مولانا اخون جیؒ، حافظ حسین علیؒ، مولانا فتح محمد تھانویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا سید احمد دہلویؒ، قاری محمد عبداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمود حسنؒ، وغیرہ۔

تلامذہ:۔

حضرت اشرف علی کی بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ البتہ بہت سی روحانی اولاد آپ نے چھوڑی جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور دنیا وآخرت میں سر بلندی کا باعث ہے استاد کی قابلیت کا اندازہ اس کے ہونہار اور قابل تلامذہ سے ہی ہوتا ہے۔آپ کے نمایاں شاگردوں میں درج ذیل شخصیات شامل ہیں:

مولانا محمد رشید کانپوریؒ، مولانا محمد اسحاقؒ بردوائی، مولانا احمد علیؒ فتح پوری، مولانا صادق الیقینؒ کرسوی، مولانا فضل حقؒ بارہ بنکی، مولانا شاہ لطف الرسولؒ بارہ بنکی، مولانا حکیم محمد مصطفیٰؒ بجنوری، مولانا سید اسحاق علیؒ کانپوری، مولانا سعید احمدؒ اٹاوی، وغیرہ۔

مولانا کی علمی خدمات:

مولانا کی ساری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں صرف ہوئی۔آپ نے بے شمار کتب تصنیف فرمائیں۔

مولانا تھانوی ۱۳۰۱ھ کے آغاز میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اُس وقت آپکی عمر ۱۹۔۲۰ برس کے لگ بھگ تھی۔مولانا تھانوی کی شخصیت کا اپنا آپ ایک رنگ تھا اور پوری فضا کو وہ اُس رنگ میں رنگ دینا چاہتے تھے اس لیے کہ آپ صرف عالم دین نہ تھے۔ بلکہ صوفی بھی تھے۔

عالم دین کے پاس صرف نظریہ ہوتا ہے وہ اپنے شاگردوں کو علم عطا کر دیتا ہے جبکہ صوفی اس رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی:

''عالم دین رنگ فروش ہے۔ رنگ بیچتا ہے مگر چڑھا نہیں سکتا۔'' ''جبکہ''

''مرشد اصل رنگ ریز ہوتا ہے جو سالک کو خدا کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔'' (۴۵)

مولانا تعلیم سے فراغت کے بعد ''فیض عام'' کی صدر مدرسی پر فائز ہو گئے وہاں سے بعض وجوہات کی بناء پر استعفی دے دیا اور پھر وہیں کانپور میں محلہ پٹکا پور میں ایک نیا مدرسہ ''جامع العلوم'' قائم ہوا اس مدرسہ میں مولانا تقریباً ۱۴ سال تک درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر کانپور چھوڑ کر تھانہ بھون تشریف لے آئے اور خانقاہ امدادیہ کو رونق بخشی اور حضرت شیخ نے مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا:

بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اُمید ہے کہ خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ اور مسجد کو از سرنو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے لیے دعا کرتا ہوں۔'' (۴۶)

اس طرح کانپور سے مدرسہ کا تعلق ترک کرنے کے بعد حضرت مستقلاً تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے۔ (۴۷)

اس کے بعد'' خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلاً علی اللہ قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت کی ساری زندگی تقریباً نصف صدی تک تصنیف وتالیف میں اور مواعظ وملفوظات میں بسر ہوئی۔ (۴۸)

تصنیف وتالیف:۔

مولانا تھانویؒ عدیم الفرصت آدمی تھے۔ خانقاہ میں واردین سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔

بیعت واصلاح کا سلسلہ چل رہا ہے سالکین کے خطوط وصول ہورہے ہیں ان کے سوالات کے جواب دیے جارہے ہیں۔ مقتدر، معتبر علمی شخصیات اور اپنے اپنے مقام پر مقتداء ہستیاں کئی اشکالات اذہان میں لیے دربار اشرفیہ میں حاضر ہورہی ہیں، عبادات واذکار واشغال کا اہتمام ہورہا ہے، ایسے میں تصنیف وتالیف کا کام کرامت سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

یہ ساری مصروفیات ہونے کے باوجود آپ کثیر التصانیف تھے اس سلسلہ میں مورخ اسلام سید سلیمان ندویؒ کی رائے یہ ہے۔

عُلمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں تھی۔ جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے۔ حافظ خطیب بغدادی امام رازی، حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلے میں لیے جاسکتے ہیں۔ ہندوستان میں مولانا ابوالحسنات عبدالحئی، فرنگی محل اور نواب صدیق خان مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں۔ اس سلسلہ کا آخری نام مولانا تھانوی کا ہے۔ ۱۳۵۴ھ میں مولوی عبدالحق صاحب فتح پوریؒ نے بڑی تقطیع کے ۲۷ صفات کی جو فہرست ''تالیفات اشرفیہ'' کے نام سے شائع کی تھی۔ اس کی رو سے آپ کی چھوٹی بڑی سب تصانیف کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے۔ اور اگر اِس فہرست میں اُن کتابوں کو بھی شامل کرلیا جائے جن کے ذریعہ اہل علم نے کسی دینی غرض سے توجہ و تصرف فرمایا یعنی تسہیل مضامین کی مختلف مقامات سے مضامین کا خلاصہ شائع کیا تو یہ تعداد نو سو سے اوپر جا پہنچتی ہے۔'' (۴۹)

مولانا تھانویؒ نے کسی ایک علمی میدان میں قلم آزمائی نہیں فرمائی بلکہ ''مسلمانوں کے لیے دین ودنیا کو کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر حضرت والا رحمۃ اللہ کی سیر حاصل مستند ومعتبر تصانیف ومواعظ وملفوظات نہ ہوں۔ نصائح ووصایا کا بھی نہایت جامع ومانع مکمل دستور العمل بھی مرتب فرمایا۔'' (۵۰)

''آپ نے تفاسیر واحادیث، تصوف وفقہ کے بڑے بڑے عمیق ودقیق علوم کو انتہائی سہل

انداز میں بیان فرما دیا لطیف نکات کی ایسی غائر تحقیقات فرمائیں کہ ایک دنیائے اہل علم انگشت بد نداں ہے۔ نظر ایسی نکتہ رس اور عارفانہ کہ بڑے بڑے صوفیاء اور عارفین کی نظر بھی وہاں نہ پہنچ سکی۔ بڑے بڑے غامض مضامین کو مثالوں سے پانی کر دیا۔" (۵۱)

الغرض مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات مختلف النوع اور کثیر الاقسام اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ ان سب کا تعارف ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اُن میں سے کچھ اہم تصانیف کا فقط نام ذکر کیا جا رہا ہے۔

علوم القرآن اور علم تفسیر پر لکھی جانے والی کتب:۔

۱۔ تنشیط الطبع فی اجزاء السبع
۲۔ وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی
۳۔ جمال القرآن
۴۔ تجوید القرآن
۵۔ یادگار حق القرآن
۶۔ سبق الغایات فی نسق الآیات
۷۔ اصلاح ترجمہ مرزا حیات
۸۔ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک
۹۔ التقصیر فی التفسیر
۱۰۔ ادب القران
۱۱۔ بیان القرآن

مختلف موضوعات پر تصانیف:۔

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر یہاں فقط چند کتابوں کا نام ذکر کیا جا رہا ہے سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ اگر ان کی تمام کتب کا فقط نام ہی ذکر کیا جائے تو وہ ایک دفتر کا متقاضی ہوگا۔

۱۔ بہشتی زیور
۲۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب
۳۔ حیاۃ المسلمین
۴۔ تعلیم الدین
۵۔ بوادر النوادر
۶۔ التکشف عن مہمات التصوف
۷۔ انفاسِ عیسی
۸۔ اصلاح انقلاب امت

۹۔تربیت السالک
۱۰۔جامع الاثار
۱۱۔تابع الاثار
۱۲۔الاکسیر فی اثبات التقدیر
۱۳۔تعلیم الدین
۱۴۔تکمیل التصوف
۱۵۔مسائل السلوک
۱٦۔معارف المعارف
۱۷۔آداب المعاشرت
۱۹۔اصلاح الرسوم
۲۰۔اغلاط العوام
۲۱۔الروضۃ المناظرہ
۲۲۔الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
۲۳۔خیر الدلالۃ
۲۴۔اصلاح النساء
۲۵۔احکام الایقان
۲٦۔روح الحوار
۲۷۔روح الافطار
۲۸۔خیر المال للرجال
۲۹۔انوار السراج
۳۰۔فوائد الصحبت
۳۱۔التہذیب (چھ حصے)

مولانا تھانویؒ کی رحلت:۔

بیسویں صدی کی یہ نابغۂ روزگار شخصیت ۱٦ رجب المرجب ۱۳٦۲ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کو اس جہاں فانی سے رخصت ہوگئی۔(۵۲)

مولانا تھانویؒ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ان کی سیرت کے اتنے الوان تھے کہ ان تمام پہلوؤں کا تذکرہ اور ان تمام الوان کا تعارف ایک مفصل دفتر کا متقاضی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تهانوی ،اشرف علی.مولانا ،بیان القرآن : ۱/۱۳اداره تالیفات اشرفیه .ملتان،۲۰۰۵ھ
(۲) اشرف السوانح :۳/۴۸
(۳) مقدمه بیان القرآن. تالیفات اشرفیه
(۴) بیس بڑے مسلمان: ۳۲۲
(۵) صلاح الدین ،ڈاکٹر. بیان القرآن کا تحقیقی جائزہ، مجله فکره نظر: ۳۶/۳.۴. ص۱۸۵۔ (۱۹۹۹)، جنوری
(۶) مقدمه تفسیر عثمانی:۱/۱. مکتبه البشری، کراچی
(۷) سید سلیمان ندوی. یادرفتگاں: ۳۵۳. مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۳
(۸) مجله فکرو نظر، جنوری ۱۹۹۹ء، ۳۶/۳.۴/۱۸۸
(۹) الحسن (ماهنامه)، حضرت تهانوی نمبر: ۲۲۳، اکتوبر ۱۹۸۷۔
(۱۰) بیان القرآن :۱/۲۱۔ (یہاں پر بسم اللہ پر وارد ہونے والے شبہ کا جواب مذکور ہے) مکتبه رحمانیه ،لاهور۔
(۱۱) تفسیر بیان القرآن: ۱/۲۶۶؛ ۱/۵۲۰؛ ۱/۳۵۱؛ ۱/۱۱۱
(۱۲) تفسیر بیان القرآن: ۱/۵۰؛ ۱/۱۸۰
(۱۳) بیان القرآن :۱/۲۱۲۔ ۲۱۴
(۱۴) مقدمه بیان القرآن :۱/۱۳۔ ۱۶ اداره تالیفات اشرفیه
(۱۵) ماهنانه الحسن. تهانوی نمبر:۱۴۱، ماہنامه الحسن. تهانوی نمبر: ۱۴۱
(۱۶) ایضاً:۱۴۲
(۱۷) ماهنانه. الحسن، حضرت تهانوی نمبر:۱۲۰
(۱۸) تاریخ دارلعلوم دیوبند:۲/۲۰۶
(۱۹) مقدمه بیان القرآن:۱/۱، اداره تالیفات اشرفیه. اداره تالیفات اشرفیه
(۲۰) أیضاً

(۲۱) أیضاً
(۲۲) عثمانی، محمد تقی، شیخ الاسلام، علوم القرآن: ۵۰۷، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۴۲۶ھ
(۲۳) گوھر الرحمن، مولانا، علوم القرآن: ۲/۶۱۶
(۲۴) مجذوب، عزیز الحسن، خواجہ، اشرف السوانح: ۱/۱۹، ادارہ تالیفات، اشرفیہ، ملتان، ۱۴۱۶ھ
(۲۵) شیروانی، وکیل احمد، مفتی، اشرف المقالات: ۱/ ۷۳، مجلس صیانۃ المسلمین، جامعہ اشرفیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء
(۲۶) اشرف المقالات: ۱/۷۱
(۲۷) عبد الرحمن خان، منشی، سیرت اشرف: ۱/ ۶۱، شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۷ء
(۲۸) اکرام، شیخ محمد، موج کوثر: ۲۰۴، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء
(۲۹) ارشد، عبد الرشید، بیس بڑے مسلمان: ۳۰۸، مکتبہ رشیدیہ لیمٹیڈ، لاھور، س۔ن۔
(۳۰) اشرف المقالات، ۱/۷۳
(۳۱) غلام محمد، حیات اشرف: ص۲۱، مکتبہ تھانوی، کراچی، ۱۹۶۳ء
(۳۲) اشرف السوانح: ۱/۱۱
(۳۳) اشرف السونح: ۱/۱۱
(۳۴) اشرف السوانح: ۱/۸۱
(۳۵) سیرت اشرف: ۱/۵۵
(۳۶) بیس بڑے مسلمان: ۳۰۹
(۳۷) سیرت اشرف: ۱/۵۶
(۳۸) بیس بڑے مسلمان: ۳۰۸
(۳۹) اشرف المقالات: ۱/ ۱۷۱
(۴۰) ایضاً

(۴۱) سیرت اشرف: ۱/ ۶۸

(۴۲) اشرف المقالات: ۱/ ۷۵

(۴۳) بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱

(۴۴) دریا بادی، عبد الماجد، مولانا، معاصرین: ۱۷، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ ن

(۴۵) یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف: ۱۳، دار الکتاب، لاہور، س۔ ن

(۴۶) عبد الحی عارفی، ڈاکٹر، مآثر حکیم الامت: ۵۱، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۷ھ

(۴۷) ایضاً

(۴۸) ایضاً

(۴۹) سیرت اشرف: ۴۸۸، ۴۸۹

(۵۰) مآثر حکیم الامت: ۱۶۳

(۵۱) مآثر الامت: ۱۶۰

(۵۲) اشرف السوانح: ۱/ ۶۰

فصل سوم :۔

’’اشکالات قرآنی کے حل میں تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کا منہج‘‘

پچھلی فصول میں مذکوہ تفاسیر کا تعارف اور چند امتیازی خصوصیات اختصار سے ذکر کی جا چکی ہیں اس فصل میں خاص اس علم ’’مشکل القرآن‘‘ کے حوالے سے اِن تفاسیر کے منہج پر بحث کی جائے گئی کہ قرآن کے اندر جس قسم کا بھی اشکال وارد ہوتا ہے اِن مفسرین نے اُس کو کس طرح سے دور کیا ہے۔ دونوں مفسرین کا انداز ایک دوسرے سے کافی مختلف ہے اور یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ تفسیر عثمانی ایک عوامی سطح پر لکھی جانے والی عام فہم تفسیر ہے جبکہ ’’بیان القرآن‘‘ علماء اور عوام دونوں کے استفادہ کے لیے یکساں مفید ہے۔

تفسیر عثمانی مختصر ہونے کے باوجود اس لحاظ سے ’’حل اشکالات‘‘ میں معاون ہے کہ بڑے بڑے فنی مسائل اور ثقیل اصطلاحات اور مشکلات کا تذکرہ کیے بغیر ایسی جامعیت اور خوبصورتی کے ساتھ آیات کی وضاحت کرتی ہے کہ ایک عام قاری کے ذہن میں قرآن پڑھتے ہوئے جو عمومی اشکالات وارد ہوتے ہیں وہ بھی دور ہوتے جاتے ہیں نیز ایک عالم بھی اس سے استفادہ کرسکتا ہے کہ بڑے دقیق نحوی، بلاغی اور لغوی مسائل مثلاً آیات میں تقدیم وتاخیر، حروف کا مختلف معنوں میں استعمال، انتشار ضمائر، تکرار مضامین کی حکمت، اسلوب میں التفات کی وجہ، غریب الفاظ کی وضاحت، متعارض آیات کی توجیہات، آیات کے اندر حصر اور ایجاز وغیرہ فقط تفسیر کے مطالعہ سے ہی یہ سب بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے خود بخود حل ہوتے جاتے ہیں البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس تفسیر میں ان تمام مسائل اور تمام فنون سے متعلق مشکلات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ایسا ممکن بھی نہیں ہے البتہ اس میں نحوی، بلاغی اور لغوی مشکلات کی کچھ کچھ مثالیں مل جاتی ہیں۔ تفسیر عثمانی میں زیادہ تر اُن اشکالات سے بحث کی گئی ہے جو عام شخص کے ذہن میں مطالعہ قرآن کے وقت پیدا ہوتے ہیں جیسے ایک کم علم شخص کو اکثر مضامین قرآن میں تعارض کا احساس ہوتا ہے یا بار بار ایک بات

کی تکرار کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی یا بہت سے عمومی مسائل مثلاً مسئلہ عصمت انبیاء، جنت دوزخ کے متعلق وضاحت، سماع موتی، مسئلہ تقدیر، مسئلہ خلق خیر وشر وغیرہ کی تحقیق سے واقف ہونا چاہتا ہے۔تو ایسے مسائل سے متعلق تفسیر ھذا میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اور قرآن، حدیث، اقوال سلف صالحین کی روشنی میں اور روزمرہ کی امثلہ سے اشکالات کے جواب دیے گئے ہیں۔

جہاں تک تفسیر بیان القران کا تعلق ہے تو وہ اِس موضوع کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے اس میں ہمیں ہر قسم کے اشکالات کا حل ملتا ہے خواہ وہ لغوی ابحاث ہوں، نحوی مشکلات ہوں، قرأت کے اختلاف ہوں، بلاغی اسلوب کی پیچیدگیاں ہوں یا متعارض آیات کی توجیہات ہوں یہ ساری علمی مشکلات ہیں۔اس میں بڑی عمدگی سے اُن سے متعلق اشکالات کو واضح کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک عام شخص کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن چھوٹے چھوٹے اشکالات اور شبہات کے جواب بھی اس تفسیر میں بکثرت ملتے ہیں جو عموماً ایک کم علم شخص کو مطالعہ قرآن کے دوران لاحق ہوتے ہیں بلکہ یوں کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ تفسیر بیان القرآن درحقیقت ''تفسیر فی حل مشکلات القرآن'' ہے لیکن اس کے باوجود یہ دعوی کرنا ممکن نہیں ہے کہ یہ تفسیر ہر ہر مغلق کو کھولتی ہے، اسلوب کلام کی تمام پیچیدگیوں اور دقائق کی گتھیوں کو سلجھاتی ہے نیز ہر اشکال کو دور کرتی ہے البتہ مولانا نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ اختصار کے ساتھ ہر ہر فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ مشکلات کے حل کو احاطہ تحریر میں لاسکیں جو اُن کے اعلیٰ علمی مقام ومرتبہ گہری فہم وفراست اور مضامین قرآن کے ساتھ زبردست وابستگی کا نتیجہ ہے۔

اس فصل میں دونوں تفاسیر کے منہج کو یکساں ذکر کیا جائے گا کہ مشکلات کے حل میں مذکورہ مفسرین نے کن کن مصادر کو ذریعہ بنایا ہے اور اِن کے منہج کی تمام مثالیں ذکر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے دو یا تین مثالوں پر اکتفا کر کے باقی امثلہ کی طرف اشارہ کر کے حاشیہ میں اُن کا حوالہ ذکر ہوگا صاحب ذوق اُن کو وہاں ملاحظہ کرسکیں گے۔

پس مذکورہ مفسرین درج ذیل طریقوں سے اشکالات قرآنی کو حل کرتے ہیں:

۱۔قرآن کریم	۲۔احادیث مبارکہ
۳۔اقوال مفسرین	۴۔غریب الفاظ کی شرح
۵۔علم نحو اور بلاغہ	۶۔سبب نزول
۷۔ربط یا نظم قرآن	۸۔روز مرہ کی عمومی امثلہ

چوتھا اور آخری باب دونوں تفاسیر کی روشنی میں حل مشکلات کی مثالوں پر مشتمل ہے اس لیے یہاں فقط اشکالات کے حل کا منہج یا اسلوب واضح کیا جائے گا کچھ مثالوں کا حوالہ حاشیہ میں ذکر ہوگا اور تفصیل سے امثلہ چوتھے باب میں ذکر ہوں گی۔

رفع اشکال بذریعہ قرآن کریم:

قرآن حکیم کی تشریح و توضیح میں سب سے اولین مأخذ خود قرآن کریم ہے اور پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک مفسرین کسی بھی آیت کی تفسیر سب سے پہلے آیات قرآنیہ کی ہی روشنی میں کرتے ہیں اس لیے کہ اگر ایک آیت عام یا مطلق ہے تو دوسری کسی آیت میں اسکی تخصیص کا تقیید کا تذکرہ مل جاتا ہے اسی طرح قرآن میں کہیں اجمال ہے اور کہیں بیان۔

سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی قرآن کریم میں پیش آنے والے اشکالات کو دور کرنے میں سب سے پہلے قرآن کو ہی بنیاد بنایا ہے اور اکثر مشکل مقامات کو اسی اصول کے تحت حل کیا ہے۔اس سلسلے میں وہ درج ذیل طریق کار اختیار کرتے ہیں ہر طریقے کی تمام مثالوں کو بالاستیعاب ذکر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ہر طریقہ کی ایک ایک مثال ذکر کی جائے گی اور کچھ کا حاشیہ میں حوالہ دے دیا جائے گا۔

اسلوب اول:

دونوں حضرات کسی بھی آیت سے متعلق شبہ یا اشکال کو ذکر کرتے ہیں اور اُس اشکال کا مفصل جواب دے کر دوسری آیت مبارکہ کو اُس جواب کی تائید کے لیے بطور دلیل ذکر کرتے ہیں۔

گویا کہ متشابہ آیت کو محکم کی طرف لوٹا کر مفہوم واضح کرتے ہیں۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ‌ ۚ وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا‌ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۲۵ (۱)

ترجمہ:۔اور بعض اُن میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور رکھ دیا اُن کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لائیں اُن پر''

اشکال:۔اس آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب اللہ رب العزت نے کافروں کے دلوں پر خود پردے ڈال دیے ہیں تو اب وہ ہدایت قبول کرنے سے معذور ہیں مجبور محض ہیں۔

اشکال کا جواب:۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

''یہ اُن لوگوں کی باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بغرض اعتراض وعیب جوئی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا نصیحت و ہدایت سے ممتد اعراض اور کان شنس (شعور) کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل و قوی انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے۔حق کے سمجھنے سے اُن کے دل محروم کر دیے گئے پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا، آنکھیں نظر عبرت سے ایسی خالی ہو گئی کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع و مسرور ہیں۔ بلکہ فخر کے لہجہ

میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ سورۃ حم سجدہ میں ہے {فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون (وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝) (حم سجدہ ۴۱:۵)(۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماعِ آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود اُن کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ (وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ)(لقمان ۳۱:۷)(۳)

اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل وعلا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اس لیے آیت حاضرہ {وجعلنا علی قلوبھم} میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے۔ (۴)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

اس اسلوب کی مثال سورۃ بقرہ کی یہ آیت ہے:

اسلوب اول:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۶۲)

ترجمہ: یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صائبین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات اور صفات پر) اور روزِ قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں کے لیے اُن کا حق الخدمت بھی ہے اُن کے پروردگار کے پاس اور (وہاں جا کر) کسی طرح کا بھی اندیشہ نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

شبہ کا جواب:۔

اس آیت کے فائدہ کے تحت مولانا لکھتے ہیں:

''اور ہمارے ترجمہ میں اس قید سے (کہ وہاں جا کر) یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ مقبول بندے تو اکثر خائف اور حزیں رہا کرتے ہیں وجہ رفع کی ظاہر ہے کہ یہ خوف و حزن نہ ہونا قیامت کے دن بوجہ بشارتِ ملائکہ کے ہوگا جیسا کہ سورۃ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے: (لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط) (الانبیاء۲۱: ۱۰۳) (۵)

سو اگر قبل بشارت کسی وقت کچھ خوف وغیرہ قیامت میں ہو جائے تو اشکال لازم نہیں آتا۔''(۶)

اس مثال میں مولانا نے شبہ کا تذکرہ کر کے جواب بھی دیا ہے اور سورۃ انبیاء کی آیت کو اپنے جواب کی تائید کے لیے ذکر کر رہے ہیں۔

اسلوب دوم:

قرآن کی مدد سے اشکال کو حل کرنے میں دوسرا اسلوب یہ ہے کہ دونوں مفسرین کسی آیت کے تحت اشکال کا ذکر نہیں کرتے البتہ اُس آیت سے جو مخالف مفہوم نکل رہا ہوتا ہے قرآن کی کسی دوسری آیت سے استدلال کرتے ہوئے اُس کی تردید کرتے ہیں۔

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﻗﻠﮯ (البقرہ۲: ۲۵۶)

ترجمہ:۔ زبردستی نہیں دین کے معاملے میں

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ شاید ہر مسلمان اپنے دینی معاملات میں آزاد ہے اور

جبراً اُس سے اعمال نہیں کروائے جا سکتے۔ اس مفہوم کے رد کے لیے مولانا نے اس آیت کی توضیح میں تذکرہ کر دیا کہ یہ آیت فقط کافروں کے لیے ہے کہ اُن کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا۔ مسلمانوں پر اعمال کے معاملے میں زبردستی کرنے سے یہ آیت متعلق نہیں ہے پس وہ لکھتے ہیں:

> ''جب دلائل توحید بخوبی بیان فرما دی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیے اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ۔ (اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝) (۷) (یونس ۱۰: ۹۹، صفحہ ۴۶۸) خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے گا اُس کا جان و مال محفوظ ہو جائیگا''۔ (۸)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

اس تفسیر میں اس دوسرے طریق کار کی مثال درج ذیل ہے۔:

> بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۸۱)
>
> ترجمہ:۔ کیوں نہیں، جو شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اُس کو اُس کی خطا (اور قصور اس طرح) احاطہ کر لے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

دفع شبہ خلود عاصی:۔

اس آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ آیت گنہگار مسلمان کے متعلق ہے کہ وہ بھی اِس کے تحت ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا عقیدہ ہے۔ مولانا نے پورا اشکال ذکر کیے بغیر فقط اِس سرخی (دفع شبہ خلود عاصی) کے عنوان سے شبہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور آگے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اور جاننا چاہیے کہ اس مقام پر کافر اور مؤمن نیک عمل کا ضابطہ بیان ہوا ہے اور مومن بدعمل کا ضابطہ دوسری آیات واحادیث میں ہے۔ مثلاً

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۹) (النساء ۴:۴۸) اور اس مشیت کا وقوع اس آیت میں مذکورہ ہے: (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ) (۱۰) (الزلزال ۹۹:۷) اور احادیث تو بہت صریح ہیں اور فی نفسہ صحیح ہیں۔''(۱۱)

اسلوب سوم:۔

قرآن کی مدد سے اشکال دور کرنے میں تیسرا اسلوب یہ ہے کہ اگر آیت کے مفہوم میں دو احتمالات ہیں تو ایک احتمال یا تاویل کو ترجیح دے کر قرآن کی اِس موضوع سے متعلق دیگر آیات کو جمع کر دیتے ہیں تاکہ وجہ ترجیح کی دلیل ذکر ہو جائے۔

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

(الاعراف ۷:۳۸)

فرمائے گا داخل ہو جا ہمراہ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر جب داخل ہوگئی ایک امت تو لعنت کرے گی دوسری اُمت کو یہاں تک کہ جب گزر چکیں گے اُس میں سارے تو کہیں گے اُن کے پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا سو تو اُن کو دے دوگنا عذاب آگ کا اور فرمائے گا کہ دونوں کو دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔

یہ آیت اس سے متعلق ہے کہ جب سب کفار آگے پیچھے جہنم میں داخل ہوں گے تو ایک

دوسرے پر لعن طعن کریں گے اور اپنے پہلوں پر دوگنا عذاب کی دراخوست کریں گے جواب میں اللہ فرمائیں گے کہ دونوں فریقوں کو پہلوں کو بھی اور تمہیں بھی دوگنا عذاب ہے۔ یہ تقریر اُس صورت میں ہے کہ جب دونوں فریق مراد لیے جائیں۔ پہلے بھی اور پچھلے بھی آگے مولانا شبیر احمد فرماتے ہیں:۔

> ''یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ ''لکل ضعف'' سے دونوں فریق مراد لیے جائیں، لیکن ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بے شک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لیے اسکے درجے کے موافق دوگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے''۔
>
> اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ
> (النحل ۱۶:۸۸)
>
> ترجمہ:۔ جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے اُن کو ہم بڑھائیں گے عذاب پر عذاب۔
>
> وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (۱۲) (العنکبوت ۲۹:۱۳)
>
> وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (۱۳) (النحل ۱۶:۲۵) (۱۴)

پس اس مقام پر مولانا نے دو احتمالات سے ایک احتمال کو ترجیح دے کر اُس مضمون کی دوسری آیات کو یکجا کر دیا ہے۔ تاکہ دوسری تاویل کی دلیل قرآن سے ہی ذکر ہو جائے۔

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت اس اسلوب کی وضاحت کرتی ہے۔

> تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ (البقرہ ۲:۱۳۴)

یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گزر گئی اُنکے کام اُن کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارا

کام کیا ہوا تمہارے کام آوے گا اور تم سے اُن کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔

اس آیت کے فائدے کے ضمن میں مولانا یہ عنوان لکھتے ہیں:۔

تحقیق اعتبار نسب در آخرت یا در دنیا:۔

''انتساب بالمقبولین کا نافع نہ ہونا اُس شخص کے لیے جو عقائد قطعیہ میں بھی اُن مقبولین کے مخالف ہو گو طبعاً ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سب انبیاء اس کے مصدق تھے یہ لوگ اسی میں مخالف تھے اور جو شخص ایسے عقائد میں موافق و متبع ہو گو کسی امر جزئی میں عاصی بھی ہو ایسے شخص کو اس انتساب کا کسی درجہ میں نافع ہونا خواہ شفاعت سے یا محبت سے یا بنا بر معیت کے محض مشیت سے یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی انتساب کو نسب سے تعبیر کیا جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ انتساب مومنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور نسب اس معنیٰ کے اعتبار سے نافع ہے نہ کہ شرافت بالمعنی العرفی کے اعتبار سے خوب سمجھ لو، اب سب دلائل و نصوص متطابق و متوافق ہو گئے۔ مثل آیت:

{والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم} (الی قول تعالیٰ)(۱۵) وآیت : {فلاانساب بینهم یومئذ} وآیت (۱۶) {ان اکرمکم عند الله اتقاکم} وحدیث شفاعت و حدیث: المرء مع من احب وحدیث : یا فاطمة انقذی نفسك من النار لا اغنی عنك من الله شیاء (۱۷)

دنیا میں تفاوت انساب اپنے آثار کے اعتبار سے بلاشبہ متضمن مصالح کثیر مشاہدہ ہے لیکن اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے۔ (۱۸)

پس مثال سے واضح ہوا کہ مولانا نے ایک معنی آیت کا ذکر کر کے اِسی مضمون سے متعلق

دوسری آیات کو بطور دلیل ذکر کر دیا ہے۔

بعض دفعہ مذکورہ تفاسیر میں آیت کے اندر کسی ایک معنی یا احتمال کو ذکر کرتے ہیں اور اس تاویل کو دوسری آیات سے ثابت کرتے ہیں اگرچہ وہ اس مضمون سے متعلق نہیں ہوتیں اس کی بہترین مثال تفسیر عثمانی میں ہے مکمل ذکر کرنا ممکن نہیں اس لیے فقط حوالہ دیا جا رہا ہے۔(۱۹)

اس کے علاوہ حل اشکال بذریعہ قرآن کی بے شمار مثالیں ہیں ان کے فقط حوالے ذکر کیے جاتے ہیں تمام کو وضاحت سے ذکر کرنا طوالت کی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔ فقط حوالے حاشیہ میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔(۲۰)

۲: رفع اشکال بذریعہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

دونوں تفاسیر میں حدیث نبوی صلی اللہ کے ذریعہ بھی بعض شبہات اور اشکالات کا جواب ملتا ہے اور اسلوب اکثر وہی ہے جو پہلے طریق کا تھا کہ کبھی شبہ کی وضاحت کرتے ہیں اور جواب ذکر کر کے اس کی تائید میں حدیث نبوی ذکر کرتے ہیں یا فقط حدیث کی روشنی میں اشکال کا ازالہ کرتے ہیں یا جب آیت کے چند احتمالات میں سے ایک احتمال کو ذکر کرتے ہیں تو بذریعہ حدیث اس کی توثیق کرتے ہیں نیز اس اسلوب میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ اُن احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو کہ صحیح ہیں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

"رفع اشکال بذریعہ احادیث"

امثلہ:۔ تفسیر عثمانی کی روشنی میں

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

(آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ:۔ صحابہ سے کام میں مشورہ لیجیے۔پھر جب آپ قصد کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے۔

صحابہ کو یہاں ''عزم'' کے متعلق اشکال ہوا کہ یہ کیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا مولانا سے اس کو اس طرح سے ذکر کیا ہے:

''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا:

''عزم'' کیا ہے؟ فرمایا: مشاورة أهل الرای ثمّ اتباعهم۔''

(ابن کثیر)'' (۲۱)

(یعنی اہل رائے سے مشورہ کرنے اور اُن کی اتباع کرنا یعنی اُن کے مشورے کے مطابق عمل کرنا۔

نمبر ۲:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (الانعام۶:۸۲)

ترجمہ:۔''جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دلجمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر''۔

صحابہ کو اس آیت سے متعلق اشکال ہوا کہ یہاں ظلم کس معنی میں ہے؟ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس کے متعلق پوچھا تو آپ نے وضاحت فرمائی۔(کیونکہ صحابہ نے یہاں ظلم سے مراد گناہ لیا تھا)

مولانا نے اس کی وضاحت ذکر کی ہے۔:

''احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورۃ لقمان میں ہے: (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾) (آیت:۱۳) گویا ظلم کی تنوین تعظیم کے لیے ہوئی تو گویا حاصل مضمون یہ ہوگا کہ

مامون ومہتدی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو، اور اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن وہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔"(۲۲)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں۔

نمبرا:۔ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ (الاعراف ۷:۱۷۲)

ترجمہ:۔ (وہ وقت یاد کرو) جب کہ آپ کے رب نے (عالم ارواح میں آدم کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور) اولاد آدم کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور (ان کو سمجھ عطا کر کے) اُن سے انہی کے متعلق اقرار لیا۔

یہ آیت عہد الست جو عالم ارواح میں ہوا اُس کے متعلق ہے اوپر والا ترجمہ مولانا تھانوی کا تفسیری ترجمہ ہے کیونکہ اکثر وہ اشکالات کا جواب اِسی کے ضمن میں نقل کر دیتے ہیں اور آگے (ف) کے حاشیہ میں اشارہ کرتے ہیں یہاں بھی وہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔

"قرآن مجید میں من بنی آدم من ظهورهم فرمایا ہے اگر تفسیر مذکورہ مراد ہوتی تو من آدم من ظهره ہوتا اس کا جواب حدیث مرفوع میں مصرح ہے۔ أخرج من صلبه كل ذرية ذراها فنثرها بين يديه كالذر ثم كلمهم قبلا قال الست بربكم (اخرجه احمد والنسائي والحاكم وصححه وغير هم عن ابن عباس مرفوعاً)

پس حدیث سے تو اخراج من ظهر آدم اور قرآن سے اخراج من ظهور بنی آدم معلوم ہوا اور دونوں میں کچھ تعارض نہیں جیسا ترجمہ میں وجہ جمع کی تقریر کر دی گئی ہے اس وجہ

جمع کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے۔ أخذهم من ظهرهم (اخرجه ابن ابی شیبه وعبد بن حمید وابن جریر وغیرهم) اور ابن عباس سے عود الی الحالة الاولی کو معلوم ہوا کہ اخراج بھی اصلاب آباء سے ہوا تھا۔ پس حدیث میں تو دونوں صورتیں مذکور ہوئیں رہا یہ کہ قرآن میں ایک ہی صورت کا کیوں ذکر ہے سو یا تو بنا پر غایت ظہور کے چھوڑ دیا کیونکہ جب یقینا معلوم ہے کہ تمام ذریت نسل آدم سے ہے ہی پس خروج من صلبہ امر جلی ومشہور تھا اس لیے ذکر کی ضرورت نہ ہوئی جو جزو مخفی وغیرہ معلوم تھا اُس کو بیان فرمادیا۔'' (۲۳)

نمبر ۲:

وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

(الفرقان ۲۵: ۱۳)

ترجمہ:۔ جب وہ اُس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت موت پکاریں گے۔

یہ آیت کافروں کو جہنم میں ڈالنے سے متعلق ہے اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ احادیث میں تو جہنم کی وسعت کا تذکرہ ہے جبکہ یہاں اس کو مکاناً ضیقاً سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ تھانوی اس کا جواب دیتے ہیں اور اپنے جواب کی تائید میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کرتے ہیں:

''بعد تامل حقیقت ظاہر ہے کہ ضیق نہیں فرمایا بلکہ باوجود اُس کی وسعت کے جس خاص خاص جگہ پر جہنمی رہیگا وہ جگہ خوب تنگ ہوگی جیسے جیل خانہ بہت بڑا ہو مگر ہر قیدی کے واسطے الگ الگ کوٹھری تنگ ہو جیسا روح میں ابن ابی حاتم سے مرفوعاً اس کی تفسیر میں منقول ہے:

انهم ليستكرهون افی النار كما يستكره الوتد فی الحائط۔'' (۲۴)

ان دونوں تفاسیر کی باقی امثلہ کو بخوف طوالت حذف کیا جارہا ہے اور ان کے حوالے حاشیہ میں ذکر کیے جارہے ہیں۔ (۲۵)

۳:۔"رفع اشکال بذریعہ اقوال مفسرین"

یہاں مفسرین سے مراد عام ہے دونوں حضرات اکثر صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کرتے ہیں بحوالہ تفاسیر قدیم یعنی تفسیر عثمانی میں زیادہ تر تفسیر ابن کثیر از جلال الدین سیوطی اور ابو حیان کی البحر المحیط کے حوالے ملتے ہیں اس کے علاوہ امام بغوی، علامہ آلوسی وغیرہ کے بھی اقتباسات مذکور ہیں۔

جبکہ بیان القرآن میں جیسا کہ فصل دوم میں اس کے ماٴخذ ذکر ہوتے ہیں اُن تفاسیر کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

یہاں دونوں مفسرین آیت کے تحت جو اشکال ہوتا ہے اس کو ذکر کر کے مفسرین کے اقوال مساوی طور پر اس کے تحت نقل کر دیتے ہیں اور کبھی اشکال ذکر نہیں کرتے اس کو قاری کے فہم پر چھوڑ دیتے ہیں البتہ اس کے ضمن میں مفسرین کے اقوال کو جمع کر دیتے ہیں۔

اور اکثر مفسرین کے اقوال میں اپنی رائے سے ترجیح کا عمل بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے یا فلاں مفسر نے اپنی تفسیر میں اِس احتمال کو ترجیح دی ہے۔

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

۱: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (ھود ۱۱:۶)

ترجمہ:۔اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے سب کچھ موجود ہے کھلی کتاب میں۔

یہاں اس آیت مبارکہ میں دو الفاظ "مستقر" اور "مستودع" کے مصداق کا علم نہ ہونے کے باعث اشکال ہوتا ہے "مستقر" سے مراد ٹھہرنے کی جگہ ہے اور "مستودع" سے مراد امانت رکھے جانے اور سپرد کیے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں یہ تو ان کے لغوی معنی ہوئے ان کے مصداق میں مفسرین کا

اختلاف ہے۔ مولانا عثمانی یہاں بلا ترجیح مفسرین کے اقوال جمع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' مستقر'' (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اُس کی قبر ہے پہلے '' وما من دابة '' میں دنیوی زندگی کا بیان تھا یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہا تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔ ''مستقر'' اور ''مستودع'' کی تعیین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں پہلے سورة انعام (آیت: ۹۸، صفحہ ۱۹۳) میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اُس کے منتہائے سیر کو ''مستقر'' اور پھر پھرا کر جس ٹھکانے پر آئے اُسے ''مستودع'' کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ ''مستقر'' اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ ''مستودع'' ہے۔ مجاہد نے ''مستقر'' سے رحم مادر اور ''مستودع سے صلب پدر مراد لی ہے عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا ہے۔

بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن ہے اُسے ''مستقر'' اور وجود فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے اُنہیں ''مستودع'' کہا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ اُن تمام مختلف مواد و اطوار و ادوار کا عالم ہے جن میں سے کوئی حیوان گزر کر اپنی موجودہ ہیت کذائی تک پہنچا ہے۔'' (۲۶)

نمبر ۲:۔ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸ (یونس ۱۰:۹۸)

ترجمہ:۔ ''سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا اُن کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی تو اٹھا لیا ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے اُن کو ایک وقت تک''

یہاں دو اشکال اس آیت مبارکہ سے متعلق ہیں:

(۱) عذاب کے مشاہدے یا موت کے غرغرہ کے وقت عذاب لانا نافع اور مقبول نہیں ہوتا یہ نصوص سے ثابت ہے جبکہ یہاں قوم یونس کا ایمان بأس معتبر مانا جارہا ہے۔

(۲) ان کا ایمان فقط دنیا میں موجب نجات تھا یا آخرت میں بھی؟

مولانا عثمانی نے اقوال مفسرین کے حوالے سے ان دونوں اشکالات کو رفع کیا ہے اور دوسرے اشکال کے جواب میں مفسرین کے اقوال میں ترجیح کا بھی ذکر کیا ہے پس وہ لکھتے ہیں:

''۔۔۔۔۔۔۔حق تعالیٰ نے اُن کے تفرع وبکا پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اٹھا لیے گئے یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ اُن کو نہ ہوا تھا صرف علامات و آثار نظر آئے تھے ایسے وقت کا ایمان شرعاً نافع اور معتبر ہے۔ ''ایمان بأس'' جو معتبر و مقبول نہیں اُس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اُس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے کہ فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک قوم یونس کا ایمان بھی فرعون کی طرح ''ایمان باس'' تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہیے تھا لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خلافِ قاعدہ، بطور استثناء اُس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا، فرعون کے ایمان کی طرح ردّ نہیں فرمایا پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا اُن کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا یا آخرت میں بھی موجب نجات ہوگا؟ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہوگا۔ واللہ اعلم۔'' (۲۷)

یہاں اس منہج کی فقط چند امثلہ وضاحت کے ساتھ ذکر ہوں گی اور باقی کے حوالے حاشیہ میں ذکر کردیے جائیں گے۔ (۲۸)

۴۔ رفع اشکال بذریعہ علم لغت:۔

باب دوم میں گزر چکا ہے کہ آیات قرآنیہ میں اشتباہ اور اشکال کے اسباب میں سے ایک

سبب الفاظ مفردہ کا نامانوس اور غریب ہونا ہے اور ''غریب القران'' کے موضوع پر کئی کتب لکھی جا چکی ہیں۔

مذکورہ تفاسیر میں بھی بعض الفاظ کے لغوی معنی بیان کیے گیے ہیں یہ بھی مشکل الفاظ کے حل کا ایک ذریعہ ہے۔

تفسیر عثمانی اور بیان القرآن میں یہ معانی معاجم یا دوسری تفسیر کے حوالے سے نقل کیے گئے ہیں نیز بیان القرآن میں اتقان کے حوالے سے غریب الفاظ کے معنی ذکر ہوئے ہیں جہاں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اُن غریب الفاظ کے معانی کو جمع کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں اس کے علاوہ تفسیر بیضاوی کے حوالے بکثرت موجود ہیں تفسیر عثمانی میں اُردو کے اندر غریب الفاظ کی وضاحت ہے اور چند الفاظ کے ہی معانی ملتے ہیں۔

جبکہ بیان القرآن میں مولانا چند آیات کے تحت اللغات کا عنوان تحریر کرتے ہیں ااور مشکل الفاظ کے معانی عربی میں ہی ذکر کرتے ہیں۔

اس اسلوب کی مثالیں باب چہارم میں ہی ذکر ہوں گی یہاں ان کو ذکر کرنا طوالت اور تکرار کا سبب بنے گا۔

۵۔رفع اشکال بذریعہ علم نحو و بلاغہ:۔

اس کو بھی حل مشکلات کا ایک ذریعہ بنایا گیا ہے تفسیر عثمانی میں اس کی گنتی کی مثالیں ہیں جبکہ بیان القرآن میں مولانا چند آیات کے تحت با قاعدہ ''النحو'' اور ''البلاغہ'' کا عنوان ذکر کر کے نحوی الجھنیں سلجھاتے ہیں اور آیات کے اسلوب بیان کے بلاغی پیچ وخم کی وضاحت کرتے ہیں۔

اس کی مثالیں بھی باب چہارم میں ذکر کی جائیں گی۔ (ان شاء اللہ)

۶۔رفع اشکال بذریعہ شان نزول:۔

باب دوم کی فصل اول میں ''الفوز الکبیر'' کے حوالے سے قرآن فہمی میں دشواری کے جو اسباب ذکر ہوئے ہیں اُن میں ایک سبب نزول سے عدم واقفیت بھی ہے اور اشکال کے حل میں سبب

نزول کی معرفت ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ باب دوم کی فصل ثالث میں اس کی اہمیت گزر چکی ہے۔

مذکورہ تفاسیر میں بھی کئی آیات کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی ''لباب النقول'' کے حوالہ سے شان نزول نقل کرتے ہیں اور اکثر عربی عبارت ہی نقل کر دیتے ہیں درحقیقت جب ایک عام شخص بھی شان نزول سے واقف ہو جائے گا تو آیت اُس کے لیے فہم کے لحاظ سے آسان ہو جائے گی اس لیے اشکال کے جواسباب باب دوم کی فصل دوم میں تفصیلاً ذکر ہوئے ہیں اُس میں اس کو شامل نہیں کیا گیا البتہ ان تفاسیر کے حوالہ سے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ بہر حال یہ ''حل اشکال'' کا ایک طریقہ ہے اور دونوں تفاسیر میں اس کا اھتمام بھی کیا گیا ہے لہذا سمجھنے کے لیے دونوں تفاسیر سے چند امثلہ ذکر کی جارہی ہیں۔

امثلہ:۔

نمبرا:۔ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۞ (البقرہ۲: ۱۵۸)

ترجمہ:۔ بے شک صفاء مروۃ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اُس کو کہ طواف کرے دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کے دوران دونوں مقامات کے درمیان سعی کرنا ضروری نہیں اگر کوئی ترک کر دیتا ہے تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہی اشکال حضرت عروہؓ کو ہوا تو حضرت عائشہؓ نے اس آیت کا شان نزول ذکر کر کے اُن کو یہ آیت سمجھائی۔ اسی شان نزول کا تذکرہ تفسیر عثمانی اور بیان القرآن دونوں میں مذکور ہے۔

''صفاء اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں'' اہل عرب حضرت ابراھیمؑ کے وقت

سے ہمیشہ حج کرتے رہے اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف کرتے، کفر کے زمانے میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دو بت رکھے تھے۔ اُن کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے ہے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے تھا جب بتوں کی تعظیم حرام ہوتی تو صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے یہ ان کو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اصل میں حج کے لیے تھا، کفار نے اپنی جہالت سے بت چھوڑ رکھے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ کفر کے زمانے میں بھی صفا اور مروہ کے طواف کو بُرا جانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی اُن کو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اس کو مذموم جانتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فریق اول اور ثانی دونوں کو بتلا دیا گیا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں اُن کا طواف کرنا چاہیے۔" (۲۹)

اسی آیت کا شان نزول مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بحوالہ لباب النقول ذکر کیا ہے جس کا یہی مفہوم ہے تکرار کے باعث یہاں ذکر کرنا عبث ہے فقط حوالہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ (۳۰)

۲:۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ (المائدہ ۵:۹۳)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے پھر ڈر رہے اور یقین کیا پھر ڈر ڈر کے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی

کرنے والوں کو۔

یہ آیت شراب کے بارے میں نازل ہوئی اور اس آیت سے شراب پینے کی اباحت معلوم ہوتی ہے اور بعض جاہلوں نے اس آیت سے یہ سمجھ بھی لیا اور کہنے لگے کہ شراب مباح ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ پس اگر اس آیت کا شان نزول معلوم ہو جائے تو کسی قسم کا خلجان باقی نہیں رہ سکتا۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کے متعلق فرمایا:

''لباب میں مسند احمد سے بروایت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ جب اوپر کی آیت (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ) (المائدہ ۵:۹۰) میں تحریم خمر و میسر نازل ہو چکی تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بہت سے آدمی جو شراب پیتے تھے اور قمار کا مال کھاتے تھے تحریم سے پہلے مر گئے اور اب معلوم ہوا کہ وہ حرام ہے اُن کا کیا حال ہوگا اور لباب میں بروایت نسائی سوال کے قصہ میں یہ لفظ ہے (فقال ناس من المتکلفین ھی رجس وھی فی بطن فلان وقد قتل یوم احد) (۳۱) اِس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان پر گناہ نہ ہونا مذکور ہے۔'' (۳۲)

تفسیر عثمانی میں اس آیت کا شان نزول بھی مذکور ہے اور اس پر مفصل تقریر بھی کی گئی ہے۔ (۳۳)

رفع اشکال بذریعہ نظم قرآن:

بعض اوقات آیات اور سورتوں کا آپس میں ربط و مناسبت کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے کئی اشکالات پیدا ہوتے ہیں جب ان کا باہم ربط ذکر کر دیا جائے تو وہ اشکال دور ہو جاتا ہے اور عام قاری بھی ربط کے جاننے کے بعد کسی قسم کے ذہنی خلجان میں مبتلا نہیں رہتا اس لیے اس کی تفصیل کو بھی باب دوم کی فصل دوم سے حذف کر دیا گیا تھا۔ البتہ فصل ثالث مین اشکالات کے حل کے طرق میں اس کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کی اہمیت بھی وہاں مذکور ہے۔

تفسیر عثمانی اور بیان القرآن میں آیات کا ربط بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے خاص

طور پر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خاص اہتمام کے ساتھ ہر ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ اور تمام سورتوں کا آپس میں ربط قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور باقاعدہ اپنی تفسیر میں ''ربط'' کا عنوان ذکر کر کے آیات کی بڑی علمی، پُر حکمت اور دقیق مناسبت ذکر کرتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں تفسیر میں جا بجا موجود ہیں۔

مولانا عثمانی بھی ذکر کرتے ہیں لیکن انہوں نے ہر ہر آیت کا ربط ذکر نہیں کیا سورتوں کے مضامین کا مجموعی طور پر خلاصہ ذکر کرتے ہوئے ربط قائم کر دیتے ہیں وضاحت کے لیے چند امثلہ درج ذیل ہیں۔

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

۱:۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ (الاحزاب ۳۳:۳۳)

ترجمہ:۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والوں اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

اس سے قبل آیت نمبر ۲۸ تا ۳۲ اور اس کے بعد آیت نمبر ۳۴ ان تمام میں ازواج مطہرات سے متعلقہ احکامات نازل ہوئے ہیں اُن میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ احکامات صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہیں اور تمام عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ آیت نمبر ۳۳ کے اس حصہ میں جہاں اُہل بیت کا تذکرہ ہے تو نبی کریم ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت میں شامل ہیں یا نہیں؟ بعض روافض جو اُن کے شامل نہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن احادیث کو دلیل بناتے ہیں جس میں اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کو کہا گیا ہے وہ باطل ہے۔

مولانا عثمانی ان دونوں اشکالات کو نظم قرآن کے ذریعہ حل کرتے ہیں ان آیات کی تفسیر

کے بعد دو تنبیہات کے تحت وہ لکھتے ہیں: ''جو احکام اِن آیات میں بیان کیے گیے ہیں تمام عورتوں کے لیے ہیں ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ اِن کا تذکرہ اہتمام زائد تھا اس لیے لفظوں میں خصوصیات کے ساتھ مخاطب اُن کو بنایا گیا میرے نزدیک {ینسآء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة} سے {لستن کأحد من النسآء} تک اِن احکام کی تمہید تھی تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں: ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب، اُس کی روک تھام فلا تخضعن بالقول سے تبرّج الجاھلیة الاولی تک کی گئی: دوسری اللہ اور رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے اُقمن الصلوۃ سے واجرا عظیما تک اس کا سلسلہ چلا گیا خلاصہ یہ ہوا کہ برائی کے مواقع سے بچنا اور نیکی کی طرف سبقت کرنا سب کے لیے ضروری ہے۔ مگر ازواج مطہرات کے لیے سب عورتوں سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی ہر ایک بھلائی برائی وزن میں دوگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق بفاحشة مبینة کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔'' (۳۴)

یہ تو تھا پہلے اشکال کا جواب اور دوسرے اشکال کے جواب میں تفسیر عثمانی کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

''نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لیے اس میں شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے {وقرن فی بیوتکن} میں اور آگے {واذکرن ما یتلی فی بیوتکن} میں اُن ہی کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے حضرت ابراھیم کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا: (اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ) (ھود۱۱: ۷۳) مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا: (لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ) (طلاق ۶۵: ۱) حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ''بیت'' کو زلیخا کی طرف منسوب کیا گیا (وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا) (یوسف ۱۲: ۲۳) بہر حال

اہل بیت میں اُس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں ''احق'' کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے حضرت فاطمہؓ علی حسن حسین کو ایک چادر میں لے کر اللھم ھؤلآء اھل بیتی وغیرہ فرمایا حضرت فاطمہؓ کے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے الصلوۃ أھل البیت اور {یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس} سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور ان ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولی اس لقب کے مستحق اور فضلیت تطہیر کے اہل ہیں۔ باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لیے اُن کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔(۳۵)

۲: تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (التوبہ۹:۱۱۵)

ترجمہ:۔ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کے لیے پیچھے گمراہ کر دے جب تک کہ اُن چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جس سے وہ بچتے رہیں۔ (پس جب ہم نے تم مسلمانوں کو ہدایت کی اور اس کے قبل استغفار للمشرکین کی ممانعت بتلائی نہ تھی تو اس کے کرنے سے تم کو یہ سزا نہیں دی جائے گی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جاوے) بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (سو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بدوں ہمارے بتلائے ہوئے ایسے احکام کو کوئی نہیں جان سکتا اس لئے اِن افعال سے مضرت بھی نہیں پہنچنے دیتے)

یہ سورۃ توبہ کی آیت ہے جہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے مولانا اشرف علیؒ اُس شبہ کا ذکر کر کے ربط قرآنیہ کے ذریعہ اِس کا حل ذکر کرتے ہیں۔ مولانا اس آیت کے تحت یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

"تفسیری ربط"

اس سے اوپر کی آیت میں مشرکین کے لیے استغفار کو نا جائز فرمایا تھا چونکہ نا جائز افعال کا خاصہ ہے کہ اُن کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور بار بار کرنے سے اس میں اور قوت ہوتی ہے جیسا کہ آیت {بل ران علی قلوبھم} کی تفسیر میں ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوھریرہؓ سے مرفوعاً یہ مضمون روایت کیا ہے اس پر نظر کر کے مومن خائف کو یہ تو ہم ہوسکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار نا جائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو اس کے متعلق آگے تسلی فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اثر کسی فعل میں اسکے متعلق ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے، کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے اور اگر قبل نہی کے ہوتا اور نہی سے صرف اس کا ظہور ہوتا تو اس احتمال کی گنجائش تھی کہ اثر تو اس میں ہے ہی اس لیے ضرر ہوا ہوگا اور تسلی کے بعد اپنا صفات کمال کے ساتھ موصوف ہونا بیان فرماتے ہیں تا کہ نہی اور تسلیہ سب کی تاکید ہو جائے۔" (۴۶)

رفع اشکال بذریعہ روزمرہ کی عمومی امثلہ:۔

دونوں مفسرین کا ایک انتہائی کمال یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے اشکالات کو عام فہم مثالوں سے حل کر دیتے ہیں اور سنت سے بھی یہ طریقہ ثابت ہے کہ اکثر اوقات آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکل اور پیچیدہ بات کو عام فہم مثال سے صحابہ کو سمجھاتے تھے۔

اس اسلوب کی چند امثلہ درج ذیل ہیں:

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

نمبرا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ (المائدہ۵:۴۱)

ترجمہ:۔ اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے"۔

اِن کے تقدیر سے متعلق جو عام ذھنوں میں اشکال آتے ہیں یہ آیت اس سے متعلق ہے مولانا عثمانی مثالوں کے ذریعہ اس آیت کی تفسیر ایسی خوبصورت ذکر کرتے ہیں کہ قاری فوراً مفہوم سمجھ جاتا ہے اور لمبی چوڑی دقیق ابحاث جو مسئلہ تقدیر سے متعلق علماء کرتے ہیں اُن کی طرف رجوع کرنے کی اُسے حاجت نہیں رہتی۔ پس مولانا لکھتے ہیں:

''اول منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کیے گئے ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا۔ بد باطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا۔ اپنی خواھش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اُن کی مثال ایسے مریض کی سمجھو، جو نہ دوا استعمال کرئے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اُڑائے، فہمائش کرنے والوں کو گالیاں دے، نسخہ پھاڑ کر پھینک دے، یا اپنی رائے سے اِس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کرے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہو گی کبھی استعمال نہ کروں گا ان حالات میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اُس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہ ارادہ کرئے کہ اب ایسے مریض کو اُس کی بے اعتدالیوں غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہوگا۔ یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اُس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اُس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت، ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے: ومن یرد اللّٰہ فتنتہ (جسکو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا)

اور {اولئك الذين لم يرد الله ان يطّهر قلوبهم} (یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ اُن کے دلوں کو پاک کرے)۔

اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ خدا نے اُن کی سوئے استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظر لطف وعنایت اُن پر سے اُٹھالی جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔" (۳۷)

تفسیر عثمانی سے اس اسلوب کی چند اور مثالوں کے فقط حوالے حاشیہ میں ذکر کیے جارہے ہیں صاحب ذوق بصد شوق اِن کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (۳۸)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

۱۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ ۲: ۳۱)

ترجمہ: علم دے دیا اللہ نے (حضرت) آدم کو سب چیزوں کے اسماء کا۔

سورۃ بقرہ میں آدمؑ اور فرشتوں کے قصہ کا تذکرہ ہے کہ اِن کے درمیان امتحان کی صورت پیدا کی گئی تا کہ ملائکہ پر فضلیت آدم ثابت ہو جائے یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے مولانا تھانوی اس کی وضاحت کر کے ایک مثال سے جواب سمجھاتے ہیں اور یہ عنوان قائم کرتے ہیں:

"دفع شبه عدم اعطاء استعداد علم مذكور ملائكه"

اس عنوان کے تحت مولانا رقمطراز ہیں:

> "اگر یہ کہا جائے کہ پھر وہ استعداد جو شرط حصول اس علم خاص کی ہے فرشتوں کو کیوں نہ دیدی۔ بات یہ ہے کہ وہ استعداد خاصہ بشر کا ہے اگر ملائکہ میں وہ استعداد پیدا کر دی جاتی تو وہ فرشتے، فرشتے نہ رہتے۔ جیسے حس و حرکت خاصہ حیوان کا ہے سو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ جماد میں یہ صفت پیدا کر دیں مگر یہ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت جماد نہ رہے گا حیوان ہو جائے گا تو اس سوال کا حاصل گویا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن فرشتوں کو بشر کیوں نہ بنا دیا سو ظاہر ہے کہ یہ

سوال بالکل بے معنی ہے اور اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس صورت میں جو حکمت تخلیق ملائکہ میں ہے وہ معطل ہو جاتی۔" (۳۹)

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ (البقرہ۲: ۲۶)

اللہ رب العزت نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کر دیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہو یعنی حقیر ہونے میں سو جو لوگ ایمان لائے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یہ ہی یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے کافر محض ضد کی وجہ سے ایسی مثالوں کی حکمت کی نفی کرتے اور اُن کا تمسخر کرتے ہیں اس لیے جواب میں حکمت کا بیان کرنا جس کا بیان جملہ "انہ الحق" میں ہو بھی چکا ہے ضروری نہ ٹھہرا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں دوسرا طرز اختیار فرمایا جس کا اختیار کرنا ایسے ضدی اور معاند لوگوں کے مقابلے میں مناسب ہے سو فرماتے ہیں کہ تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان میں اللہ کا کیا مطلب ہے سو ہم سے مطلب سنو وہ یہ ہے کہ: یضل به کیثرا ویهدی به کثیرا گمراہ کرتے ہیں اللہ ایسی مثالوں سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو اس ساری وضاحت کے بعد مولانا اِسی مضمون سے متعلق ایک مثال اس طرح سے ذکر کرتے ہیں:

"اس مضمون کی ایسی مثال ہے کہ کسی طبیب شفیق نے عینک کے بہت سے شیشے تراش تراش کے رکھے کہ اپنے ضعیف البصر مریضوں کو تقسیم کرے گا کہ باریک چیزوں کو اور دور کی چیزوں کو دیکھنے میں معین ہوں گے ان مریضوں میں سے ایک کوڑھ مغز مریض نے وہ شیشے اُٹھا اُٹھا کر اپنی آنکھوں میں چبھونے شروع کیے اور رہی سہی آنکھیں بھی پھوٹ گئیں اور یہ کہنا شروع کیا

کہ چشمے تو کسی کام ہی کے نہیں بلکہ یہ ٹکڑے شیشے کے آنکھیں پھوڑ دیتے ہیں طبیب نے یہ سن کر اُسے سمجھا دیا کہ یہ اِس کام کے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنی ہی گائے جاتا ہے اور جان بوجھ کر طبیب کی ضد میں یہ ہی پوچھے جاتا ہے کہ صاحب اِن شیشوں کے بنانے سے آپ کا کیا مطلب ہے اس صورت میں اس جاہل بدمغز کو یہی جواب دیا جائے گا کہ مطلب ان شیشوں سے یہی ہے کہ فلانے کی آنکھ کی روشنی بڑھا دیں اور تیری آنکھیں پھوڑ دیں حالانکہ غرض اصلی صرف روشنی ہی ہے اور جو اثر اس بدمغز مریض پر ظاہر ہوا یہ اُس کے سوء استعمال کا نتیجہ ہے اسی طرح مقصود اصلی یہاں صرف ہدایت ہی ہے جس کے واسطے قرآن نازل ہوا مگر یہ دوسرا نتیجہ اس بدمغز کی عناد و جہالت کا جواب ہے۔(۴۰)

چند اور مثالیں جو بیان القرآن میں موجود ہیں ان کے حوالے حاشیے میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔(۴۱)

حوالہ جات وحواشی

(۱) الانعام: ۶:۲۵

(۲) :اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں اُس بات سے جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے سو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

(۳) اور جب سنائے اسکو ہماری آیتیں پیٹھ پھیر جائے غرور سے گویا اُن کو سنائی ہی نہیں گویا اُس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اس کو دردناک عذاب کی۔

(۴) تفسیر عثمانی :۱/۲۷۶: مکتبہ بشری؛ کراچی

(۵) ترجمہ: نہ غم ہوگا اُن کو اُس بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آئیں گے اُن کو فرشتے۔

(۶) بیان القرآن :۱/۵۸،۵۹

(۷) ترجمہ؛ اب کیا تو زبردستی کرے گا لوگوں پر کہ ہو جائیں باایمان۔

(۸) تفسیر عثمانی :۱/۷۵

(۹) بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ اُن کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اُس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

(۱۰) جو شخص (دنیا میں) زرہ برابر نیکی کریگا وہ (وہاں) اسکو دیکھ لے گا

(۱۱) بیان القرآن: ۱/۶۶

(۱۲) اور البتہ اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے۔

(۱۳) تاکہ اُٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ اُن کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق۔

(۱۴) تفسیر عثمانی:۱۔۲۲۶

(۱۵) الطور:۵۲،۲۱

(۱۶) المؤمنون ۲۳: ۱۰۱

(۱۷) الحجرات۱۳:۴۹

(۱۸) بیان القرآن:۱/۹۶

(۱۹) سورۃ آل عمرآن۲۸:۳. تفسیر عثمانی:۱/۹۵

(۲۰) تفسیر عثمانی: البقرہ۱۷۸:۲، ۱/۳۶؛ آل عمرآن۱۴۴:۳،۱/۱۳۳؛ آل عمرآن۱۸۴:۳، ۱/۱۴۸

النساء۳۱:۴،۱/۱۶۸؛ الاعراف۱۵:۷،۱/۳۱۸؛ الاعراف۲۶:۷، ۱/۳۲۱

ابراھیم۴۳:۱۴،۱/۵۶۵؛ المومن:۲،۸/۱۰۰۷؛ المومن:۸،۱/۱۰۰۸، ۱۱

تفسیر بیان القرآن، الفاتحہ: تسمیہ،۱/۲۱؛ البقرہ۱۳۵:۲، ۱/۷۹؛ البقرہ: ۲۸۴، ۱/۲۰۸؛ الاعراف:۱۲،۲/۸؛ بنی اسرائیل: ۱،۲/۳۶۵؛ الشعراء: ۸۳ تا ۹۰،۳/۴۴؛ الحدید۵۷: ۱۳، ۳/۵۱۲؛ الحدید۲۸:۵۷،۳/۵۱۶

(۲۱) تفسیر عثمانی، ۱/۱۴۰

(۲۲) تفسیر عثمانی، ۱/۲۸۹

(۲۳) بیان القرآن، ۲/۶۸

(۲۴) بیان القرآن، ۲/۱۸

(۲۵) تفسیر عثمانی، النساء۴: ۳۱، ۱/۱۶۸؛ الطور۵۲: ۲۱، ۲/۱۱۶؛ الانفال۲۹:۸، ۱/۲۸۱؛ یوسف۱۲: ۱۱۰، ۱/۵۳۶؛ الحجر۱۵: ۸۷، ۱/۵۸۰؛ النحل۱۶: ۲۵، ۱/۵۸۷؛ النور۲۴: ۳، ۲/۷۷۰؛ الاسراء۱۷: ۵۸، ۱/۶۳۱

تفسیر بیان القرآن: البقرۃ۲: ۱۸۵، ۱/۱۲۹؛ البقرۃ۲: ۲۸۶، ۱/۲۰۹؛ النور۲۴: ۲۶، ۲/۵۶۹

(۲۶) تفسیر عثمانی، ۱/۴۷۴

(۲۷) تفسیر عثمانی: ۱/۴۶۹

(۲۸) تفسیر عثمانی: آل عمران۳: ۱۱۲، ۱/۱۲۳؛ المائدہ۵: ۳۵، ۱/۲۳۵؛ آل عمران۳: ۱۵۳، ۱/۱۳۶؛ الکہف۱۸: ۶۵، ۲/۶۶۶؛ مریم۱۹: ۳۴، ۲/۶۷۹؛ طہٰ۲۰: ۱۳۴، ۲/۷۱۱؛ الاخلاص۱۱۲: ۲ ۲/۱۲۹۵؛ المائدہ۵: ۲۹، ۱/۲۳۳؛ الاعراف۷: ۲۹، ۱/۳۲۲، الاعراف۷:

۴۶، ۱/۳۲۸: ھود ۱۱:۴۰/۴۸۴؛ المائدہ۵: ۱۰۳، ۱/۲۶۳

تفسیر بیان القرآن: البقرہ۲: ۶۲، ۱/۶۰ (اللغات)؛ البقرۃ۲: ۱۴۳، ۱/۱۰۲؛ المائدہ۵: ۱۹، ۱/۴۶۳؛ الاعراف۷: ۱۸۹، ۲/۷۶؛ آل عمران۳: ۱۰۵، ۱/۲۶۹؛ الاعراف۷: ۱۴۔ ۱۵، ۲/۱۵؛ یوسف۱۲: ۶۷، ۲/۲۶۱؛ الکھف۱۸: ۲۲، ۲/۴۱۱، ۴۱۲

(۲۹) تفسیر عثمانی، ۱/۳۸

(۳۰) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۱۴

(۳۱) لوگوں میں سے بعض متکلفین نے کہا کہ یہ (شراب) گندگی ہے اور فلاں فلاں کے پیٹ میں تھی جب وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

(۳۲) تفسیر بیان القرآن: ۱/۵۳

(۳۳) ملاحظہ فرمائیے: تفسیر عثمانی: ۱/۲۵۸، ۲۵۹

(۳۴) تفسیر عثمانی: ۱/۹۱۲

(۳۵) تفسیر عثمانی: ۱/۹۱۲

(۳۶) تفسیر بیان القرآن: ۲/۱۶۵

(۳۷) تفسیر عثمانی: ۱/۲۲۸

(۳۸) البقرۃ۲: ۳۸، ۱/۱۱؛ الانعام۶: ۱۴۸، ۱/۳۰۷؛ الاعراف۷: ۹، ۱/۳۱۶؛ الاعراف۷: ۲۴، ۱/۳۲۰؛ الحاقۃ۶۹: ۴۷، ۲/۱۲۰۸

(۳۹) بیان القرآن، ۱/۴۱

(۴۰) بیان القرآن: ۱/۳۵

(۴۱) البقرۃ۲: ۷، ۱/۲۴، ۲۵؛ البقرہ۲: ۳۲، ۱/۳۳؛ البقرۃ۲: ۶۲، ۱/۵۸؛ البقرہ۲: ۱۴۳، ۱/۱۰۱، ۱۰۲؛ آل عمران۳: ۵۶، ۱/۲۴۴؛ آل عمران۳: ۱۷۸، ۱/۳۰۶؛ النساء۴: ۳، ۱/۳۲۴

❀❀❀❀❀❀❀❀

باب چہارم
تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کی روشنی میں مشکل آیات کی توجیہات

فصل اول: چند متعارض آیات کی توجیہات

فصل دوم: علمی اشکالات

فصل سوم: چند متفرق مشکل آیات کی توجیہات

تمہید:۔

اس باب میں دونوں تفاسیر سے اشکالات کے حل کی چند امثلہ ذکر ہوں گی دونوں تفاسیر اشکالات کو دور کرنے میں معاون و مددگار ہیں۔حل اشکالات میں مذکورہ تفاسیر کے منہج کی وضاحت باب سوم میں گزر چکی ہے۔

اس باب میں تین فصول ذکر ہوں گی فصل اول میں چند متعارض آیات کی توجیہات بیان کی جائیں گی۔فصل دوم میں اُن اشکالات کی امثلہ ذکر ہوں گی جن کا تعلق علم نحو، لغت، اور علم بلاغہ سے ہے۔تیسری فصل میں متفرق امثلہ کو ذکر کیا جائے گا۔

فصل اول:"چند متعارض آیات کی توجیہات"

مسئلہ تعارض آیات ایک اہم مسئلہ ہے اور ہر دور کے مفسرین نے اِس کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اپنی اپنی تفاسیر میں آیات کو اس طرح واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام آیات مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے موافق و مطابق ہو جائیں۔تعارض کا وھم ایک عام ذہنی سطح کے شخص کو زیادہ لاحق ہوتا ہے کیونکہ علم کی کمی اور ناقص فہم اِس وہم کو بڑھاتے ہیں۔اس کے متعلق تفصیلی بحث باب دوم کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

تفسیر عثمانی کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا شبیر احمد کا انداز تعارض کے حل میں انتہائی سہل اور دلنشین ہے اگر ہم متعارض محسوس ہونے والی آیات کی اپنی اپنی جگہ پر اس تفسیر سے وضاحت پڑھ لیں تو خود بخود مطابقت ذھن میں پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ بعض دفعہ مولانا متعارض آیات کو یکجا کر کے تعارض کی وضاحت کرتے ہیں اور پھر اس کی توجیہ بیان کرتے ہیں۔

جبکہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کسی آیت کا قرآن کی دوسری کسی آیت سے ذرا سا بھی تعارض کا شبہ یا وھم ہوتا ہے تو مولانا فوراً اُس آیت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ زیر مطالعہ آیت کا فلاں آیت سے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے اور آگے تعارض کی توجیہ ذکر کر دیتے ہیں۔

مذکورہ تفاسیر میں تعارض کے حل کے چند اسلوب:

آیات قرآنیہ کا ایک دوسرے کے ساتھ تعارض ذکر کرنے اور اُس کو حل کرنے میں دونوں

تفاسیر میں تین طرح کے اسلوب ملتے ہیں۔

۱۔ زیر بحث آیت کے تحت اُس کی معارض آیت ذکر کر کے باقاعدہ تعارض کی وضاحت کرتے ہیں اِس کے بعد جواب ذکر کرتے ہیں۔

۲۔ کسی آیت کی تفسیر کے تحت اِس سے متعلق تمام متعارض آیات کو ایک جگہ جمع کر کے اُن کے درمیان تطبیق یا جمع کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں وجہ تعارض کا صراحۃً ذکر نہیں ہوتا۔

۳۔ بعض اوقات کسی آیت کے ضمن میں باقاعدہ تعارض کا نہ ذکر کرتے ہیں نہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں فقط اُسی آیت کی ایسی دلنشین اور قابل فہم وضاحت کرتے ہیں کہ قاری قرآن کے ذہن میں اس آیت کا اگر دوسری آیات سے تعارض کا شبہ ہو تو وہ خود بخود دور ہو جاتا ہے۔

۴۔ آیات کا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعارض

اس کی بھی چند مثالیں دونوں تفاسیر میں ملتی ہیں البتہ بہت کم ہیں۔ اُن میں جتنی مجھے مل سکی ہیں اُن سب کو ذکر کر دیا جائے گا۔

اسلوب اول کی چند امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

۱:۔ مولانا سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت کے حاشیہ میں اُس آیت کی معارض آیت بھی ذکر کرتے ہیں اور تعارض کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (البقرہ،۲:۶۳)

ترجمہ:۔ اور جب لیا ہم نے تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم ڈرو۔

یہاں تفسیر عثمانی سے اس آیت کا حاشیہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

''کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ''

توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے۔" تب اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو اُن کے سروں پر آن کر اُترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی۔ گنجائش سرتابی اصلاً نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ "پہاڑ سروں پر معلّق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ البقرہ ۲:۲۵۶) اور نیز قاعدہ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ دوبارہ قبول دین ہرگز نہیں۔ "دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کیے ہوئے تھے۔" اور بار بار حضرت موسیٰ سے تقاضا کرتے تھے کہ "کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں۔" اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت اُن کو دی گئی تو اب پہاڑ کا معلّق کرنا نقض عہد روکنے کے لیئے تھا نہ کہ قبول دین کے لیے۔"(۱)

نمبر ۲:۔ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

(ھود ۱۱:۹۴)

ترجمہ:۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیبؑ کو اور جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہربانی سے اور آ پکڑا اُن ظالموں کو کڑک نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔"

اس آیت کے تحت مولانا لکھتے ہیں:۔

"یہاں قوم شعیبؑ کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور "اعراف" (آیت:۹۱) میں "رجفه" کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورۃ "شعراء" (آیت:۱۸۹) میں "عذاب یوم الظلة" آیا

ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بادل سائباں کی طرح ان پر محیط ہو گئے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اُس قوم کے حق میں جمع کر دیے گئے تھے۔ پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا'' (اعراف'' آیت: ۸۸) میں تھا کہ اُن لوگوں نے شعیبؑ سے کہا کہ ہم تم کو تمہارے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے۔ اُسی کے زلزلہ سے ہلاک ہوئے یہاں اُن کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا اِس لیے بالمقابل آسمانی ''صیحہ'' (کڑک) کا ذکر فرمایا سورۃ ''شعراء) میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے: (فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾) (الشعراء۲۶:۱۸۷)۔ یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے، اُس کے مقابلے میں ''عذاب یوم الظلّة'' کا تذکرہ فرمایا۔''(۲)

۳۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (الاعراف۷:۱۷۹)

ترجمہ:۔ ہم نے پیدا کیا دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی۔

مولانا فرماتے ہیں:

''یہ آیت بظاہر آیت (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾) (الزاریات۵۱:۵۶) کے معارض معلوم ہوتی ہے اس لیے بعض مفسرین نے وہاں لیعبدون میں لازم غایت اور یہاں لجہنم میں لام عاقبت مراد لیا ہے یعنی سب کو پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے لیکن بہت سے جن وانس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کریں گے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لیے پیدا ہوئے کما فی قولہ تعالیٰ: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا

(القصص ۲۸: ۸) باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں وہ دونوں
جگہ ''لام غایت'' ہی کا ارادہ کرتے ہیں مگر لیعبدون میں ''غایت تشریعی''
اور یہاں لجھنّم میں ''غایت تکوینی'' بیان کی گئی ہے۔'' (۳)

اس کی مزید امثلہ کا حاشیہ میں فقط حوالہ دیا جا رہا ہے۔ (۴)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

۱:۔ وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾ (الانعام ۶: ۲۲)

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس دن ہم خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم اُن مشرکین سے کہیں گے تمھارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعوی کرتے تھے وہ کہاں گئے۔

مولانا اس آیت کے فائدہ کے تحت دو تعارض ذکر کرتے ہیں اور اُس کا جواب بھی دیتے ہیں جیسے:

''یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرکاء وہاں نہ ہوں گے اور دوسری آیت سے جیسا
أُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَ أَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾ (الصافات ۳۷: ۲۲)
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موجود ہوں گے۔

جواب:۔ یہاں مقصود اُن کا بحیثیت شریک و شفیع ہونے کے غائب ہونا ہے یعنی اس وصف کا انقفاء ظاہر ہو جائے گا اور دوسری آیات میں مقصود اُن کی ذات کا حاضر ہونا ہے پس کچھ تعارض نہیں اور بعض نے جواب دیا ہے کہ حاضر ہو جانے کے بعد باہم تفریق مکانی کر دیے جانے کے بعد یہ گفتگو ہوگی اور فزیّلنا بینھم کے بھی یہ ہی معنی کیے ہیں۔

دوم:۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کفار سے بولیں گے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ بولیں گے لا یکلّمھم اللّٰہ (البقرہ ۲: ۱۷۴) جواب:۔ جو کلام بطور تشریف و اکرام ہو اُس کی نفی کی گئی ہے اور یہاں اثبات ہے کلام توبیخی کا پس کوئی تعارض نہیں یا نفی بلا واسطہ کی ہے اور اثبات بواسطہ کا۔'' (۵)

۲:۔ قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾
(الاعراف ۷: ۱۴، ۱۵)

ترجمہ:۔ وہ (ابلیس) کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک اللہ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔

''اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعا بھی گا ہے قبول ہو جاتی ہے اور یہ مستلزم اکرام و محبت نہیں اور وما دُعآءُ الکافرین الاّ فی ضللٍ (المومن ۴۰: ۵۰) سے جو اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں قبول نہ ہو گی اور یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب درخواست کی منظوری نہیں ہے بلکہ اخبار ہے کہ تو کیا درخواست کرتا ہے تو تو پہلے ہی سے ہمارے مقتضائے حکمت سے ہمارے علم میں مہلت دیا گیا ہے وجہ بُعد یہ کہ دوسری آیت میں فانک آیا ہے جس سے ظاہراً انظار کا ترتب اِس کے سوال پر ہی معلوم ہوتا ہے۔''(٦)

۳:۔ خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ کَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾
(القمر ۵۴: ۷)

ترجمہ:۔ اور آنکھیں (مارے ذلت کے) جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز کافروں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی جبکہ ایک اور آیت جو کہ سورۃ ابراہیم کی ۴۳ ویں آیت ہے (دوڑتے ہوں گے اوپر اُٹھائے اپنے سے پھر کر نہیں آئیں گی اور اُن کی طرف اُن کی آنکھیں اور دل اُن کے اڑ گئے ہوں گے) سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھیں اوپر کو اُٹھی ہوں گی اِسی تعارض کو مولانا نے ذکر کر کے جواب دیا ہے:

''اور ایک آیت میں ہے: {مقنعی رؤُسهم لا یرتد الیهم

طرفهم } (ابراھیم ۱۴: ۴۳) سو تطبیق یہ ہے کہ وہاں مختلف حالتیں ہوں گی کبھی حیرت اور اُس کے آثار کا غلبہ ہوگا اور کبھی ہیبت و ذلت اور اُن کے آثار کا غلبہ ہوگا۔" (۷)

مزید امثلہ کا حوالہ حاشیہ میں ہے صاحب ذوق ان کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔" (۸)

دوسرے اسلوب کی امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

نمبرا:۔ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ (ابراہیم ۱۴: ۴۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے اس کے تحت مولانا اس سے متعارض آیت ذکر کر کے دونوں میں تطبیق کی صورت پیدا فرماتے ہیں جیسے:

"یعنی محشر میں سخت پریشانی اور خوف و حیرت سے اوپر کو سر اٹھائے ٹکٹکی باندھے گھبرائے ہوئے چلے آئیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔غرض ظالموں کے لیے وہ سخت حسرت ناک وقت ہوگا، رہے مؤمنین قانتین، سو اُن کے حق میں دوسری جگہ آچکا ہے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ (انبیاء ۲۱: ۱۰۳)"

۲: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ (المائدہ ۵: ۵۱)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے اُن سے تو وہ انہی میں ہے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالموں کو۔

مولانا نے اس سے متعارض آیات کو جمع کر کے سب کی الگ الگ وضاحت کر دی ہے تاکہ تعارض نہ رہے البتہ تعارض کا تذکرہ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں: ''اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ''ولی'' دوست کو بھی کہتے ہیں قریب کو بھی ناصر اور مددگار کو بھی۔ غرض یہ ہے کہ

''یہود و نصاریٰ'' بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورۃ ''نساء'' میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔

اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ موالات، مروت، وحسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل وانصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد وپیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الانفال ۸:۶۱، ۳۸۸) عدل وانصاف کا حکم گزشتہ آیات سے معلوم ہو چکا۔ مسلم وکافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے مروت اور حسن سلوک یا رواداری کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کرے جیسا کہ سورۃ ممتحنہ (آیت: ۱، ۱۱۲۲) میں تصریح ہے۔ باقی ''موالات'' یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت ومعاونت، تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے البتہ صوری موالات جو اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ (آل عمران ۳:۲۸، ۹۵) کے تحت میں داخل ہو اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اس کی اجازت ہے۔''(۹)

پس یہاں مختلف آیات کو جمع کر کے اُن کے درمیان تطبیق کی صورت پیدا فرما دی گئی۔

مزید امثلہ کا حوالہ حاشیہ میں ہے۔ (۱۰)

بیان القرآن کی روشنی میں

۱:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (النساء ۴:۹۷)

بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گنہگار کر رکھا ہے۔

مولانا اس آیت کے فائدے میں لکھتے ہیں۔

یہاں (اس آیت میں) جان قبض کرنے کو فرشتوں کی طرف منسوب فرمایا جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے توفتہ رسلنا۔ اور ایک آیت میں ملک الموت کی طرف اللّٰہ یتوفی الانفس سو وجہ جمع یہ ہے کہ قابض حقیقی اللہ تعالیٰ اور ظاہری ملک الموت اور دوسرے ملائکہ ان کے معین وشریک ہوا کرتے ہیں۔'' (۱۱)

اس مقام پر مولانا نے متعارض آیات کو یکجا کر کے اُن کے درمیان تطبیق پیدا کی ہے اور کسی تعارض کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ مزید امثلہ کا فقط حوالہ دیا جا رہا ہے۔ (۱۲)

تیسرے اسلوب کی امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

۱: مولانا اس طریقے میں نہ تو تعارض کا ذکر کرتے ہیں نہ ہی متعارض آیات کو جمع کرتے ہیں البتہ اس کو قاری کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں اگر ایسے تعارض کا اشکال کسی کو پیدا ہو تو وہ اُن آیات کی وضاحت اگر اس تفسیر سے دیکھ لے گا تو خود بخود اُس کو تطبیق کی صورت معلوم ہو جائے گی۔

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۶

(الحجر ۱۵:۲۶)

ترجمہ:۔ اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے

اس آیت میں تخلیق انسان کا مادہ {صلصال من حماٍ مسنون} کہا ہے دیگر آیات میں تراب، کالفخار وغیرہ کا ذکر ہے یہاں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے یہاں تعارض کا نہ صراحۃً ذکر کیا ہے نہ اُس کی طرف اشارہ کیا ہے فقط اِس آیت کی تفسیر ذکر کی ہے جس کو پڑھنے سے خود بخود تعارض دور ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے صلصالٍ (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اِس حالت کو پہنچتی ہے اِسی کو دوسری جگہ

کالفخّار فرمایا) اور حماٍمسنون (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اس سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا تب مختلف تطورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''کأنه سبحانه افرغ الحمأ فصوّر من ذلك تِمثال انسان اجوف فيبس حتى اذا نقر صَوّت ثمّ غيرّه طورًا بعد طورٍ حتى نفغ فيه من روحه فتبارك الله أحسن الخالقين۝''

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی وہی بدن ہوا انسان کا، اُس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں۔ اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ حمامسنون اور طین لازب وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ پانی کو ملا کر اسے خشک کیا اور ''فخار'' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہی ناری جزء آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اِسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۝ وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۝ (الرحمن ۵۵: ۱۴، ۱۵) راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے۔'' (۱۳)

۲:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا ۝ (الکھف ۱۸: ۱۰۵)

ترجمہ:۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اُس کے ملنے سے سو برباد کیا اُن کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم اُن کے واسطے قیامت

کے دن تول۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میزان قائم نہ کیا جائے گا حالانکہ دوسری آیت میں قائم کیا جانا ثابت ہے جیسے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ (الاعراف ۷:۸)

مولانا صاحب یہاں اس آیت کی وضاحت اس طرح کر رہے ہیں کہ تعارض کا شبہ خود ہی ختم ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

''کافروں کی حسنات مردہ ہیں اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں اب محض کفریات وسیئات رہ گئیں سو ایک پلہ کیا تلے! تولنا تو موازنے کے لیے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے۔ یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ پھر تولنے کا کیا مطلب۔'' (۱۴)

مزید امثلہ کے حوالے حاشیے میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔ (۱۵)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

۱:- وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲:۵۱)

ترجمہ: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا۔ پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا گوسالہ کو موسیٰؑ کے جانے کے بعد اور تم ہی ظالم ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے موسیٰ نے ۴۰ دن تک اللہ کی عبادت کی۔ جبکہ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۲ میں ۳۰ دن کے وعدہ کا تذکرہ ہے (وٰعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃً) بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ مولانا اشرف علیؒ نے تعارض کا ذکر کیے بغیر یہاں سورۃ بقرہ کی ایسی وضاحت کی ہے کہ تعارض ختم ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

''یہ قصہ اُس وقت ہوا جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل بقول بعض مصر میں واپس آ کر رہنے لگے یا بقول بعض کسی اور مقام پر ٹھہر گئے تو انہوں نے موسیٰ سے عرض کیا کہ اب ہم بالکل مطمن ہو گئے۔ اگر کوئی شریعت ہمارے لیے مقرر ہو تو اُس کو اپنا دستور العمل بنا دیں۔ موسیٰ کی عرض پر حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم کوہ طور پر آ کر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو ایک کتاب تم کو دیں گے آپ نے ایسا ہی کیا اور توریت مل گئی مگر دس روزہ عبادت میں مشغول رہنے کا اس لیے حکم ہوا کہ موسیٰ نے ایک ماہ روزے رکھنے کے بعد افطار فرما لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو روزے دار کے منہ کا رائحہ (جو کہ خلو معدہ کی تبخیر سے پیدا ہو جاتا ہے) پسند ہے۔ اس لیے موسیٰ کو حکم ہوا کہ دس روزے اور رکھیں تا کہ وہ رائحہ پھر پیدا ہو جائے اس طرح یہ چالیس روزے ہو گئے۔ موسیٰ تو یہاں رہے اور وہاں سامری ایک شخص تھا۔ اُس نے چاندی یا سونے کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس کے اندر ایک مٹی جو حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھائی ہوئی تھی اُس کے پاس ڈال دی تھی اس میں جان پڑ گئی۔ جہلائے بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔'' (۱۶)

کچھ امثلہ کے حوالے حاشیے میں ذکر کیے جا رہے مزید مطالعے کے لیے ان کی طرف رجوع فرما لیجیے۔ (۱۷)

آیات کا حدیث نبوی سے تعارض اور اس کی وضاحت

دونوں تفاسیر میں کبھی کبھی کسی آیت کا حدیث نبوی سے تعارض ذکر کر کے جواب دیے جاتے ہیں۔ کبھی تعارض کا صراحۃً ذکر ہوتا ہے اور کبھی اشارۃ اور کبھی تعارض کے ذکر کیے بغیر فقط وضاحت سے تعارض دور ہو جاتا ہے۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

امثلہ:۔

۱: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ (المائدہ ۵:۵)

اور تمھارا کھانا (اہل کتاب) اُن کو حلال ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے اور مسلمانوں کا اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔

ایک حدیث سے اس کا اختلاف معلوم ہوتا ہے مولانا نے اُس حدیث کا ذکر کر کے دونوں میں تطبیق کی صورت پیدا کی ہے۔

> ''اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا بعض احادیث میں جو آیا ہے ''لا یأكل طعامك الاّ تقیّ۔ (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیز گار) اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیز گاروں کے لیے تمھارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لیے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہوگئی تو ایک موحدّ مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لیے کیوں حرام ہوگا۔'' (۱۸)

۲:۔ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۴۳)

ترجمہ:۔ اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے۔

سورۃ اعراف کی اِس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں دخول کا سبب اعمال ہیں۔ جبکہ حدیث میں اس کی نفی کی گئی ہے اِسی کا تذکرہ مولانا نے اِس آیت کے ضمن میں اس طرح کیا ہے:

''یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا یعنی آج ساری عملی جدوجہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدم کی میراث ہمیشہ کے لیے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ ''کسی شخص کا عمل ہرگز اُس کو جنت میں داخل نہ کرے گا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں فقط ظاہری سبب ہے، دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اسی حدیث میں: اِلاان یتغمدنی اللّٰہ برحمته۔ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاں بندہ پر رحمتِ الٰہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے جس قدر عمل کی روح اُس میں موجود ہو۔ مترجم زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمتِ الٰہیہ کے زور سے چلتی ہے۔ عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارے پر چلاتے اور روکتے ہیں۔''(۱۹)

۳:۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

(الاعراف ۷:۵۴)

ترجمہ:۔ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیے۔

اس آیت سے تخلیق زمین وآسمان کا دورانیہ چھ دن معلوم ہوتا ہے جبکہ ایک روایت میں سات دن کا ذکر ہے مولانا نے اگرچہ معارض حدیث ذکر نہیں کی لیکن اس آیت کی وضاحت سے یہ معمہ حل ہو جاتا ہے وہ رقمطراز ہیں:

''یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا۔ پیدا کیا کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع وغروب سے وابستہ ہیں جب اُس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا؟ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد ہیں۔''(۲۰)

۴:۔ یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ٭ۖ وَ اجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾ (مریم ۱۹:۶)

ترجمہ:۔ جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی اور کر اُس کو اے رب من مانتا۔

یہاں حضرت زکریا اپنے لیے اور اولاد یعقوب کے لیے وارث مانگ رہے ہیں حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس کی بھی مولانا عمدہ توجیہہ اس طرح ذکر کرتے ہیں:

''احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اُنکی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔ خود شیعوں کی مستند کتاب ''کافی کلینی'' سے بھی ''روح المعانی'' میں اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں لہذا متعین ہے کہ یرثنی ویرث من آل یعقوب میں وراثت مالی مراد نہیں۔ جس کی تائید خود لفظ ''آل یعقوب'' سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ تمام آل یعقوب کے احوال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریا کا بیٹا کیسے ہوسکتا تھا۔ بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے پھر دعا میں اس کا ذکر کرنا محض بے کار تھا۔''(۲۱)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

۱:۔ فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾ (البقرۃ ۲:۳۸)

جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اُن پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔

مولانا اس آیت کا حدیث کے ساتھ تعارض ذکر کر کے جواب اس طرح دیتے ہیں:

''یعنی قیامت کے دن اُن کو یہ ثمرہ ملے گا اور یہ خلجان نہ ہو کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روز بڑے بڑے مقبول و مقرب لوگ خوفزدہ ہوں گے

بات یہ ہے کہ اللہ نے یوں نہیں فرمایا کہ وہ خوفناک نہ ہوں گے تا کہ اِس شبہ کی گنجائش ہو بلکہ اس طرح فرمایا ہے کہ اُن پر کچھ اندیشہ وخوف نہ ہوگا۔ یعنی اُن پر کوئی خوفناک واقعہ نہیں پڑے گا خود اپنے دل میں وہ کتنا ہی ڈرا کریں۔"
(۲۲)

۲:۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾
(الاعراف ۷:۴۳)

اس آیت کا ترجمہ اور وضاحت ماقبل گزر چکا ہے یہاں تھانوی حدیث سے اشکال کا تذکرہ کر کے وہی جواب دیتے ہیں جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے نقل کیا ہے جیسے:

"بما کنتم تعملون سے ظاہراً اعمال کا سبب دخول جنت ہونا معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کے سبب کوئی جنت میں نہ جاوے گا۔ بلکہ رحمت الٰہی کے سبب جاویں گے۔ اصل یہ ہے کہ آیت میں سبب ظاہری مراد ہے اور حدیث میں سبب حقیقی پس ظاہری کے اثبات اور حقیقی نفی میں کوئی تعارض نہیں۔" (۲۳)

۳:۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵:۷)

ترجمہ: اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو (یعنی جو کہ بزعم خود رسول ہے) کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا بھی کھاتا ہے اور انتظام معاش کے واسطے ہماری طرح بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔

اس آیت کا حدیث سے جو تعارض ہے اس کو مولانا تھانویؒ نے اس طرح دور کیا ہے۔

"اس آیت سے مشی فی الاسواق کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیثوں سے جو کراھت معلوم ہوتی ہے تو بلا ضرورت جانا مراد ہے بلکہ اگر مشی فی الاسواق براہ تکبر ہو تو خود عدم مشی مذموم اور مشی محمود ہے۔" (۲۴)

حوالہ جات وحواشی

(۱) تفسیر عثمانی: ۱/ ۱۷

(۲) تفسیر عثمانی: ۱/ ۴۹۸

(۳) تفسر عثمانی: ۱/۳۶۳

(۴) تفسیر عثمانی، یونس۱۰: ۵۸، ۱/ ۳۵۸، حم سجدہ۴۱: ۹تا ۱۳، ۲/ ۱۰۲۳؛ البقرہ۲: ۱۷۳، ۱/ ۳۲

(۵) بیان القرآن: ۱/ ۵۳۲

(۶) بیان القرآن: ۲/ ۱۵

(۷) بیان القرآن: ۲/ ۲۸۳

(۸) الاعراف۷: ۱۷۹، ۱/۷۱؛ الرعد۱۳: ۲۸، ۲/ ۲۸۶؛ المومنون: ۶۸، ۲/ ۵۵۰؛ الفرقان: ۶۹، ۲/ ۳۳؛ المومن: ۷۲، ۲/۳۲۵

(۹) عثمانی: ۱/ ۲۳۳

(۱۰) آل عمران۳: ۱۱۷، ۱/ ۱۲۳؛ المومن۴۰: ۸، ۱/ ۱۰۰۷؛ الانعام۶: ۲۳، ۱/ ۲۷۶؛ البقرہ۲: ۲، ۱/ ۲

(۱۱) بیان القرآن: ۱/ ۳۹۹

(۱۲) البقرہ۲: ۶۳، ۱/۵۹؛ آل عمران۳: ۲۸، ۱/ ۲۲۶، ۲۲۷؛ البقرہ۲: ۲۵۴، ۱/ ۱۸۲ الاعراف۷: ۲/ ۱۲، ۱۳؛ حم سجدہ۳۵، ۵:۴۱/ ۳۲۹

(۱۳) تفسیر عثمانی: ۱/ ۵۷۲

(۱۴) تفسیر عثمانی: ۲/ ۶۷۳

(۱۵) البقرہ۲: ۱۴۳، ۱/ ۳۲؛ البقرہ۲: ۲۱۳، ۱/ ۵۸؛ الانفال۸: ۳۳، ۳۴، ۱/ ۳۷۹؛ مریم۱۹: ۷۱، ۲/ ۶۸۹؛ الاعراف۷: ۱۴۲، ۱/ ۳۵۰؛ البقرہ۲: ۲۵۶، ۱/ ۷۵

(۱۶) بیان القرآن: ۱/ ۵۲

(۱۷) البقرہ۲: ۲۱۳، ۱/ ۷۷؛ التوبہ۹: ۱۱۴، ۲/ ۱۶۳ /۱۶۴؛ مومنون۴۰: ۹۶، ۲/ ۵۵۴؛ الجاثیہ۴۵: ۲۸، ۲/ ۳۹۲

(۱۸)　تفسیر عثمانی: ۱/ ۲۱۹

(۱۹)　تفسیر عثمانی: ۱/ ۲۲۷

(۲۰)　تفسیر عثمانی: ۱/ ۲۳۰

(۲۱)　تفسیر عثمانی: ۲/ ۶۷۶

(۲۲)　تفسیر بیان القرآن: ۱/ ۴۷

(۲۳)　بیان القرآن: ۲/ ۲۶

(۲۴)　بیان القرآن: ۳/ ۱۵

فصل دوم:۔ علمی اشکالات سے متعلق آیات کی توجیہات

۱:۔ لغوی اشکالات

۲:۔ نحوی اشکالات

۳:۔ بلاغی اشکالات

علمی اشکالات

اس فصل میں اُن اشکالات کی وضاحت ہے جو عام طور پر صاحب علم حضرات کو پیش آتے ہیں اور جن کا تعلق علم لغت، نحو اور علم بلاغہ سے ہے مثلاً آیت میں الفاظ کی اس ترتیب کو علم النحو کے اصولوں سے مطابقت کیوں نہیں ہے؟ یا اسلوب میں جو کنایہ، التفات یا ایجاز و اطناب اختیار کیا گیا ہے اُس کا مذکورہ آیت میں کیا مقصد ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا الگ الگ بیان درج ذیل ہے۔

ا۔ لغوی اشکالات:۔

چند غریب الفاظ کی شرح:۔

یہاں تفسیر بیان القرآن اور تفسیر عثمانی سے چند مشکل اور غریب الفاظ کے معانی ذکر کیے جائیں گے۔

امثلہ:

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

بیان القرآن میں زیادہ تر الفاظ کے معانی تفسیر کشاف، بیضاوی، جلالین، روح المعانی، درمنثور، مقاموس اللغۃ، الاتقان اور ابوالسعود کے حوالے سے عربی زبان میں ہی نقل کیے گئے ہیں ہر چند آیات کی وضاحت کے تحت مولانا ''اللغات'' کے عنوان کے تحت مشکل الفاظ کی شرح ذکر کرتے ہیں، اگر تفسیر کے حاشیے سے ان تمام الفاظ کو الگ کیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو سکتی ہے اِن تمام کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے یہاں فقط امثلہ ذکر کی جارہی ہیں۔

ا۔ السُّفَھَآء: مولانا تھانویؒ اس کے معنی اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

''السفا سخافة العقل وخفة الحلم۔ کشاف۔'' (۱)

سفہ سے مراد عقل کا موٹا ہونا اور بردباری کا کم ہونا ہے بحوالہ تفسیر کشاف۔

۲-القنطار:

قال ''البیضاوی القنطار المال الکثیر۔'' (۲)

مولانا تھانویؒ اس لفظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں امام بیضاوی کہتے ہیں کہ قنطار سے مراد مال کی کثرت ہے۔

۳-للمتقین:۔ مولانا تھانوی اتقان کے حوالے سے اس کا معنی اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

للمتقین للمؤمنین الذین یتقون الشرک ویعملون بطاعتی (۳)

متقین سے مراد مؤمنین ہیں جو شرک سے بچتے ہیں اور میری اطاعت کے کام کرتے ہیں۔

۴-تقلّبُ:

مولانا تھانویؒ قاموس کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''فی القاموس تقلب فی الامور تصرف فیھا کیف شآء۔'' (۴)

لغت قاموس میں ذکر ہے کہ معالات میں تقلیب کا معنی اُن میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ہے۔

۵-نبذہ:

مولانا تھانویؒ تفسیر بیضاوی کے حوالے سے اس کا معنی اسطرح کرتے ہیں۔

''نبذہ اصل النبذ الطرح لکنه یغلب فیھا ینسی '' (بیضاوی) (۵)

نبذ کی اصل ''طرح'' یعنی پھینکنا ہے لیکن اس بارے میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جب بھولنے کا غلبہ ہو جائے۔

۶-الجبت:

فی القاموس الجبت الضم وکل ما عبد من دون اللّٰہ (۶)

لغت قاموس میں ہے کہ جبت سے مراد بت ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے علاوہ کی جائے۔

۷-البزوغ:۔ (بازغۃً)

بازغہ آیت میں ہے یہ بزوغ سے ہے۔

"البزوغ الطلوع من البزغ وھو الشق کانہٗ بنورہ یشق الظلمۃً۔ (۷)

مولانا فرماتے ہیں کہ بزوغ بمعنی طلوع ہے اور اس لفظ کی اصل البزغ ہے جس کا مطلب شق کرنا یا پھاڑنا ہوتا ہے گویا کہ اُس کی روشنی سے اندھیرا پھٹ جاتا ہے یعنی دور ہو جاتا ہے۔

۸-الریش:

"الریش الزینۃ اخذاً من ریش الطیر الذی ھو زینۃٌ لہ۔" (۸)

ریش سے مراد زینت ہے اور اس کو لیا گیا ہے پرندے کے پر سے اور وجہ استعارہ یہ ہے کہ پرندے کے پر اُس کے لیے زینت کا باعث ہوتے ہیں۔

۹-اعناق. بنان:

"فوق الاعناق قیل علی الاعناق ففوق بمعنی علی وقیل علی الرؤس التی ھی فوق الاعناق البنان اطراف الاصابع وبلغۃ ھذیل الجسد کلہ کذا فی الدر المنثور عن ابن عباس" (۹)

یہاں فوق الاعناق کے متعلق کہا گیا ہے کہ گردن کے اوپر پس یہاں فوق یہ "علی" کے معنی میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ علی الرؤس یعنی گردن کے اوپر سے مراد سروں پر مارنا ہے کیونکہ یہ ہی سر گردن سے اوپر واقع ہوتا ہے۔

''بنان'' یہ انگلیوں کے اطراف یا پوروں کو کہتے ہیں اور قبیلہ ہذیل کی لغت کے مطابق بنان سے پورا جسم مراد ہے جیسا کہ تفسیر در منثور میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

۱۰-الکنز:

''الجمع سواء دفن اولم یدفن من الروح۔'' (۱۰)

مولانا تھانویؒ تفسیر روح المعانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کنز سے مراد ''جمع شدہ'' ہے (یعنی خزانہ) چاہے زمین میں دفن ہو یا دفن نہ ہوا ہو۔

۱۱-السائحون:۔

''السائحون من السیاحة وفسربالصیام مرفوعاً اخرجه ابن مردویه عن ابن مسعود وابی هریرہ لانّ الصوم یعوق عن الشهوات کماان السیاحة تمنع منها فی الاکثر۔'' (۱۱)

سائحون کا لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے اور اس کی تفسیر روزے سے کی گئی ہے حدیث مرفوع کی وجہ سے جس کی تخریج ابن مردویہ نے ابن مسعودؓ اور ابوھریرہؓ کے حوالے سے نقل کی ہے وجہ یہ ہے کہ جس طرح روزہ شہوات کے پورا کرنے میں حائل ہوتا ہے اِسی طرح سیاحت یعنی سفر میں ہونا بھی شہوت کی کثرت کو پورا کرنے میں مانع ہے۔

۱۲-تہوی:

بمعنی تسقط (۱۲) یعنی ساقط ہو جانا۔ گر جانا ہے۔

۱۳-سحیق:

ای بعید:۔ (۱۳) بمعنی دور

۱۴-شعآئر:

''فی الروح جمع شعیرة اوشعارة بمعنی العلامة کالشعارو اطلقت علی البدن الهدایا کما قال ابن عباس لا نّها من

معالم الحج او الدین۔'' (۱۴)

تفسیر روح المعانی میں ذکر ہے کہ یہاں شعائر یہ شعیرة یا شعارة کی جمع ہے اس کا معنی ہے ''علامت'' اور اس کا اطلاق بعد میں قربانی کے جانور (ہدی) کے جسم پر ہونے لگا جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا اس لیے کہ یہ حج یا دین کے معالم ''یعنی نشان ہیں۔

۱۵-التدمیر:۔

''اصله کسر الشئی علی وجه لا یمکن اصلاحه۔'' (۱۵)

تدمیر کی اصل یہ کہ کسی چیز کو اس طرح سے توڑ دینا کہ بعد میں اُس کی اصلاح یا اس کو درست کرنا ممکن نہ ہو۔

۱۶-تعساً:۔

''فی القاموس الهلاك۔ والعشار۔ والسقوط۔ والشر۔ والبعد والانحطاط۔'' (۱۶)

۱۷-لایلتکم:۔

لات یلیت اجوف بمعنی النقص۔ (۱۷)

بمعنی کمی کرنا۔ (یہ فعل اجوف ہے)

۱۸-ریب المنون:۔

''فی الخازن یعنی حوادث الدهرو المنون اسم للموت وللدهر واصله القطع سیما بذلك لانهما یقطعان الاجل'' (۱۸)

تفسیر خازن میں ہے کہ اس سے مراد زمانے کے حوادثات ہیں اور والمنون کا لفظ موت اور زمانے دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی اصل ''قطع کرنا'' ہے اور یہ موت اور زمانے دونوں کے لیے علامت ہے اس لیے کہ یہ دونوں زندگی کو قطع (ختم) کر دیتی ہیں۔

پس تمام آیات کے ذیل میں جو عربی حواشی ذکر کیے گئے ہیں ان میں ایک حاشیہ اللغات کے نام سے مشکل الفاظ کی شرح کے لیے قائم کیا گیا ہے اس کی مثالیں وہاں سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

ا۔ وسطاً:

> ''وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی (ٹیڑھ پن، ترچھا پن) کا شائبہ نہیں اور افراط وتفریط (کمی وزیادتی) سے بالکل بری ہے۔''(۱۹)

۲۔ اسلام:

> ''اسلام کے اصل معنی سونپ دینے کے ہیں''مذہب اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کردینے اور اُس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے۔ گویا''اسلام'' انقیاد وتسلیم کا اور''مسلمانی''حکم برداری کا دوسرا نام ہوا۔''(۲۰)

۳۔ مکر:۔

> ''مکر کہتے ہیں لطیف وخفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لیے ہوتو اچھا ہے اور برائی کے لیے ہوتو برا ہے۔ اسی لیے ولایحیق المکر السّیّیٔ (فاطر: ۴۳) میں مکر کے ساتھ سیئ کی قید لگائی اور یہاں خدا کو خیر الماکرین کہا۔''(۲۱)

۴۔ منکر:۔

''برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق وفجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔''(۲۲)

۵۔ خلت:۔

''خلو'' سے مشتق ہے جس کے معنی''ہوچکنے''''گذرنے''اور''چھوڑ کر چلے جانے'' کے ہیں اس کے لیے موت لازم نہیں۔(۲۳)

۶۔لعن:۔

''لعن کے معنی طرد و ابعاد کے ہیں۔یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔''(۲۴)

۷۔سمّٰعون:۔

''کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے پھر''بہت زیادہ سننا'' کبھی جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں''بہت زیادہ قبول کرنے والا جیسے سمع اللہ لمن حمدہ، میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔''(۲۵)

۸۔مُھَیمنا:

''اس کے کئی معنی ہیں: امین، غالب، حاکم، محافظ، نگہبان وغیرہ۔''(۲۶)

۹۔رتق:

''رتق کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں۔''(۲۷)

۱۰۔خشوع:

''خشوع'' کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا چنانچہ ابن عباسؓ نے خاشعون کی تفسیر خائفون ساکنون'' سے کی ہے۔''(۲۸)

۱۱۔امشاج:۔

اس کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن غذاؤں کا خلاصہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لیے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اس کو امشاج کہہ سکتے ہیں۔''(۲۹)

۱۲۔حمالۃ الحطب:۔

بعض نے حمالۃ الحطب کے معنی چغل خور کے لیے ہیں اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو''ہیزم کش'' کہتے ہیں۔''(۳۰)

تفسیر عثمانی میں مزید امثلہ کے لیے درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیے۔(۳۱)

چند نحوی مسائل کی وضاحت:

بعض دفعہ اعراب کی وجہ سے بھی قرآن کی آیت میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ وہاں پھر ترکیب نحوی کے ذریعہ یا حروف معانی کے صحیح استعمال سے آیت کا مفہوم واضح کیا جاتا ہے۔

مولانا تھانویؒ نے ہر آیت کے حاشیہ میں ''النحو'' کی سرخی قائم کی ہے اور اُس کے تحت آیت سے متعلق نحوی مسائل واضح کرتے ہیں۔ مثلاً آیت کی ترکیب، محذوف کی نشاندہی، حروف کے معنی کا بیان یعنی یہاں حرف جارہ باء سببیت کے لیے ہے یا وضاحت کے لیے وغیرہ وغیرہ اِس سے قرآن کو سمجھنے میں کافی سہولت ہوتی ہے اُن کا یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے۔

مولانا عثمانی میں کہیں کہیں اپنی تفسیر میں نحو کے مسائل سے بحث کرتے ہیں ذیل میں چند امثلہ ذکر کی جارہی ہیں۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

۱:۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (ال عمران ۳: ۱۴۴)

ترجمہ:۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں اور اِن سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے، پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو پھر جاؤ اُلٹے پاؤں، اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو ہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔

آیت ھذا کے تحت نحوی مسئلہ اس طرح بیان کیا گیا:

''قد خلت من قبله الرسل میں ''خلت'' خلو سے مشتق جس کے معنی ''ہو چکنے'' ''گزرنے'' اور ''چھوڑ کر چلے جانے'' کے ہیں۔ اس کے لیے موت لازم نہیں۔ جیسے فرمایا:

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

(ال عمران ۳:۱۱۹)

یعنی جب تمھیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز الرسل میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں۔ بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح علیہ اسلام کی نسبت فرمایا:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ

(مائدہ ۵:۷۵)

کیا لام استغراق کے لیے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام پیغمبر مسیح سے پہلے گزر چکے، کوئی ان کے بعد آنے والا نہ رہا۔ لامحالہ لام جنس لینا ہوگا وہ ہی یہاں لیا جائے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف اور ابن عباسؓ کی قرأت میں ''الرسل'' نہیں، رسل نکرہ ہے۔'' (۳۲)

۲:۔　وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الحجر ۱۵:۶۷)

ترجمہ:۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔

اس آیت میں نحوی مسئلہ مولانا عثمانی اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

(وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ) آلایۃ میں واو مطلق جمع کے لیے ہے یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔'' (۳۳)

نمبر ۳:۔ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

(مریم ۱۹:۲۹)

ترجمہ:۔ پھر ہاتھ سے بتلایا اُس لڑکے کو، بولے ہم کیونکر بات کریں اُس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا۔

آیت ھذا میں مولانا عثمانیؒ نے نحوی مسئلہ کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

"مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا الآیۃ میں کان کا لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ تکلم کے وقت وہ صبی نہیں رہا تھا۔ قرآن میں بہت جگہ مثلاً كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یا وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۲) یا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ۝ (ق ۵۰:۳۷) میں کان کا استعمال ایسے مضمون کے لیے ہوا ہے جس کا سلسلہ زمانہ ماضی کے گزرنے کے ساتھ منقطع نہیں ہوا، اور یہاں من کان فی المھد صبیا الآیۃ سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے نفی تکلیم کو ایک ضابطہ کے رنگ میں پیش کیا۔ یعنی نہ صرف عیسیٰ علیہ اسلام بلکہ ہر اُس شخص سے جو گود میں بچہ ہو کلام کرنا عادتاً محال ہے۔" (۳۴)

نمبر ۴:۔ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ (مریم ۱۹:۳۲)

ترجمہ:۔ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے، اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت۔

آیت ھذا میں بھی نحوی مسئلہ مولانا عثمانی نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

یہ جملے جو بصیغہ ماضی لائے گئے، بے شک اُس کے معنی ماضی ہی کے لیے جائیں گے لیکن اس طرح کہ مستقل متیقن الوقوع کو گویا ماضی فرض کرلیا گیا جیسے:

(اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ) (النحل ۱۶:۱) میں اس طرح مسیح علیہ اسلام نے بچپن میں ماضی کے صیغے استعمال کر کے متنبہ کر دیا کہ ان سب چیزوں کا آئندہ پایا جانا ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ اُسے یہی سمجھنا چاہیے کہ گویا پائی جا چکی ہے۔ (۳۵)

تفسیر بیان القرآن سے ایک مثال:۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن سے ایک آیت کی ترکیب نحوی ذکر کی جارہی ہے۔

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ (البقرۃ ۲: ۱۵۰)

ترجمہ:۔اور آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جائیں، اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھیے اور تم لوگ جہاں کہیں موجود ہو، اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تا کہ (اِن مخالف) لوگوں کو تمھارے مقابلے میں گفتگو کی مجال نہ رہے۔مگر ان میں (جو بالکل ہی) بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں سے (اصلاً) اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تا کہ تم پر جو کچھ میرا انعام ہے، اُس کی تکمیل کر دوں اور تا کہ دنیا میں تم راہ (حق) پر رہو۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کے تحت نحوی مسئلہ کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں کہ:

''گو یہ ترکیب کسی تفسیر میں نہیں دیکھی لیکن اوّل تو اس مقام کے لکھنے تک میرے پاس زیادہ تفاسیر نہ تھیں، بعد میں جمع ہوئیں۔ چنانچہ میں نے جلد کے ٹائیٹل میں اس کو ظاہر بھی کر دیا۔ممکن ہے کہ اس وقت اگر تفاسیر متعدد ہوتیں تو کچھ اور رائے ہو جاتی۔ دوسرے میں نے تفاسیر کے آنے کے بعد بھی اس کا الزام تو کیا ہے کہ عربیت اور شریعت کے خلاف نہ ہو اور اسی طرح مواضع منقولہ میں سلف کے خلاف نہ ہو باقی تراکیب وغیرہ کے مواقع میں توسع رکھا ہے اور شرح صدر و ذوق کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر لاتم نعمتی اور لعلکم کا عطف لئلا یکون پر اس لیے پسند نہ آیا کہ اِس کو تحویل قبلہ کی علیت میں کوئی خاص دخل نہیں تھا اور چونکہ تحویل قبلہ کے مخاطب ایسے لوگ ہیں جن کی شان میں اسی مقام پر فرمایا ہے کہ وکذلك جعلنكم اُمة وسطاً الآیة جس سے اطاعت ان پر مفہوم ہوتی ہے جو موقوف ہے توفیق پر اس لیے اس کا عامل وفقکم مقدر مان کر جس کی نظیر قرآن مجید میں

بکثرت ہے مضمون کا عطف مضمون پر قرار دیا اور کما ارسلنا کا آنا جو دال ہے
ایک دعا کے قبول پر ذوق مقتضی ہوا کہ اس قبول دعا کو تشبیہ دی جائے دوسری
دعا کے قبول کے ساتھ چنانچہ میری تقریر وجہ ربط میں اس پر دال ہے یا
بعنوان دیگر یوں کہو لعلکم تھتدون تک تحویل قبلہ کا ذکر تھا جس کے
مجموعہ سے حولنا القبلة بکذا و کذا مفہوم ہوا آگے اسی حولنا کا معمول
ہے کما ارسلنا یعنی یہ تحویل ہم نے ایسی ہی کی جیسے ارسال رسول کیا اور
دونوں میں وجہ جامع ترتیب علیٰ دعا ابراہیم ہے۔ اور ہر چند کہ دعا ابراہیمی
بعنوان تحویل قبلہ الیٰ الکعبہ پر تھی مگر جعل قبلہ کی تو بکنا یہ قبول بناء دعا تھی
اور وہ موقوف تھا تحویل قبلہ الیٰ الکعبہ پر اور ارسال رسول کی دعاء تو صریح تھی اور
چونکہ حاصل اس تشبیہ کا دونوں امر کا ایقاع بدعاء ابراہیم تھا اس لیے میں نے
اس عبارت سے تعبیر کر دیا ای استجبنا دعآء ابراھیم الخ۔

یہ عنوان پہلے عنوان سے اسہل و احسن ہے اور رہا یہ اشکال کہ اس صورت میں تعلمون اور تھتدون دونوں پر وقف ہونا چاہیے حالانکہ بعض فقط تعلمون پر وقف کے قائل ہیں اور بعض تھتدون پر سو حقیقت یہ ہے کہ ترکیب و تفسیر تابع نہیں اوقاف کے بلکہ اوقاف خود تابع ہیں تفسیر و ترکیب کے چنانچہ یہ اوقاف نہ توقیفی ہیں اور نہ سب کے سب سلف سے منقول ہیں۔ سجاوندی وغیرہ متاخرین نے جو ترکیب سمجھی اس کے موافق تفسیر قرار دے کر وقف لکھ دیے پس ان کا اتباع واجب نہیں البتہ عوام کے لیے ان کا خلاف لوجہ محتمل ہونے فساد ترکیب کے ناجائز ہے لیکن آیات کے غیر توفیقی ہونے کا شبہ نہ کیا جاوے۔ آیات سب توفیقی ہیں اور آیات و اوقاف میں تلازم نہیں۔ یعنی ہر آیت پر وقف ہے جیسا کہ اس وقت بعض مستدرشہ نے دعوی کیا ہے جس کے بطلان کی ایک مختصر کافی وشافی دلیل یہ ہے کہ سورۃ بروج میں ذو العرش المجید میں دو قرأت ہیں دال کا ضمہ اور کسرہ اور دونوں قرأتیں متواتر ہیں تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت پر ہمیشہ وقف فرماتے ہوتے تو یہ دونوں

قرأتیں کیسے ثابت ہوتیں اور محض احتمال پر تواتر کا دعویٰ ناجائز ہے پس صاف معلوم ہوا کہ آپ نے کبھی وقف کیا ہے اور کبھی نہیں کیا اور اس صورت میں کبھی ضمہ پڑھا ہے علی انه صفة للمضاف اور کبھی کسرہ پڑھا ہے علی انه صفة للمضاف الیه غرض ہر آیت پر وقف ثابت نہیں اور نہ ہر وقف پر آیت ہی ہے پس اوقاف کی عدم توقیفیت سے آیات کی عدم توقیفیت لازم نہ آئی۔ اسی طرح آیات کی توقیفیت سے اوقاف کی توقیفیت لازم نہیں۔ (۳۶)

اس کے علاوہ بیان القرآن میں مولانا آیات کے حاشیہ میں ''النحو'' کا عنوان قائم کر کے علم النحو سے متعلق مشکلات کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے۔ کئی نحوی مسائل کا حل اور آیات کی تراکیب وہاں سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

چند بلاغی اسلوب کی امثلہ:

ا۔ تقدیم وتاخیر:

اس اصطلاح کی تعریف اور وضاحت ماقبل دوسرے باب میں گزر چکی ہے یہاں دونوں تفاسیر سے اس کی مثالیں ذکر کی جارہی ہیں تاکہ عبارت میں تقدیم وتاخیر کے مقاصد معلوم ہوسکیں۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

تقدیم وتاخیر کی مثالیں تفسیر عثمانی کی روشنی میں ذکر کی جارہی ہیں۔

ا۔ ''وامراته قائمة فضحكت فبشرنٰها باسحق ومن ورآء اسحق يعقوب'' (ھود ۱۱:۵۱)

ترجمہ:۔ ''اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُس کو اسحاق کے پیدا ہونے کی اور اسحاق کے بیٹے یعقوب کی۔

اس آیت میں فَبَشَّرنٰها یہ ضحکت سے مقدم ہے مولانا عثمانیؒ اکثر اصطلاحات کا استعمال نہیں کرتے لیکن ان کی بیان کردہ تفسیر اس تقدیم وتاخیر کو ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت سارہ کا ہنسنا خوشخبری کے باعث تھا۔

''یعنی حضرت سارہؓ جو مہمانوں کی خدمت گزاری یا اور کسی کام کے لیے وہاں کھڑی تھیں اُس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ اسحق اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہو گا جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہؓ کو اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا (اسماعیلؑ) حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہؓ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھی۔ اس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے حضرت سارہؓ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں۔ مگر ظاہر وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا علماء نے و من ورآء اسحق یعقوب سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحق ''ذبیح'' نہ تھے، اسمعیلؑ تھے۔'' (۳۷)

۲۔ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

(یوسف ۱۲: ۲۴)

ترجمہ:۔ اور عورت نے فکر کیا اس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔ یوں ہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اُس سے بُرائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں۔

یہاں اس آیت میں وھمّ بھا کو لولا ان را برھان ربہ کے متعلق کر کے مولانا عثمانیؒ نے تفسیر ذکر کی ہے تا کہ تمام اشکالات کا خاتمہ ہو جائے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اُس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے۔ اگر اپنے رب کی حجت وقدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے وھم

بھا کو ولقد ھمت بہ سے علیحدہ کر کے لولا ان رّا برھان ربہ سے متعلق کیا ہے۔ جیسے اِن کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا کی ترکیب ہے۔

اس وقت مقصود یوسفؑ کے حق میں ھمّ کا ثابت کرنا نہیں، بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا کہ عورت نے یوسفؑ کا ارادہ کیا اور یوسفؑ بھی عورت کا ارادہ کرتا۔ اگر اپنے پروردگار کی قدرت وحجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے وھمّ بھا میں لفظ ھمّ کو بمعنی میلان ورغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسف کے دل میں رغبت ومیلان بے اختیار پیدا ہوا، جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے۔ نہ یہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اس سے قطعاً محترز رہنا مزید اجروثواب کا موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب ودواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار وارادہ یوسفؑ کے دل میں کسی قسم کی رغبت ومیلان کا پایا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ اُن کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے بلکہ صحیح مسلم میں ابوھریرہؓ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی بڑائی کی طرف ہوا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اُس کے فردحسنات میں الگ نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اُس نے (بوجود رغبت ومیلان) میرے خوف سے اُس برائی کو ہاتھ نہ لگایا۔ بہرحال باوجود اشتراک لفظی کے زلیخا کے ھم اور یوسفؑ کے ھم کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا۔ اور نہ زلیخا کے ھم کی طرح یوسفؑ کے ھم پر ''لام'' اور ''قد'' داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق لحاق میں بہت سے دلائل یوسفؑ کی طھارت ونزاکت پر قائم فرمائے جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل ''روح المعانی'' اور کبیر وغیرہ میں موجود ہے۔'' (۳۸)

امثلہ بیان القرآن کی روشنی:۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں تقدیم وتاخیر سے متعلق اشکالات کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں

۱۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ (الفاتحہ ۱:۴)

ترجمہ:۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست کی اعانت کرتے ہیں۔

اس عبارت میں مفعول کو نستعین پر مقدم کیا گیا ہے مولانا نے اس تقدیم کی وجہ اس طرح ذکر کی ہے۔

''قوله تعالیٰ ایاك نعبد و ایاك نستعین تقدیم المفعول لقصد الاختصاص کقوله قل افغیر اللّٰه تأمرونی اعبد قل اغیر اللّٰه ابغی ربا والمعنی نخصك بطلب المعونة۔'' (۳۹)

ترجمہ:۔ اللہ رب العزت کے اس قول میں ایاك نعبد و ایاك نستعین میں مفعول کو اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے (یعنی ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)

جیسا کہ ان دو آیات میں مفعول کو مقدم کیا گیا ہے۔

۲۔ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ (البقرۃ۲:۱۲۳)

ترجمہ:۔ اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے پائے گا اور نہ کسی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو بچا سکے گا۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانوی اپنے استاد کے حوالے سے آیت میں تقدیم و تاخیر کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سئل استاذی رحمة اللّٰه علیه عن النکة فی تقدیم الشفاعة فی السابق وتاخیر ھا ھھنا فاجاب بان القوم کانوا اولاد الانبیاء والائمة فکانوا یثقون بالشفاعة اکثر من الثقة بغیرھا فکان الابتداء بنفیھا والانتھاء به اولیٰ حسماً لزعمھم۔'' (۴۰)

میرے استاد سے اس سے پہلے آیت میں شفاعت کو مقدم کرنے اور یہاں
اس آیت میں شفاعت کو موخر کرنے کی حکمت دریافت کی گئی تو انہوں نے
جواب دیا کہ وہ قوم انبیاء اور آئمہ کی اولاد میں سے تھی۔ وہ سب اپنی نجات
کے تمام طریقوں میں سے سب سے زیادہ شفاعت پر اعتماد رکھتے تھے پس
ابتداء اور انتہا میں اس کی نفی کرنا اُن کے اس گمان کو جڑ سے اُکھاڑنے کے
لیے زیادہ بہتر تھی۔

۳۔ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ (المائدہ۵:۱۰۰)

ترجمہ:۔ آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی
کثرت تعجب میں ڈالتی ہو تو خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو تا کہ تم
کامیاب ہو۔ اس آیت کی وضاحت مولانا نے اس طرح فرمائی ہے:

''تقديم الخبيث للايذان بأن عدم الاستواء منشاء ه
النقصان في الخبيث لاالطيب۔'' (۴۱)

اس آیت میں خبیث کو طیب پر مقدم کیا گیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ
ان دونوں میں برابری نہ ہونے کا منشاء خبیث میں نقصان کا پایا جانا ہے نہ کہ پاک چیزوں میں۔

۴۔ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾ (المومنون ۲۳:۳۳)

ترجمہ:۔ اور (ان پیغمبر کی بات سن کر) ان کی قوم کے جو رئیس تھے جنہوں
نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا
اور ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں عیش ہی دیا تھا کہنے لگے کہ یہ تو بس ہماری

طرح معمولی آدمی ہے چنانچہ یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔''

اس آیت میں لفظ قوم جو کہ موصول ہے اپنے صلہ پر تقدیم کی وجہ مولانا تھانوی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''قوله من قوله تقديمه على الصلة لئلا يطول الفصل بين المبين والبيان۔'' (۴۲)

یہاں اس قول میں قوم کو اس کے صلہ (الذین کفروا) پر مقدم کیا گیا تا کہ مبین اور بیان میں فاصلہ طویل ہو جاتے۔

اطناب و تکرار:۔

اس اسلوب کی چند امثلہ دونوں تفاسیر سے الگ الگ ذکر کی جارہی ہیں۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

اطناب و تکرار کی چند مثالیں تفسیر عثمانی کی روشنی میں ذکر کی جارہی ہیں۔

۱۔ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ (البقرة۲:۱۵۰)

ترجمہ:۔ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اُسی کی طرف تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑے کا موقع مگر جو اُس میں بے انصاف ہیں سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ (۴۳)

یہاں تحویل قبلہ کے حکم میں جو تکرار آئی آیا ہے اس کی حکمت مولانا اس طرح فرماتے ہیں:۔

''تحویل قبلہ کا حکم سہ مکرر یا تو کرریا تو اس واسطے بیان فرمایا کہ اسکی علل متعدد تھیں تو ہر علت کو بتلانے کے لیے اس حکم کا اعادہ فرمایا قد نری تقلب وجھک الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رسول کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور لکل وجھۃ ھو مولیھا سے معلوم ہوا کہ عادت اللہ یہی ہے کہ مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہیے۔ اور لئلا یکون للناس علیکم حجّۃ سے معلوم ہوا کہ حکم مذکور کی علت یہ ہے کہ اول تو قبلہ قابل اہتمام، دوسرے احکام الہیہ میں نسخ ہونا بیوقوفوں کی سمجھ سے باہر، پھر تحویل قبلہ اول نسخ ہے جو شریعت محمدی میں ظاہر ہوا۔ اس لیے اس کی تاکید در تاکید میں حکمت و بلاغت ہے یا یہ وجہ ہے کہ اول آیت میں تعمیم امکنہ اور تیسری میں تعمیم ازمنہ مراد ہے۔'' (۴۴)

۲۔ لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ (الکفرون ۱۰۹: ۵-۲)

ترجمہ:- میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں۔ اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اُس کا جس کو تم نے پوجا۔ اور نہ تم کو پوجنا ہے اُس کا جس کو میں پوجوں۔

ان آیات میں جو تکرار ہے اس کی وجہ تفسیر عثمانی میں اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

''بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال واستقبال کی نفی، اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے کما صرح بہ الزمخشری۔ اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے کما یظھر من الترجمۃ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں ''ما'' کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ''ما'' کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں۔ تم

بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں۔ میں اُس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے، ایسا خدا تمھارا معبود نہیں۔ علی ھذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں، لہذا میرا اور تمھارا راستہ بالکل الگ الگ ہے۔ اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال واستقبال کی نفی رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمھارے معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور وَلآ اَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدتُم کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں حتی کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی وبینات وہدی وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمھارا ہمنوا ہو جاوں۔ شاید اس لیے یہاں ولآ اَنَاَ عابد میں جملہ اسمیہ اور ما عبدتُّم میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال، اُس کا بیان، دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا: وَلآ اَنتم عابدون مآ اَعبدُ یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیر سے پرستش کرنے والے بنو حتی کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دُم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو اور ایک جگہ ماتعبدون بصیغۂ مضارع اور دوسری جگہ ما عبدتم بصیغۂ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ اُن کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اُس کو اُٹھا کر معبود بنالیا اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے، ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علی ھذا''۔ (۴۵)

امثلہ تفسیر بیان القران کی روشنی میں:۔

تفسیر بیان القرآن میں آیات کے حاشیہ کے تحت مولانا ''البلاغۃ'' کا جو عنوان قائم کرتے

ہیں وہاں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں اور اکثر جگہ مولانا اطناب یا تکرار کی وجہ اور حکمت کی بھی وضاحت کرتے ہیں یہاں چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱:۔ وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ ٭ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ٭ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ اخۡشَوۡنِیۡ ٭ وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ وَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ (البقرۃ۲:۱۵۰)

اور آپ جس جگہ سے بھی باہر جائیں، اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھیے اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو، اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمھارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے۔ مگر ان میں بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں سے اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام ہے اس کی تکمیل کروں اور تاکہ تم راہ حق پر رہو۔

''چونکہ امر قبلہ نہایت مہتم بالشان تھا۔ نیز اس میں مخالفین کا شعب بھی زیادہ تھا اور نیز اس کے بعض جزئیات خاصہ کی تعیین میں تردد بھی ہوسکتا تھا اس لیے کئی کئی پہلوؤں سے بیان کیا اور حکمتیں بھی متعدد ارشاد ہوئیں اور حضر وسفر کے لیے عام عنوان حیث ما کنتم بھی لائے اور حکم حضر کی تخصیص کا ایک الگ اشارہ کیا اور اس کے ساتھ سفر کے حکم کی الگ تصریح کی تاکہ حضر میں توجہ الی الکعبہ کے حکم سے وہم مقصودیت جہت جنوب کا جس طرح مدینہ سے کعبہ واقع ہے نہ پڑ جائے اور سفر کا موقع زیادہ شبہ کا تھا کہ شاید یہ راہ خدا کا حکم جدا ہو اور منزل کا جدا ہو اس لیے اس کا مکرر لائے اور عربی میں کلمہ من ابتداء کے لیے ہے جس کے مدلول سے واضح ہوگیا پھر خطاب خاص الگ کیا اور خطاب عام الگ کیا حضر کے متعلق بھی اس خاص وعام کو لائے اور سفر کے متعلق بھی لائے۔''

مزید فرمایا:۔

''قوله مكرر اشارة الیٰ حمله علی التكرار للتاكيد للاعتناء بشان القبلة۔''

یہاں ارشاد کو مکرر لایا گیا کلام کو تکرار پر تاکید کے لیے محمول کرنے کی غرض سے تاکہ (تحویل) قبلہ کے واقعہ کا عظیم الشان ہونا معلوم ہو سکے''۔(۴۶)

۲:۔ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ (الکھف ۱۸:۴۶)

ترجمہ:۔ مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالح باقی رہنے والے ہیں۔ وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ''خیر'' کا لفظ بار بار لایا گیا ہے۔ اس کے تکرار کی وجہ مولانا اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

''قوله خير عند ربك ثوابا وخير املا تكرير خير للمبالغة۔'' (۴۷)

اللہ رب العزت کے اس قول میں خیر عند ربك ثوابا وخير املا میں لفظ ''خیر'' کی تکرار کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہے۔

۳۔ وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ (الشعراء ۲۶:۱۹۲)

ترجمہ:۔ اور یہ قرآن تمام جہانوں کے پالنے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

اس سورۃ ''رب العالمین'' کا لفظ بار بار لایا گیا ہے اس کے تکرار کی حکمت بیان کرتے ہوئے مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''کررہ فی هذه السورة کلمة ربّ العالمین مالم یکرر فی غیر ها اشارة الیٰ عظم نعمة وعظم کفر ها'' (۴۸)

اس سورۃ میں لفظ ''رب العالمین'' کو بار بار لایا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور سورۃ میں ایسا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا اس میں اس نعمت کے عظیم ہونے اور اُن کے کفر کے بھی بڑے ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ایجاز واختصار:۔

ایجاز کا مطلب کم الفاظ سے وسیع مفہوم کی ادائیگی ہے اب ایجاز کبھی فقط الفاظ کی قلت سے ہوتا ہے اور کبھی عبارت میں کوئی لفظ یا جملہ کے حذف ہونے کی وجہ سے اس کی مکمل تفصیل ماقبل گزر چکی ہے ان تفاسیر کی امثلہ درج ذیل ہیں:

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:

ایجاز واختصار کی چند مثالیں تفسیر عثمانی کی روشنی میں ذکر کی جارہی ہیں۔

۱۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (الانعام ۶:۱۵۸)

ترجمہ:۔ کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ اُن پر آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئے گا کسی کے اُس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی۔تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔

یہاں اس آیت میں الفاظ کو حذف کیا گیا ہے محذوف عبارت اور مکمل وضاحت مولانا عثمانیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”جملہ او کسبت فی ایمانها خیرا کا عطف امنت من قبل پر ہے اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے:”لا ینفع نفسا ایمانها او کسبها خیرا لم

تکن امنت من قبل اولم تکن کسبت فی ایمانھا خیراً'' یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہوگا اور جس نے پہلے سے کسبِ خیر نہ کیا اُس کا کسب خیر نافع نہ ہوگا۔ (یعنی توبہ قبول نہ ہوگی)''۔(۴۹)

۲۔ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (البقرة ۲:۱۷۹)

ترجمہ:۔ اور تمھارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو تاکہ تم بچتے رہو۔

اس آیت میں کوئی لفظ محذوف نہیں ہے بلکہ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ مظہر یہ آیت اپنے کم الفاظ کے باوجود ایک وسیع مفہوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ گویا دریا کوزے میں بند ہے۔ مولانا اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگر چہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کی سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رُکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔ عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اُس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اُس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعثِ حیات اُخروی ہے۔''(۵۰)

امثلہ تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

۱۔ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ (البقرة ۲:۱۲۰)

ترجمہ:۔ اور کبھی نہ خوش ہونگے آپ سے یہ یہودی اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ (خدانخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہوجائیں (آپ صاف) کہہ دیجیے کہ (بھلائی) حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جس کو خدا نے بتلایا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات کا، علم (قطعی ثابت بالوحی) آچکنے کے بعد۔ تو آپ کو کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار۔

اس آیت میں ایجاز کی تصریح مولانا تھانوی اس طرح فرماتے ہیں۔

''فی روح المعانی وحدت الملة وان کان لھم ملتان للایجاز اولانھا یجمعھما الکفر و ھو ملة واحدة۔'' (۵۱)

تفسیر روح میں ''ملت کی وحدت کا بیان ہے اگرچہ وہ زیادہ ملتیں ہوں یہاں ایجاز کی خاطر ایسا کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کفر پر مجتمع ہیں اس لحاظ سے ان کو ایک ملت قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ ایجاز بالحذف کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۲۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ:۴)

ترجمہ:۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخوست اعانت کی کرتے ہیں۔

اس آیت کے تحت مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''وفی قوله تعالیٰ ایاك نستعین ایجاز حذف ایضا لقصد العموم ای علی العبادة و علیٰ امورنا کلھا۔'' (۵۲)

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وایاک نستعین یہاں ایجاز حذف ہے اور ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عبادت کے اندر عموم کو ثابت کیا جائے نیز یہ بتانے کے لیے کہ تمام معاملات میں بھی اور عبادت میں بھی ہم اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔

نمبر ۳۔ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (البقرة ۲:۱۸)

ترجمہ:۔ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہونگے۔

اس آیت میں بھی مبتدا حذف کیا گیا ہے مولانا تھانوی اس کی توجیہہ اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔

''قوله تعالیٰ صمٌّ بکم فيه ايجاز حذف حَذف المبتدأ ای هم او المنافقون صيانة اللسان عن ذكره تحقيرا له۔'' (۵۳)

''صم بکم عمی'' میں مبتدا کو حذف کیا گیا ہے اصل عبارت اس طرح تھی ''هم صم بكم'' ''يا المنافقون صم بكم'' تھی کہ منافق لوگ گونگے بہرے ہیں یہاں مبتدا کو اس لیے حذف کیا گیا تاکہ منافقین کی تحقیر ظاہر ہو اور تحقیراً زبان کو اُن کے تذکرے سے محفوظ رکھا جائے۔

مجاز:۔

مجاز لغوی اور مجاز عقلی کی وضاحت ماقبل گزر چکی ہے یہاں تفسیر عثمانی اور بیان القرآن سے چند مقامات کے ذریعہ کلام میں مجاز کو لانے کی وجہ ذکر کی جارہی ہے۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

مجاز کی مثال تفسیر عثمانی کی روشنی میں درج ذیل ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ (الاعراف ۷:۸۸)

ترجمہ:۔ بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور اُن کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی۔

یہاں لفظ ''عوذ'' کے مولانا پہلے حقیقی معنی ذکر کرتے ہیں اُس کے بعد اس آیت میں اس کے مجاز پر اطلاق کی وضاحت اس طرح سے بیان فرماتے ہیں۔

''عوذ'' کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقتاً صادق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل

ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیبؑ کی نسبت یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو ان کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہوگا یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجح سمجھ کر حضرت شعیبؑ کے لیے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کیے اور یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق ان کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہی گمان کرتے ہوں گے کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں۔ اور یا ''عوذ'' کو مجازاً بمعنی مطلق صیرورت کے لیا جائے کما قالہ بعض المفسرین۔'' (۵۴)

امثلہ تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' میں سے ''مجاز لغوی'' کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ (البقرۃ ۲:۱۶۴)

ترجمہ:۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہے، دلائل ہیں اُن لوگوں کے لیے، جو عقل رکھتے ہیں۔

احیاء ارض کا حقیقی معنی زمین کو زندہ کرنا ہے لیکن یہاں اس آیت میں یہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

''قوله فاحياء به الارض (تروتازہ کیا) حملا على المجاز۔'' (۵۵)

بارش کے ذریعہ زمین کو زندہ کیا یعنی تروتازہ کیا یہاں یہ لفظ مجاز پر محمول ہے۔

۲۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ (الفجر:۱۳)

ترجمہ: سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

یہاں ''فصب عليهم ربك سوط عذاب'' اپنے مجازی معنی میں ہے اس کی وضاحت مولانا تھانویؒ اس طرح کرتے ہیں۔

صب عليهم ربك سوط عذاب فى المدارك مجاز عن ايقاع العذاب بهم على ابلغ الوجوه اذا الصب يشعر بالدوام والسوط بزيادة الايلام اى عذبوا عذابا مولما دائما وفى الروح الآية من قبيل قوله تعالىٰ فاذا قهم الله لباس الجوع آلخ۔ (۵٦)

''صب عليهم رب سوط عذاب'' تفسیر مدارک میں ہے کہ یہ بلیغ طریقے کے ساتھ عذاب واقع کرنے سے مجاز ہے کیونکہ صب میں دوام کا معنی پایا جاتا ہے اور سوط میں زیادہ تکلیف کی طرف اشارہ ہے یعنی انھیں دردناک دائمی عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے اور روح المعانی میں ہے کہ یہ آیت فاذا قهم الله لباس الجوع کے قبیل سے ہے (کہ جس طرح اس آیت میں لباس الجوع عذاب سے کنایہ ہے اسی طرح یہاں بھی صب دردناک عذاب سے کنایہ ہے۔

مجاز عقلی کی مثال درج ذیل ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡهُمۡ لَیَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ (البقرۃ:۱۴۶)

ترجمہ:۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات وانجیل) دی ہے، وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بعض اِن میں سے امر واقعی کو باوجود یکہ خوب جانتے ہیں، اخفا کرتے ہیں۔

یہاں {یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم} کی وضاحت مولانا تھانویؒ اس طرح فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہچاننے میں جو بیٹوں کے پہچاننے سے تشبیہ دی ہے اس میں ایک بنا پر اہل علم کو اور ایک بنا پر غیر اہل علم کو ایک شبہ ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات کسی وجہ سے بیٹے کے بیٹا ہونے میں شبہ ہو جاتا ہے چنانچہ واقعات اس پر شاہد ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جو پہلے بڑے علماء یہود سے تھے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت عمرؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیوی میں تو احتمال خیانت کا بھی ہے جس سے بیٹا ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں تو اتنا بھی شبہ نہیں پس یہ تشبیہ امر یقینی کی امر محتمل مشتبہ کے ساتھ ہوئی جس سے مشبہ کا یقینی ہونا درست ہو گیا احقر نے اس شبہ کے دفع کرنے کے واسطے بین القوسین اس قید کا (ان کی صورت سے) اضافہ کر دیا جس سے تقریر جواب کی ظاہر ہوگئی کہ تشبیہ میں بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں بلکہ بیٹے کی صورت ملحوظ ہے سو چونکہ بیٹا گود میں پرورش پاتا ہے ہر وقت آدمی اس کو دیکھتا ہے۔ اس لیے اس کی صورت میں عادتاً شبہ نہیں ہوتا کہ یہ فلاں لڑکا یا فلاں لڑکا۔ چنانچہ اثنائے تفسیر میں خود اس کی توضیح بھی کر دی گئی اور اس نکتہ کی وجہ سے بیٹوں کی معرفت سے

تشبیہ نہیں دی کہ کیونکہ عرفاً بیٹا زیادہ پیارا ہوتا ہے اس کو باپ اپنے ساتھ زیادہ رکھتا ہے اور اسی نکتہ سے یہ نہیں فرمایا کہ جیسا اپنی ذات کو جانتے کیونکہ انسان پر ایسا زمانہ تو گزرتا ہے جس میں اس کو معرفت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بالکل بے ہوشی کی عمر بخلاف اپنے بیٹے کے کہ وہاں اس کی نوعیت نہیں آتی۔ یہ سب روح المعانی میں ہے''۔

اس کے بعد مولانا تھانوی تفسیر روح المعانی کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

'کما یعرفون ابناء ھم فی روح المعانی ھو تشبیہ للمعرفۃ العقلیۃ الحاصلۃ من مطالعہ الکتب السماویۃ بالمعرفۃ الحسیۃ فی ان کلا منھما یتعذر الاشتباہ فیہ۔'' (۵۷)

جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو''روح المعانی'' میں ہے کہ یہ معرفہ عقلیہ جو کتب سماویہ کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اس کو تشبیہ دینا ہے معرفۃ حسیہ کے ساتھ اس بات میں کہ ان دونوں (معرفۃ عقلیہ اور معرفۃ حسیہ) میں اشتباہ مشکل ہے (مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب کو کتب سماویہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری علامات کی معرفت اس قدر واضح تھی کہ جیسے اپنی حسی اولاد کو پہچاننے میں انسان کو اشتباہ نہیں ہوتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچاننے میں بھی اہل کتاب کو اشتباہ نہیں تھا فقط بغض وعناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے)

کنایہ اور تعریض:۔

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں ان کے ذریعہ کلام میں ان کے استعمال کی حکمت سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

کنایہ اور تعریض کی مثالیں تفسیر عثمانی کی روشنی میں ذکر کی جارہی ہیں۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ

صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

(التحریم،۱۲)

ترجمہ:۔ اور مریم بیٹی عمرآن کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں۔

یہاں اس آیت مبارکہ میں ''احصنت فرجھا'' سے کنایہ کیا گیا ہے حضرت مریمؑ کی انتہا درجہ کی پاکدامنی سے اس کی وضاحت مولانا عثمانیؒ اس طرح کرتے ہیں:

''نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ فاعل حقیقی اور موثر علی الاطلاق وہی ہے۔آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اُس کا بنانے والا اُس کے سوا کون ہے۔بعض محققین نے یہاں ''فرج'' کے معنی چاک گریبان کے لیے ہیں۔اس وقت احصنت فرجھا کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔اور یہ نہایت بلیغ کنایہ ان کی عصمت وعفت سے ہوگا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاک دامن ہے۔اور عرب میں کہا جاتا ہے ''نقی الجیب طاہر الذیل'' اس سے عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے۔کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا۔اس تقدیر پر فنفخنا فیه میں ضمیر لفظ''فرج'' کی طرف اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔واللہ اعلم بالصواب۔''(۵۸)

تعریض کی مثال:

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرۃ۲:۱۸۳)

ترجمہ:۔ اے ایمان والوں فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

یہاں لعلکم تتقون میں جو تعریض ہے اُس کی وضاحت مولانا عثمانی نے اس طرح کی ہیں:

''یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑ جائے گی تو پھر اس کو اُن مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے۔ اور روزہ سے نفس کی قوت وشہوت میں ضعف بھی آئیگا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے۔ بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں اُن کا کرنا سہل ہو جائے۔ اور متقی بن جاؤ جاننا چاہیے کہ یہود ونصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ مگر انھوں نے اپنی خواہشات کے موافق اُن میں اپنی رائے سے تغیر وتبدل کیا تو لعلکم تتقون میں اُن پر تعریض ہے۔ معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانوں تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود اور نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔'' (۵۹)

امثلہ بیان القرآن کی روشنی میں:۔

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں ''کنایہ'' کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷ (البقرۃ ۲:۱۸۷)

ترجمہ:۔ تم لوگوں کے لیے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ تمھارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم اُن کے اوڑھنے بچھونے ہو۔ خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے۔ مگر خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ دھو دیا۔ سو اب اِن سے ملو ملاؤ اور جو تمھارے لیے تجویز کر دیا ہے، اس کا سامان کرو۔

اس آیت میں لفظ ''مباشرت'' اور ''رفث'' دونوں کے متعلق مولانا تھانوی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں۔

''قوله فالئن باشروهن (ملو ملاو) هى اصل لغة المباشرة فانها الزاق البشرة بالبشرة كنى به عن الجماع۔'' (۶۰)

قولہ {فالن باشروهن} مباشرہ کا لغوی معنی ہے ''جلد کو جلد کے ساتھ چپکانا'' جماع سے کنایہ ہے۔

''قال البيضاوى الرفث كناية عن الجماع لانه لايكاد يخلو من رفث وهو الافصاح والتصريح بما يجب ان يكنى عنه وعدى بالى لتضمنه معنى الافضاء (والافاصل الرفث يتعدى بالباء) وايثاره ههنا لتقبيح ما ارتكبوه ولذلك سماه خيانة۔'' (۶۱)

بیضاوی ؒ نے کہا ہے کہ ''الرفث'' جماع سے کنایہ ہے کیونکہ جماع رفث (مشغول ہونے) کے بغیر متحقق نہیں ہوتا اور اس میں (یعنی جماع کی بجائے رفث کا لفظ لانے میں) فصاحت ہے۔ اور تصریح ہے اس بات پر کہ یہاں جماع سے کنایہ ہے اور متعدی ہے الی کے ساتھ معنی افضاء (جماع) کو متضمن ہونے کی وجہ سے وگرنہ اصل میں رفث کا لفظ متعدی بالباء ہوتا ہے (یہاں چونکہ رفث جماع کے معنی میں ہے اس لیے متعدی بالباء نہیں بلکہ متعدی بالی ہے)۔

اور ان کے ارتکاب (جماع) کی قباحت کی وجہ سے اسے (جماع) خیانت سے تعبیر کیا۔

۲۔ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ۹:۱۱۰)

ترجمہ: ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے وہ دل ہی اگر فنا ہو جائیں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ''الاان تقطع قلوبھم'' سے جو کنایہ کیا گیا ہے اس کی وضاحت مولانا تھانوی اُن الفاظ میں کرتے ہیں۔

''الا ان تقطع قلوبھم کا مطلب نہیں کہ فنا و موت کے بعد راحت ہو جائے گی بلکہ یہ محاورات میں کنایہ ہے دوام حسرت سے اور یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ حقیقتہً دام حسرت کو مفید ہو کیونکہ موت سے محل ادراک یعنی قلب حقیقی کو موت نہیں آتی پس تقطع کبھی متحقق ہی نہ ہوگا اس لیے حسرت بھی کبھی منقطع نہ ہوگی۔'' (۶۲)

انتشار ضمائر:۔

اس کی وضاحت میں تفسیر عثمانی سے ایک مثال درج ذیل ذکر کی جارہی ہے۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں ایک مثال:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ (فاطر ۳۵:۱۰)

ترجمہ:۔ جس کو چاہیے عزت تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت۔ اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور کام نیک اُس کو اُٹھالیتا ہے۔ اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا داؤ ہے ٹوٹے گا۔

اس آیت مبارکہ میں ''یرفعہ'' کی ہ ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے اس کی وضاحت مولانا عثمانیؒ اس طرح فرماتے ہیں:

''ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضا ہے اوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے

اعمال صالحہ ہوں تو وہ اُس کو سہارا دے کر اور زیادہ اُبھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے **والعمل الصالح یرفعه** کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لیتے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اونچا اور بلند کرتا ہے یہ بھی درست ہے۔ اور بعض نے یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے، بہرحال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں علو ورفعت کو چاہتے ہیں لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے، تمھارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں۔ جب اپنی حد کو پہنچیں گے۔ تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کرینگے کفر دفع ہوگا۔ اسلام کو عزت ہو گی۔'' مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بے کار ہو کر رہ جائیں گے۔'' (۶۳)

۲۔ انتشار ضمائر کے تحت ہی دوسری مثال ہے:۔

انتشار ضمائر کی دوسری مثال درج ذیل ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ (الحج ۲۲:۱۵)

ترجمہ:۔ جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اُس کی اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تان لے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ ڈالے اب دیکھے کچھ جاتا رہا۔

اس آیت میں ''ینصرہ'' کی ''ہ'' ضمیر کے مرجع کی وضاحت مولانا اس طرح فرماتے ہیں:

''لن ینصرہ'' میں ضمیر مفعول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تصور قرآن پڑھنے والے کے ذہن میں گویا ہمہ وقت موجود رہتا ہے، کیونکہ آپ ہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ گویا مومنین کا انجام ذکر کرنے کے بعد یہ اُن کے پیغمبر کے مستقبل کا بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دینوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو

کر رہیں گے۔ خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیریں کر لیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رُک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے۔ تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں۔ حتی کہ ایک رسی اوپر چھت پر لٹکا کر گلے میں ڈال لیں اور خود پھانسی لے کر غیظ سے مر جائیں۔ یا ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمان امداد کو منقطع کر آئیں، پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے جس پر انہیں اسقدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو ''ومن الناس من یعبدُ اللّٰہ علی حرف الاٰیۃ کے مضمون سے مربوط کر کے نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے۔ اُنکے نزدیک من کان یظن ان لّن ینصرہ الاٰیۃ میں ضمیر مفعول ''من'' کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تکلیف میں جو کوئی خدا سے نا اُمید ہو کر اُسکی بندگی چھوڑ دے اور چھوٹی چیزیں پوجنے لگے وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ قیاس کر لے جیسے ایک شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے، اگر چڑھ نہیں سکتا توقع تو ہے کہ رسی اوپر کھینچے تو چڑھ جائے۔ جب رسی توڑ دی تو کیا توقع رہی، کیا خدا کی رحمت سے نا اُمید ہو کر کامیابی حاصل کر سکے گا؟ گویا ''رسی'' کہا اللہ تعالیٰ کی اُمید کو، اُس کا کاٹ دینا نا اُمید ہو جانا اور آسمان سے مراد بلندی ہے۔ واللہ اعلم!'' (۶۴)

اسم ظاہر کی جگہ ضمیر اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر:۔

امثلہ بیان القرآن کی روشنی میں:۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن سے اخذ کردہ اسم ظاہر کی جگہ ضمیر کی مثال درج ذیل ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲:۹۷)

ترجمہ:۔ آپ یہ کہئے کہ جو شخص جبریل سے عداوت رکھے سوانہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا۔ خداوندی حکم سے اس کی یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔

اس آیت میں ''ہ'' ضمیر کو اسم ظاہر ''قرآن'' کی جگہ لایا گیا ہے اس کی توجیہہ مولانا تھانوی ؒ اس طرح فرماتے ہیں۔

''نزله الضمير للقران ونحو هذا الاضمار فيه فخامة لشان صاحبه حيث يجعل لفرط شهرته كانه يدل على نفسه'' (٦٥)

نزلہ میں ''ہ'' ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہاں ضمیر دینا عظمت شان کی وجہ سے ہے اس حیثیت سے کہ شہرت کی بنا پر گویا کہ اسم ضمیر خود لفظ قرآن پر دلالت کر رہا ہے (کہ عام طور سے تنزیل قرآن ہی کی مشہور ہے)

جبکہ اسم ضمیر کی جگہ ظاہر کی مثالیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۴۶-۴۷)

ترجمہ:۔ اور جب قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں جس وقت آپ کی طرف یہ لوگ کان لگاتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جبکہ یہ ظالم یوں

کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو، جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔

اس آیت میں اس اسلوب کی وضاحت مولانا تھانوی اس طرح فرماتے ہیں:

''قوله الذين لايؤمنون بالاخرة وقوله الظلمون فى كليهما وضع المظهر موضع المضمر ايذانا بالتقبيح'' (٦٦)

قوله الذين لايومنون بالاخره اور قوله الظلمون دونوں جگہ اس ضمیر لانے کی بجائے اس اسم ظاہر لائے گئے ہیں قباحت بتلانے کی وجہ سے۔

۲۔ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (الکھف ۱۸:۱۰)

ترجمہ:۔ جب ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی پھر کہا ہمارے پرودگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمائے اور ہمارے لیے کام میں دوستی کا سامان مہیا کیجیے۔

یہاں اس آیت میں ''فتیۃ'' اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے اس کی توجیہہ مولانا تھانوی اس طرح فرماتے ہیں:

''قوله اذاوى الفتية فيه وضع المظهر موضع المضمر تنبيهاً على انهم كانوا فتية اماسنا ليدل على كمال طلبهم للحق حيث اتبعوه فى حالة يشتغلون فيه باللهو واللعب واما اخلاقا ليدل على كمال قوتهم العملية۔'' (٦٧)

قولہ اذ اوی الفتیہ اس میں (یعنی لفظ فیتہ) اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے (یعنی فیتہ کے لفظ کے بجائے ضمیر لائے جو فیتہ کی طرف لوٹتی) اس بات پر تنبیہ کرنے کی وجہ سے کہ وہ نوعمر ہے تاکہ لفظ فتیہ دلالت کرے ان کے حق کے لیے کمال طلب پر اس حیثیت سے کہ انھوں نے حق کی

اتباع ایسی حالت میں کی کہ عام طور پر جوانی (فتیہ) کی حالت میں لہو ولعب میں مشغولیت ہوتی ہے۔اور بہر حال اخلاق کے اعتبار سے ان کی قوت عملیتہ کے کامل ہونے پر دلالت کرے۔

۳۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

(البقرۃ ۲:۱۹۷)

ترجمہ:۔ حج کے چند مہینے جو کہ معلوم ہیں سو جو شخص ان میں حج کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات جائز ہے نہ کوئی بے حکمی اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے اور جو نیک کام کرو گے، خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی خرچ میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے اور اے عقل والوں مجھ سے ڈرتے رہو۔اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

''فی الحج والاظهار فی مقام الاضمار لاظهار کمال الاعتناء بشانه والاشعار بعلة الحکم فان زیارة البیت المعظم من موجبات ترك الامور المدنسة۔'' (۶۸)

(آیت مبارکہ میں لفظ حج کو دوبارہ ذکر کیا) لفظ حج میں ضمیر کی بجائے دوبارہ لفظ حج کو لانا کمال اہتمام کی وجہ سے ہے اور اس بات کی خبر دینا ہے یہ حکم (فسوق، رفث وجدال وغیرہ) کی علت ہے کیونکہ بیت معظم کی زیارت بھی امور معیوبہ کے ترک کے اسباب میں سے ایک سبب ہے (جس طرح نماز میں ہونا فسوق وجدال کے ترک کا سبب ہے اسی طرح زیادہ بیت اللہ بھی۔فسوق وجدال کے ترک کا سبب ہے۔

حصر:۔

حصر کی وضاحت ماقبل گزر چکی ہے یہاں اس کو دوبارہ ذکر کرنا تکرار کا باعث ہوگا اس کی

فقط چند امثلہ ذکر کی جا رہی ہیں:

تفسیر عثمانی سے ایک مثال:

اس کی مثال درج ذیل آیت ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ

(البقرۃ: ۱۵۳)

ترجمہ:۔ اُس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سُور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔

یہاں کلمہ ''انما'' کے ذریعہ آیت میں حصر کیا گیا ہے اس کی وضاحت تفسیر عثمانی میں اس طرح مذکور ہے:

''یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیائے مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سے کھانا حرام ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت وصداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا بطلان منظور ہے یعنی بس بات یہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام کر دیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی اُن کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ ہی میں منحصر مانا جائے مگر اس حصر کو اضافی یعنی خاص انہی چیزوں کے لحاظ سے تسلیم کیا جائے۔ جن کو مشرکین نے

اپنی طرف سے حرام کرلیا تھا جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ۔ جن کا ذکر آئندہ آئیگا۔
مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تو تم پر فقط میتہ اور خنزیر وغیرہ کو حرام کیا تھا تم جو سانڈ وغیرہ کی تحریم اور تعظیم کے قائل ہو یہ محض تمھارا افتراء ہے۔ باقی رہے درندے اور خبیث جانوران کے حرام ہونے میں مشرکین بھی نزاع نہ کرتے تھے۔ سو یہ حصر اُنہی جانوروں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین نے خلافِ حکم الٰہی اپنی طرف سے حرام ٹھہرالیا تھا، تمام جہان کے جانوروں سے اُس کو کیا تعلق جو اعتراضِ مذکور کی نوبت آئے۔" (۶۹)

تفسیر بیان القرآن سے ایک مثال:

نمبرا:۔ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (البقرۃ ۲:۵)

ترجمہ:۔ پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو اِن کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

یہاں اس آیت میں "حصر" کی وضاحت مولانا تھانوی اس طرح فرماتے ہیں۔

"قوله تعالى اولئک هم المفلحون المراد به الفلاح الكامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لامطلق الفلاح فلاينافى فلاح المخلصين بالاعمال۔" (۷۰)

قولہ تعالیٰ اولئک هم المفلحون اس سے مراد فلاح کامل ہے جو اطلاق سے سمجھ آرہی ہے بس وہ فلاح مطلق کے لیے رہے نہ کہ مطلق فلاح کے لیے پس مذکورہ آیت مخلصین بالاعمال کے منافی نہیں۔

التفات:۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

۱۔ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ (الاعراف ۷:۱۹۰)

ترجمہ:۔ پھر جب ان کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اس کے لیے شریک اس کی بخشی ہوئی چیز میں۔ سو اللہ برتر ہے اُن کے شریک بنانے سے۔

''بے شک ابتداء میں هو الذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها میں بطور تمہید آدم وحوا کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ جیسے {ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنها رجوما للشیطین} (الملک:۵) جن سیاروں کو مصابیح فرمایا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے ''رجم شیاطین'' ہوتا ہے مگر شخص ''مصابیح'' سے جنس ''مصابیح'' کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ اُس تفسیر کے موافق جعلا له شرکاء میں کچھ اشکال نہیں، مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم وحوا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دے کر ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھیں۔ حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ (''حارث'' ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پہچانا جاتا تھا)۔ ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو ''عبد'' کی اضافت ''حارث'' کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ ''حارث'' کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب ''عبدالضیف'' کہہ دیتے ہیں۔ یعنی مہمان کا غلام، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدمؑ نے معاذ اللہ! حقیقتاً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں! بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنی ترین زلت کو ''حسنات الابرار سیات المقربین'' کے قاعدہ

کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے جیسے یونسؑ کے قصہ میں فرمایا (فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ) (انبیاء۲۱:۸۷) یا فرمایا (حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا) (یوسف ۱۲:۱۱۰) علی توجیہ بعض المفسرین اسی طرح یہاں بھی آدمؑ کے رتبہ کے لحاظ سے اس موھم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا جعلا له شر کآء فیھما اتاھما یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا۔ کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وھم ہوتا ہے گو حقیقتاً شرک نہیں۔ شاید اسی لیے ''فقد اشرکا'' وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جعلا له. شر کآء فیھما اتاھما اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم'' (۷۱)

تفسیر بیان القرآن سے چند امثلہ:

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

(بنی اسرائیل ۱۷:۱)

ترجمہ:۔ وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت مسجدِ حرام سے اقصیٰ تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تا کہ ہم ان کو اپنے عجائبات قدرت دکھلا دیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں۔

''اسریٰ میں ضمیر غائب کی ہے اس سے شروع کیا گیا اور انہ، ھو السمیع پر کہ اس میں بھی ضمیر غائب کی ہے، ختم کیا گیا اور درمیان میں ضمیر متکلم کہ دال تعظیم پر بھی ہے لائی گئی۔ اس میں نکات یہ ہیں۔

۱۔ تجدید کلام و تنشیط سامع

۲۔ برکات اور آیات اور اراءت کا عظیم ہونا

۳۔ اسریٰ کے بعد قرب کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ اور قرب کے وقت اصل تکلم

ہے۔" (۷۲)

۲۔ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ (النور ۲۴:۱۲)

ترجمہ:۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

"قوله سمعتموه فيه التفات واشارة الىٰ ان متولى كبره لم يكن اهلا للخطاب لبعده عن الحضرة فعبر عنه بالغائب فى قوله والذى تولى ثم خاطب غيره من المومنين المخطئين۔" (۷۳)

(اس قول کا مقصد یہ ہے کہ بہتان لگانے والوں میں بعض کفار تھے اور بعض مومن تو کفار کا وہ ذکر غائب کے صیغہ والذی تولی سے کیا جبکہ مومنین کا ذکر مخاطب سمعتم کے صیغہ سے کیوں کیا) قولہ سمعتموہ اس میں التفات ہے (غائب سے مخاطب کی طرف) اور اشارہ اس بات کی طرف کہ تکبر سے منہ پھیرنے والے خطاب کے اھل ہی نہیں رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے پس ان کا ذکر غائب کے صیغے سے کیا (کیونکہ وہ تو بڑے گناہ کفر کے مرتکب ہیں بہتان لگانا تو کفر سے چھوٹا گناہ ہے اس لیے انھیں مخاطب کرنے کی ضرورت ہی نہیں پھر مخاطب کے صیغہ سے خطا کار مومنین کو مخاطب کیا (کیونکہ یہ ایمان کی وجہ سے خطاب کے اہل ہے اس لیے ان کو مخاطب کے صیغے سمعتم سے متنبہ کیا)

اختلاف قرأت:۔

امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ

اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

(المائدہ۵:۶)

ترجمہ: اے ایمان والوں جب تم اُٹھوتو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سرکو اور پاؤں ٹخنے تک۔

''مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ ''کو'' نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرمایا دیا کہ ارجلکم کا عطف مغسولات پر ہے۔ یعنی جس طرح منہ ہاتھ دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہییں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا ضروری ہے۔ وہاں ''موزوں'' پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کرسکتا ہے۔'' (۷۴)

۲۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ (ال عمران ۳:۱۴۴)

ترجمہ:۔ اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں۔

''قد خلت من قبله الرسل میں ''خلت'' ''خلو'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''ہو چکنے'' ''گزرنے'' اور ''چھوڑ کر چلے جانے'' کے ہیں۔ اس کے لیے موت لازم نہیں۔ جیسے فرمایا وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ (ال عمران ۳:۱۱۹) یعنی جب تمھیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز ''الرسل'' میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے۔ کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں۔ بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح علیہ اسلام کی نسبت فرمایا: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ (مائدہ ۵:۷۵) کی الام استغراق لے کر اُس کے یہ معنی ہونگے کہ تمام پیغمبر مسیح

سے پہلے گزر چکے کوئی اُن کے بعد آنے والا نہ دیا۔ لامحالہ لام جنس لینا ہوگا۔ وہ ہی یہاں لیا جائے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف اور ابن عباسؓ کی قرأت میں ''الرسل'' نہیں، رسل نکرہ ہے۔'' (۷۵)

امثلہ تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:

۱۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ (البقرۃ ۲:۱۱۷)

موجد ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جب کسی کام کا پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام کی نسبت (اتنا) فرما دیتے ہیں کہ ہوجا، بس وہ ہوجاتا ہے۔ اس آیت کے تحت مولانا اختلاف قرأت اس طرح ذکر کرتے ہیں:

قرأ ابن عامر فيكون بالنصب بيضاوى قال المحشى وهو مشكل لان جواب الامر يقتضى ان يكون للمكون كو نان احدهما سبب للاخر فنصبه حملا على صورة اللفظ وان كان معناه الخبر۔ (۷۶)

ابن عامر نے فیکون کو منصوب پڑھا ہے محشی نے کہا ہے کہ اس پر اشکال ہے کیونکہ جواب امر تقاضا کرتا ہے کہ مکون (یعنی امر کن کہنے والے) کے لیے دوکون ہونگے پہلا دوسرے کے لیے سبب بنتا ہے (دو کام کرنے پڑینگے ایک لفظ کن کہنا اور پھر شی کو وجود دینا اس صورت میں عیب ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے لفظ کن کہنے کے محتاج ہونگے پھر شے وجود میں آئیگی یہ تو عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جب کسی شی کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ شے موجود ہوجاتی ہے لفظ کن کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی لہٰذا فیکون کو جواب امر بنانا درست نہیں اور اس کو نصب دینا صورۃ ہے اگرچہ معنی خبر ہے۔

۲۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرة ۲: ۱۸۴)

ترجمہ:۔ تھوڑے دن روزہ رکھ لیا کرو پھر بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں، ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کو کھانا کھلا دینا یا دے دینا ہے اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو اس شخص کے لیے اور بھی بہتر ہے اور تمھارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

''قرأ نافع وابن عامر باضافة فدية الیٰ طعام وجمع المسکین والاضافة حنیئذ من اضافة الشئی الی جنسه کخاتم فضة لان طعام المسکین یکون فدیة وغیرها وجمع المسکین لانه جمع فی الذین یطیقونه مقابل الجمع بالجمع ولم یجمع فدیة لانها مصدر''۔ (۷۷)

نافع اور ابن عامر نے لفظ فدیۃ کو طعام کی طرف مضاف کر کے پڑھا ہے اور مسکین کے لفظ کو بھی جمع کے صیغہ (یعنی مساکین) سے پڑھا ہے اور اس وقت اضافت اضافت الشی الی خبر کے قبیل سے ہوگی جیسے لفظ خاتم کی اضافت فضہ کی طرف (بھی اضافت الشی الی خبر ہے اس طرح یہاں بھی اضافت الشی الی خبر ہوگی) کیونکہ طعام مساکین بھی فدیہ ہے اور اس کے علاوہ بھی (یعنی روزے رکھنا) اور مساکین کو جمع لانا اس وجہ سے ہے کہ ''الذین یطیقُونه'' دونوں لفظ جمع کے ہیں تو جب مساکین کے لفظ کو بھی جمع کے صیغہ سے پڑھیں گئے تو جمع جمع کے مقابل ہو جائے گی (جس کی وجہ سے کلام میں وضاحت پیدا ہو جاتی ہے) اور فدیہ کے لفظ کو جمع اس لیے نہیں لائے کیونکہ فدیہ مصدر ہے (اور مصدر کی تثنیہ و جمع نہیں آتی)

حوالہ جات وحواشی

(۱) البقرہ۲: ۱۳، ۱/۳۰
(۲) آل عمران۳: ۱۴، ۱/۲۲۲
(۳) البقرہ۲: ۲، ۱/۲۳
(۴) آل عمران۳: ۱۹۶، ۱/۳۱۹
(۵) البقرہ۲: ۱۰۰، ۱/۷۶
(۶) النساء۴: ۵۱، ۱/۳۶۶
(۷) الانعام۶: ۷۸، ۱/۵۷۰
(۸) الاعرف۷: ۲۶، ۲/۲۳
(۹) الانفال۹: ۱۲، ۲/۸۷
(۱۰) التوبہ۹: ۳۵، ۲/۱۳۱
(۱۱) التوبہ۹: ۱۱۲، ۲/۱۶۴
(۱۲) الحج: ۳۱، ۲/۵۲۱
(۱۳) حج: ۳۱، ۲/۵۲۱
(۱۴) الحج: ۳۲، ۲/۵۲۱
(۱۵) الفرقان۲۵: ۳۶، ۳/۴۴
(۱۶) محمد۴۷: ۸، ۳/۴۱۳
(۱۷) الحجرات۴۹: ۱۴، ۳/۴۴۱
(۱۸) الطور۵۲: ۳۰، ۳/۴۷۲
(۱۹) البقرہ۲: ۱۴۳، ۱/۴۳
(۲۰) آل عمران۳: ۱۹، ۱/۹۲
(۲۱) آل عمرآن۳: ۵۴، ۱/۱۰۴
(۲۲) آل عمرآن۳: ۱۱۰، ۱/۱۲۴
(۲۳) آل عمرآن۳: ۱۴۴، ۱/۱۳۳

(۲۴) المائدہ۵: ۱۳، ۱/۲۲۵

(۲۵) المائدہ۵: ۴۲، ۱/۲۲۷

(۲۶) المائدہ۵: ۴۸، ۱/۲۳۱

(۲۷) الانبیاء۲۱: ۳۰، ۲/۷۱۹

(۲۸) المومنون۲۳: ۲، ۲/۷۵۴

(۲۹) الدھر۷۶: ۲، ۲/۱۲۳۴

(۳۰) اللھب۱۱۱: ۴، ۲/۱۲۹۴

(۳۱) البقرہ۲: ۳۸، ۱/۱۱؛ ال عمرآن۳: ۵۵، ۱/۱۰۶؛ آل عمرآن۳: ۱۱۰، ۱/۱۲۲؛ المائدہ۵: ۷۹، ۱/۲۵۴؛ الانعام۶: ۲۷، ۱/۲۸۱، الانعام۶: ۱۵۷، ۱/۳۱۱؛ الاعراف۷: ۸۸، ۱/۳۲۹؛ الاعراف۷: ۱۰۵، ۱/۳۳۲؛ الانفال۸: ۳۲، ۱/۳۸۲؛ التوبہ۹: ۱۱۲، ۱/۳۳۴/ ھود۱۱: ۴۰، ۱/۳۸۴؛ ھود۱۱: ۸۳، ۱/۳۹۴؛ یوسف۱۲: ۲۴، ۱/۵۱۲؛ یوسف۱۰: ۱۲، ۱/۵۰۸؛ طٰہٰ۲۰: ۱۳۰، ۲/۷۱۲؛ الحج۲۲: ۲۹، ۲/۷۴۱ ؛ المومنون۲۳: ۱۷، ۲/ ۷۵۶؛ القلم۶۸: ۱۳، ۲/۱۱۹۹؛ القیامۃ۷۵: ۲۷، ۲/۱۲۲۳؛ البروج: ۱، ۲/۱۲۵۹

(۳۲) تفسیر عثمانی: ۱/۱۳۳

(۳۳) تفسیر عثمانی: ۱/۵۷۷

(۳۴) تفسیر عثمانی: ۲/۶۸۰

(۳۵) تفسیر عثمانی: ۲/۶۸۱ مزید ملاحظہ فرمائیں:
الاعراف۷: ۳۳، ۱/؛ ابراھیم۱۴: ۲۲، ۱/۵۵۹؛ ابراھیم۱۴: ۲۶، ۱/۵۶۶؛ الشعراء۲۶: ۸۶، ۲/۸۱۲؛ النحل۱۶: ۳۵، ۱/۵۹۲؛ الکھف۱۸: ۲۲، ۲/۶۵۵؛ السجدہ۳۲: ۵، ۲/۸۹۸

(۳۶) تفسیر بیان القرآن: ۱/۹۹

(۳۷) تفسیر عثمانی: ۱/۴۹۱

(۳۸) تفسیر عثمانی: ۱/۴۹۱

(۳۹) تفسیر عثمانی: ۱/۵۱۲

مزید ملا خط فرمائیں: التوبہ: ۵۵، ۱/۴۱۳؛ المائدہ: ۸، ۱/۲۲۲؛ الکھف: ۱،

۲/۶۵۱؛ طٰہٰ: ۱۲۹؛ ۲/۷۱۲

(۴۰) تفسیر بیان القرآن: ۱/۲۱

(۴۱) بیان القرآن: ۱/۹۰

(۴۲) بیان القرآن: ۱/۵۲۰

(۴۳) بیان القرآن: ۲/۵۴۴ مزید ملاحظہ فرمائیں۔
البقرۃ۲: ۵۷، ۱۵۵؛ البقرۃ۲: ۸۶، ۱۹۱؛ البقرۃ۲: ۱۵۱، ۱/۱۱۲؛ البقرۃ۲: ۱۶۷؛ ۱/۱۱۸؛
البقرۃ۲: ۲۱۳، ۱/۱۴۸؛ ال عمران۳: ۵۵؛ ۱/۲۴۱

(۴۴) تفسیر عثمانی: ۱/۳۷

(۴۵) تفسیر عثمانی: ۲/۱۲۹۲
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے۔ البقرۃ۲: ۱۱۳، ۱/۲۷؛ المائدہ۵: ۱۱۰، ۱/۲۶۷؛ فاطر۲۲:
۲/۹۴۵، ۲۳

(۴۶) بیان القرآن: ۱/۱۰۷

(۴۷) تفسیر بیان القرآن: ۲/۴۱۹

(۴۸) تفسیر بیان القرآن ۳/۵۶ مزید ملاحظہ فرمائیں۔ البقرۃ۲: ۵۹، ۱/۵۷؛ ال
عمرآن۳: ۱۰۳، ۱/۲۶۸؛ الاعراف۷: ۱۸۵، ۲/۷۴؛ الشعراء: ۱۰۸، ۳/۴۶

(۴۹) تفسیر عثمانی: ۱/۳۱۲

(۵۰) تفسیر عثمانی: ۱/۴۷

(۵۱) تفسیر بیان القرآن: ۱/۹۰

(۵۲) تفسیر بیان القرآن: ۱/۲۱

(۵۳) تفسیر بیان القرآن: ۱/۳۱ مزید ملاحظہ فرمائیں۔ البقرۃ: ۲، ۲۲۱؛ البقرۃ:
۱۵۸، ۱/۱۱۴؛ الفرقان۲۵: ۳۳، ۳/۲۴؛ الانبیاء۲۱: ۴۷، ۲/۴۹۲

(۵۴) تفسیر عثمانی: ۱/۳۳۹

(۵۵) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۱۶

(۵۶) تفسیر بیان القرآن: ۲/۶۵۶ مزید ملا خطہ فرمائیں۔

البقرۃ۲: ۱۸۵، ۱/۱۳۰

(۵۷) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۰۸ مزید ملاحظہ فرمائیں۔

البقرۃ: ۵، ۱/۲۷؛ نوح۷۱: ۲، ۲/۵۹۷

(۵۸) تفسیر عثمانی: ۲/۱۱۹۲

مزید ملاحظہ فرمایئے: ھود۱۱: ۴۰، ۱/۴۸۴؛ یونس۱۰: ۴۹، ۱/۴۵۶؛ الکھف۱۸: ۲۰، ۲/۶۵۵؛

ابراھیم۱۴: ۹، ۱/۵۵۵

(۵۹) تفسیر عثمانی: ۱/۴۸

(۶۰) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۳۲

(۶۱) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۳۲

(۶۲) تفسیر بیان القرآن: ۲/۱۶۱

مزید ملاحظہ فرمائیں۔

البقرۃ۲: ۲۲۲، ۱۵۹۱؛ آل عمرآن۳: ۱۱۹، ۱/۲۷۷

بنی اسرائیل۱۷: ۱۳، ۲/۳۷۱؛ الکھف۱۸: ۴۲، ۲/۴۱۸

الحج۲۲: ۳۶، ۲/۵۲۳؛ النور۲۴: ۶۱، ۲/۵۹۵؛ الفرقان۲۵: ۲۵، ۲/۲۲

(۶۳) تفسیر عثمانی: ۲/۹۴۳ مزید ملاحظہ کریں۔

الحج۲۲: ۱۵، ۲/۷۳۷؛ یوسف۱۲: ۵۳، ۱/۵۲۲؛ الرعد۱۳: ۳۳، ۱/۵۴۹؛ الصافات۳۷: ۱۱۳،

۲/۹۷۲

تفسیر عثمانی: ۲/۷۳۷

(۶۴) تفسیر بیان القرآن: ۲/۷۳۷

(۶۵) بیان القرآن: ۱/۹۷

(۶۶) تفسیر بیان القرآن: ۲/۳۸۲

(۶۷) بیان القرآن: ۲/۴۰۶

(۶۸) تفسیر بیان القرآن: ۱/۴۱

مزید ملاحظہ فرمائیں: البقرۃ۲: ۲۲۹، ۱/۱۷۵؛ آل عمرآن۳: ۸۱، ۱/۲۵۸

الاعراف۷: ۱۷۰، ۲/۶۷؛ مریم۱۹: ۳۸، ۲/۴۴۴؛ طٰہٰ۲۰: ۴، ۲/۴۵۸؛ الحج۲۲: ۵۵، ۲/۵۲۹

الفرقان۲۵: ۳۵، ۳/۲۶

(۶۹) تفسیر عثمانی: ۱/۴۳

(۷۰) تفسیر بیان القرآن: ۱/۲۶

(۷۱) تفسیر عثمانی: ۱/۳۶۶

(۷۲) تفسیر بیان القرآن: ۲/۳۶۴

(۷۳) تفسیر بیان القرآن: ۲/۵۷۰ مزید ملاحظہ فرمائیں:

الفاتحہ۱: ۴، ۱/۲۱؛ البقرۃ۲: ۱۷۰، ۱/۱۲۱؛ آل عمران۳: ۱۹۵، ۱/۳۱۹

الانبیاء۲۱: ۳۵، ۲/۴۹۲؛ الانبیاء۲۱: ۹۳، ۲/۵۰۵؛ القصص۹۷: ۵۹، ۳/۹۵

(۷۴) تفسیر عثمانی: ۱/۲۲۰

(۷۵) تفسیر عثمانی: ۱/۱۳۳

(۷۶) تفسیر بیان القرآن: ۱/۸۸

(۷۷) بیان القرآن: ۱/۱۲۸ مزید ملاحظہ فرمائیں۔

البقرۃ: ۲۸۲، ۱/۲۰۶؛ بنی اسرائیل: ۷، ۶، ۲/۳۶۹؛ المائدہ۵: ۵۳، ۱/۴۹۱

فصل سوم: چند متفرق مشکل آیات کی توجیہات

اس فصل میں دو طرح کے اشکالات سے متعلق مشکل آیات کی توجیہات ذکر ہوں گی ایک وہ اشکالات جن کا تعلق عقلیات سے ہے اور عوامی سطح پر ذھن میں پیدا ہوتے ہیں اِن اشکالات کے جوابات بھی اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین میں ملتے ہیں نیز قدیم وجدید تفاسیر میں بھی اِن میں سے اکثر کا تذکرہ بآسانی مل جاتا ہے۔

دوسری امثلہ فرق باطلہ کے رد کی ہوں گی کیونکہ کئی معانی کا احتمال رکھنے والی آیات جو اپنے مفہوم ومصداق میں واضح نہ ہوں مبطلین وملحدین نے ان کو نشانہ بنا کر ان کی باطل تاویلات کے ذریعہ اپنے مذھب کو ثابت کیا ہے۔ پس ان کی تردید اور آیت کے اصل مصداق کی چند مثالیں دونوں تفاسیر سے بیان کی جائیں گی۔

ا۔ عمومی اشکالات:۔

اِن اشکالات کو دونوں تفاسیر میں کبھی سوالاً جواباً نقل کیا جاتا ہے اور کبھی شبہات کہہ کر اِن کے جواب ذکر ہوتے ہیں اور کبھی اشکال یا شبہ کا ذکر نہیں کیا جاتا اُس کو قاری پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور فقط اِن تفاسیر میں موجود وضاحت سے وہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر چند امثلہ ذکر کی جائیں گی اور کچھ کے فقط حوالے ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا تاکہ طوالت سے بچتے ہوئے اِس بحث کو سمیٹا جا سکے۔

امثلہ:۔

تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

نمبر ا۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ (البقرة ۲: ۱۷۸)

ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو فرض ہوا تم پر قصاص (برابری کرنا) مقتولوں میں آزاد کے

بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔''

اس آیت میں جو اشکال ہوتا ہے اس کو مولانا عثمانی سوال جواب کی شکل میں اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

''اب رہا یہ امر کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ سو یہ آیت کریمہ اِس سے ساکت ہے اور آئمہ کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ آیت اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (مائدہ۵:۴۵) اور حدیث ''المسلمون تتکافؤ دماؤھم'' سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہوگا اور جیسے قوی اور ضعیف صحیح اور مریض، معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں ایسے ہی آزاد اور غلام، مرد اور عورت کو امام ابوحنیفہ قصاص میں برابر فرماتے ہیں۔ بشرطیکہ غلام وہ مقتول کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے اُن کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کر ڈالے تو اُس پر بھی قصاص ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر حربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔''(۱)

نمبر۲: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (الانعام۶:۱۳۰)

ترجمہ: اے جماعت جنوں اور انسوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے۔

اس آیت میں ''یأتکم رسل منکم'' یہ محل اشکال ہے مولانا اشکال ذکر کر کے جواب اس طرح دیتے ہیں۔

''یہ خطاب يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قیامت کے دن ہوگا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر رسل منکم (رسول تم ہی میں سے) کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اصل یہ ہے کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی اتیان رُسل متحقق ہو جائے جس

کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے ''اے عرب و عجم کے باشندو اور پورب و پچھم کے رہنے والوں کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد ﷺ جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا۔'' اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک محمد ﷺ تو عرب میں پیدا کیے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہیں۔ اسی طرح پورب کے علیحدہ اور پچھم کے علیحدہ محمد ﷺ ہوں تب یہ عبارت صحیح ہو گی علی ہذا القیاس یہاں سمجھ لیجے کہ یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم (الایۃ) کا مدلول صرف اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعے میں سے پیغمبر بھیجے گئے۔''(۲)

۳۔ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ (الاعراف ۷:۲۵)

فرمایا تم اُسی (زمین) میں زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اُسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

اس آیت میں لفظ ''فیھا تموتون'' محل اشکال ہے مثلاً بعض اوقات کسی کی موت زمین پر واقع نہیں ہوتی ہے جیسے ہوائی جہاز وغیرہ میں کسی کا مرنا اس کی وضاحت تفسیر عثمانی میں اس طرح ہے:

''یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہ ہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لیے اس سے اوپر اُٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح تو وہ اِس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لیے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجیے وہ وہیں مر جائے وہ فیھا تحیون وفیھا تموتون کے خلاف ہو گا؟ کیونکہ وہ اُس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنَٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ (طٰہٰ ۲۰:۵۵) جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوان کو فیھا

نعید کم میں کیسے داخل کیا جائے گا؟ معلوم ہوا کہ اِس قسم کے قضا یا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔" (۳)

۴۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ (البقرۃ۲: ۱۷۳)

ترجمہ:۔ اور اُس نے تو تم پر یہ ہی حرام کیا ہے۔ مردہ جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ ہی زیادتی تو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔

اس آیت سے متعلق مولانا ایک فائدہ کے تحت اس طرح لکھتے ہیں:

"یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیائے مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سب کا کھانا حرام ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت وصداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا بطلان منظور ہے یعنی بس بات یہ ہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام فرما دیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی ان کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے۔" (۴)

۵:۔ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ (المائدہ۵: ۳۸)

ترجمہ:۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔

اس آیت کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

’’کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اس حد سرقہ پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر ۵۰۰ دینار واجب ہوں دس پانچ روپیہ کی چوری پر کس طرح کاٹا جا سکتا ہے ایک عالم نے اِس کے جواب میں کیا خوب فرمایا: انها لما كانت امينة كانت ثمينة فلما خانت هانت یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا (چوری کر کے) خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔‘‘ (۵)

تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں:۔

نمبر ۱　قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ (المائدہ ۵:۲۶)

ترجمہ:　ارشاد ہوا تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا۔ یوں ہی زمین میں سرمارتے پھرتے رہیں گے۔ سو آپ ان بے حکم قوم پر غم نہ کیجیے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ قوم موسیٰ نے موسیٰ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ نے بطور سزا بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں بھٹکا دیا اور وہ چالیس سال تک اسی میں بھٹکتے رہے۔ اس کی وضاحت میں مولانا اشرف تھانوی پانچ سوالات اور اُن کے جوابات اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

سوال:۔ اس وادی تیہ میں رهنا سزا تھا تو موسیٰؑ اور ہارونؑ اس میں کیوں رکھے گئے حضوصاً دعائے فافرق کے بعد۔

جواب:۔ اصل عقوبت قلب کی تنگی اور پریشانی تھی اور یہ خاص بنی اسرائیل کے ساتھ تھی۔ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اس سے محفوظ تھے ان حضرات کا وہاں تشریف رکھنا قوم کی اصلاح وہدایت کے لیے تھا جو کہ ان کا منصبی کام اور عین سرمایہ راحت تھا جیسا دوزخ کے اندر دوزخیوں کا ہونا اور طور پر ہے اور ملائکہ عذاب کا ہونا اور طور پر۔

سوال:۔ یہ بات قیاس سے بعید ہے کہ دن میں سورج اور رات کو ستارے یہ علامات تو علوی ہیں اور خود زمین پر درخت اور پہاڑ وغیرہ علامات موجود ہوں اور پھر بنی اسرائیل ان نشانیوں سے نکلنے کی راہ نہ پاسکیں اگر کسی ستارہ ہی کی سیدھ باندھ کر چلتے کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتے۔

جواب:۔ کسی علامت کا موجود ہونا موقوف ہے قویٰ مدرکہ کے سلامت اور صحت پر جس میں امراض سے گاہ گاہ فتور آجانا مشاہد ہے سو اگر قہر خداوندی سے یہ قوائے مدرکہ ماؤف ہوجائیں تو محل تعجب کیا ہے۔

سوال:۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا میں اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو مستثنیٰ فرمایا حالانکہ اِن دونوں بزرگوں پر بھی بوجہ ان کے مطیع ہونے کے آپ کو اختیار حاصل تھا۔

جواب:۔ یہ کلام آپ نے تنگدلی میں فرمایا اور تنگدلی کے وقت کلام بھی لفظاً تنگ اور مختصر ہوتا ہے گو دلالت اس میں عموم اور توسیع ہو۔ چونکہ وہ دونوں بزرگ بھی تابع تھے اس لیے معنی استثناء میں ان کو تبعاً داخل سمجھ لینا کافی ہے یا یوں کہا جائے کہ چونکہ ان بارہ میں سے دس کی حالت خلاف توقع نامحمود پائی غایت رنج میں یہ احتمال ہوا گو بعید ہی سہی کہ یہ اس وقت تو تابع ہیں مگر آئندہ عین وقت پر کیا بھروسہ اور یہ احتمال ہارونؑ میں اس لیے نہیں ہوسکتا کہ نبی کے لیے عصمت لازم ہے۔

سوال:۔ کتب اللہ لکم کے جو لوگ مخاطب تھے ان کو تو وہ ملک نہیں ملا جو کہ تخلف وعدہ کو موہم ہے (وعدہ خلافی کا وھم ہوتا ہے)

جواب:۔ اگر لکم میں مخاطب خاص اشخاص کو کہا جائے تو کتب اللہ مشروط تھا جہاد کے ساتھ فاذا فات الشرط فات المشروط۔ اور اگر قوم کو مخاطب کہا جائے تو ان کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے اور اُن کو وہ ملک عنایت ہوگیا پس تخلف وعدہ کسی صورت میں لازم نہیں آیا۔

سوال: بنی اسرائیل کا یہ قول فاذهب أنت وربك کفر ہے یا نہیں؟

جواب: اگر تاویل نہ کی جائے تو کفر ہے اور اگر اس تاویل سے کہا ہو کہ آپ لڑیئے اور اللہ تعالیٰ مدد کریں اور مجازاً اس کو بھی ذہاب کہہ دیا تو کفر نہیں البتہ معصیت مخالفت امر کی ظاہر ہے اور ہر حال میں

غالباً ان سے توبہ بھی کرائی گئی ہوگی گو مذکور نہیں باقی اس شریعت کے قواعد وفروع جزئیہ کا پورا احاطہ نہیں کہ اس کے کیا حکم موافق ہوگا۔'' (۶)

نمبر ۲: وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (حم سجدہ ۴۱: ۶، ۷)

ترجمہ: ایسے مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو زکوۃ نہیں دیتے جو آخرت ہی کے منکر رہتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''یہاں لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے متعلق دو سوال ہیں ایک یہ کہ کفار پر ترک زکوۃ سے وعید کے کیا معنی؟ دوسرے زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورت مکی ہے۔

جواب: سوال اول کا یہ ہے کہ ترک من حیث الذات مذمت مقصود نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ترک کفار میں بوجہ ایمان نہ لانے کے علامت عدم ایمان کی ہے پس اصل مقصود ذم علی الکفر ہے اور من جملہ دوسری علامات کے اس کی تخصیص شاید اس لیے ہے کہ ایمان نہ لانے کے اسباب میں سے ایک حب مال بھی ہے جو سبب ہے ترک زکوٰۃ کا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ لغت (زکوٰۃ) معنی انفاق فی الخیر میں اہل عرب میں پہلے سے بھی معروف تھا چنانچہ شعر امیہ الفاعلون للزکوۃ منقول ہے اور مطلق انفاق فی الخیر بعض مواقع میں مکہ میں بھی واجب تھا اور بالمعنی المخصوص وبالشرط المخصوص فرض ہونا مختص ہے مدینہ کے ساتھ۔ (۷)

نمبر ۳: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

(بنی اسرائیل ۱۷: ۱)

سورۃ بنی اسرائیل کی اس پہلی آیت میں واقعہ معراج کا تذکرہ ہے اس کی وضاحت میں بھی مولانا چند اشکالات سوال جواب کی شکل میں ذکر کرتے ہیں۔

اشکال اول: بعض کو وسوسہ ہوا ہے کہ ابراھیمؑ کے باب میں فرمایا ہے

نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ (الانعام ۷۵:۷)

اور آپ ﷺ کے لیے من ''تبعیضیه'' کیوں فرمایا؟

جواب:۔ ملکوت السموات والارض کل آیات تو نہیں ہیں اور ممکن ہے کہ جو بعض رسول اللہ ﷺ کو دکھلایا گیا ہو اس بعض سے اعظم ہو۔

اشکال دوم:۔ بعض ظاہر پرست شبہ کرتے ہیں کہ خرق والتیام افلاک پر محال ہے۔

جواب:۔ اس دلیل کے سب مقدمات باطل ہیں جیسا اپنے محل میں مذکور ہے۔

اشکال سوم:۔ بعض کہتے ہیں کہ اس قدر سریع (سفر معراج) کیونکر ممکن ہے۔

جواب:۔ بعض کوکب باوجود اسقدر عظیم ہونے کے نہایت سریع ہیں اور سرعت کی عقلاً کوئی حد نہیں ہے۔

اشکال چہارم:۔ بعض کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں ہے اور حرارت شاید ہے جسم عنصری سلامت نہیں رہ سکتا۔

جواب:۔ جواب یہ ہے کہ محال ممکن نہیں ہوتا لیکن مستبعد واقع ہوسکتا ہے۔''(۸)

۴۔ وَ لَوۡ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَیۡرِ لَقُضِیَ اِلَیۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱﴾

(یونس ۱۱:۱۰)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے جلدی مچانے کے موافق جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدے کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو اُن سے وعدہ (عذاب) کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔

یہاں اس آیت سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے مولانا تھانویؒ اس طرح اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

''اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے امر مفہوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ شر مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا دوسرا یہ کہ مانگنے سے خیر جلدی واقع ہوتی ہے حالانکہ اس کا عکس بھی بکثرت واقع ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود آیت کا یہ ہے کہ بمقتضائے رحمت اصل خیر میں تعجیل وقوع ہے اور شر میں عدم تعجیل وقوع لیکن کسی عارض سے اگر عکس ہو جائے تو منافی مدلول آیت کے نہیں پس آیت میں تعجیل وعدم تعجیل باعتبار اقتضائے اصل لے ہے یا یوں کہا جائے کہ جو شر و نقصان واقع ہوتا ہے اس میں باعتبار شخص خاص یا باعتبار عامہ مصالح کے کوئی خیر مضمر ہوئی ہے اور جس خیر میں توقف ہوتا ہے اسی طرح اس میں کوئی شر مضمر ہوتا ہے پس اس شر کا وقوع واقع میں خیر کا وقوع ہے اور اس خیر کا وقوع واقع میں شر کا عدم وقوع ہے۔'' (۹)

۵۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ (الانفال ۸:۶۷)

ترجمہ:۔ نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اُن کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کر لیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی مصلحت کو چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں۔

یہ آیت اور اس سے اگلی آیات غزوہ بدر کے قیدیوں کے فیصلہ سے متعلق ہیں۔ صحابہ کے مشورے سے یہ طے پایا کہ ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب آیا تھا ان تمام آیات کی وضاحت کے بعد مولانا چند شبہات کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔

''اس قصہ میں صحابہ نے آیا کسی نص کے ہوتے ہوئے قیاس کیا یا بدون نص کے قیاس کیا

شق اول تو یہ اشکال ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں موافقت کی اور شق ثانی پر یہ اشکال ہے کہ عتاب کیوں ہوا خاص کر جبکہ وحی سے اختیار دے دیا گیا تھا پھر یہ عتاب میں صحابہ کی کیا تخصیص کی گئی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قبول کرنے میں شریک تھے۔

جواب یہ ہے کہ ہم شق ثانی کو اختیار کرتے ہیں اور وجہ عتاب یہ ہے کہ ایک جزو اس رائے کے مبنی کا مصلحت دینویہ یعنی اخذ مال بھی تھا جس کے منشاء یعنی جب دنیا کا مذموم ہونا پہلے سے معلوم تھا اس کی طرف تریدون عرض الدنیا میں صاف اشارہ ہے رہا صحابہ کا اس طرف مبادرت کرنا اس میں غلطی یہ ہوئی کہ دوسرا جزو اس میں مصلحت دینیہ یعنی احتمال اُن کے اسلام لانے سے بھی مل گیا۔ پس غالباً یوں سمجھے کہ جس امر میں خواہش دنیا تمام علت ہو وہ تو برا اور جس امر میں جزو علت ہو اس کا مضائقہ نہیں یہ خیال سبب مبادرت کا ہو سکتا ہے مگر پھر وجہ عتاب قلت تامل ہے کیونکہ ادنی تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حسن اور قبیح سے مرکب قبیح ہوتا ہے اور دین میں دنیا مل جانے سے اخلاص واجر فوت ہوتا ہے پس مجموعۂ خواہش دنیا احتمال اسلام کا حسن نہ ہوگا اسی لیے تریدون عرض الدنیا پر اکتفا کیا گیا اُن کے احتمال اسلام کے خیال کو معتد بہ نہیں قرار دیا گیا پس اشکال اول تو رفع ہو گیا رہا کہ وحی سے اختیار دے دیا گیا تھا۔ جواب یہ ہے کہ وہ صیغہ تخییر کا تھا مقصود تخییر نہ تھی کیونکہ جس طرح امر گاہے توبیخ کے لیے ہوتا ہے اسی طرح صورت تخییر گاہے امتحان کے لیے ہوتی ہے وجہ یہ کہ تخییر مباحین میں ہوتی ہے۔ ایک مباح اور ایک غیر مباح میں تخییر نہیں ہوا کرتی اور یہاں قتل مباح تھا اور فداء بوجہ مذکور کہ غالب منشاء اس کا خواہش دنیا تھا اور نیز اس وجہ سے کہ اثر اس کا ستر ۷۰ مسلمانوں کا مارا جانا تھا جیسا کہ وحی میں یہ بات بتلادی گئی تھی غیر مباح تھا۔ پس یہ صورۃ تخییر تھی اور معنی شق غیر مرضی کے ضرر پر اطلاع دینا صحابہ کو صورت تخییر سے شبہ ہو گیا اس لیے مبادرت کی۔ مگر چونکہ شبہ ضعیف تھا ادنیٰ تامل سے زائل ہو سکتا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس لیے عتاب ہوا۔ تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مبنی ان کے لیے مذموم تھا وہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے محمود تھا کیونکہ ان کو تو مقصود نفع پہچانا اپنے غیر کو کہ وہ صحابہ ہیں اور یہ محمود ہے جیسا کہ ظاہر ہے یہ قصد کرنا کہ

مجھ کو اتنا روپیہ مل جائے حرص ہے اور یہ قصد کرنا کہ فلاں غریب کو اتنا روپیہ مل جاوے شفقت اور جود و کرم ہے رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریہ فرمانا یا تو غایت ہیبت سے اور یا صحابہ کی محبت سے ہے کہ اُن کو ضرر پہنچتا''۔(۱۰)

اس کے علاوہ چند امثلہ کے اشارے ذکر کیے جارہے ہیں یہاں اشکال ذکر کر دیا جائے گا اور جواب ان تفاسیر میں ملاحظہ فرمالیجیے۔

یہاں اُن چند گروہوں یا اشخاص کی طرف فقط اشارہ کیا جارہا ہے تفصیلاً جوابات نقل کرنا طوالت کی وجہ سے ممکن نہیں فقط حاشیے میں حوالہ ذکر کیا جارہا ہے تاکہ صاحب ذوق حضرات وہاں سے مطالعہ کرسکیں۔ کیونکہ ان سے عدم واقفیت بھی قرآن کی آیت میں اشکال پیدا کردیتی ہے اور کچھ مفسرین نے مشکلات القرآن کی کتابوں میں ان کے ذریعہ اشکال کا ذکر کیا ہے اور ان کے مصداق کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

۶:۔مثلاً: صابئین سے کون سا گروہ مراد ہے۔ (۱۱)

۷:۔اسی طرح اصحاب اعراف سے کون مراد ہیں؟ (۱۲)

۸:۔اصحاب کہف کی تحقیق۔(۱۳)

۹:۔ یاجوج ماجوج کون ہیں ذوالقرنین نے ان کو روکنے کے لیے جو دیوار بنائی وہ کہاں ہے اور اس کی تحقیق کیا ہے؟ (۱۴)

۱۰:۔حضرت خضر رسول تھے یا نہیں؟ (۱۵)

۱۱:۔حضرت لقمانؑ نبی تھے یا ولی تھے؟ (۱۶)

اس کے علاوہ ان عمومی اشکالات اور ان کے جوابات کی چند اور امثلہ کے فقط حوالے ذکر کیے جارہے ہیں۔(۱۷)

فرق باطل کا رد:

مشکل القرآن کے حوالے سے آیات کے مفہوم کو واضح کرنے کا اصل مقصد فرق باطلہ

کے پیروکاروں کی باطل تاویلات کورد کرتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں دو مقامات پر ان باطل پرست لوگوں کی سخت مذمت کی ہے اُن کا آیات قرآنیہ کا اپنی مرضی کے مطابق رُخ موڑنے کی وجہ بیان کی ہے نیز اِس سلسلے میں وہ چند اصول بھی ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح سے قرآن کی ایسی مشکل آیات کو واضح کرنا چاہیے نیز چند امثلہ بھی بیان فرمائی ہیں۔ ان دونوں مقامات کی اس موضوع کے حوالے سے اہمیت کے پیش نظر دونوں کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے اس کے بعد تفسیر عثمانی اور بیان القرآن کے حوالے سے فرق باطلہ کے رد کی چند امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

متشابہ آیات کی تاویل کا اصل اصول اور باطل تاویلات کرنے کی وجہ:

تفسیر عثمانی کے حوالے سے وہ دو مقامات درج ذیل ہیں:

مقام اول:

''قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین ہو، خواہ اس لیے کہ لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں، نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے اور یا اس لیے کہ عبارت والفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں، یہ ہے۔ ایسی آیات کو ''محکمات'' کہتے ہیں۔ اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی ''متشابہات'' کہلاتی ہیں جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ و التباس واقع ہو جائے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیے جو معنی اُس کے خلاف پڑیں اُن کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو ''آیات محکمات'' کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو دعویٰ ہمہ دانی (واقفیت) کر کے ہم کو حد سے گزرنا نہیں چاہیے۔ جہاں قلتِ علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے اِس کو بھی اُسی فہرست میں شامل کر

لیں۔ مگر زنہار (ہرگز) ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذھب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں مثلاً قرآن کریم نے مسیح کی نسبت تصریح کردی۔ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ (الزخرف ۴۳: ۵۹) اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (آل عمران ۳: ۵۹) ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ۞ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ (مریم ۱۹: ۳۴، ۳۵)

اور جا بجا اُن کی الوھیت وابنیت کا رد کیا اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے كَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ۚ (النساء ۴: ۱۷۱) وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اُس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں، یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی بعض قاسی القلب (سخت دل) تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسادیں اور بعض کمزور عقیدہ والے، ڈھلمل یقین (ضعیف الاعتقاد) ایسے متشابہات سے اپنی رائے وہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات ومتشابہات سب کو جانتے ہیں انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں۔ جن میں تناقض وتہافت (پرانا ہونا) کا امکان نہیں، اسی لیے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں اور جو اُن کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اُسے اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے۔" (۱۸)

مقام دوم:۔

یہاں متشابہہ سے مراد متشابہہ لفظی یا مشکل آیات ہیں پس مولانا عثمانی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"شیطان بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر

کے شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے مثلاً نبی نے آیت حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (بقرۃ ۲: ۱۷۳) پڑھ کر سنائی شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیا ۲۱: ۹۸) پڑھا اُس نے شبہ ڈالا کہ {وما تعبدون من دون اللّٰہ} میں حضرت مسیح وعزیر اور ملائکہ اللہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا (كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ) (النساء ۴: ۱۷۱) شیطان نے سمجھایا کہ اِس سے حضرت مسیح کی ابنیت والوہیت ثابت ہوتی ہے اس القاء شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبرؑ اللہ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا ''متشابہات'' کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغوا کرتا ہے ''آیات محکمات'' اُس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ جنہیں سن کر تمام شکوک وشبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیاطین کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات میں جو احکام بعد کو کیے جاتے ہے ابتداء ہی سے کیوں نہیں کر دیے جاتے؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم وحکمت سے ناشی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً وعملاً دار امتحان بنایا ہے چنانچہ اس قسم کی کاروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا (ہوا میں پاؤں لٹکائے) شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھ دار آدمی اپنے علم وتحقیق کی قوت سے ایمان وجنات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر

اُس کو سیدھی راہ پر قائم فرمادیتے ہیں رہے منکرین و مشککین اُن کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہوگیا سمجھدار آدمی اُس کے اجزاء کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کرسکتا ہے''(۱۹)

چند امثلہ تفسیر عثمانی کی روشنی میں:۔

تفسیر عثمانی کی چند امثلہ درج ذیل ہیں

سورۃ النساء کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ (النساء ۴:۳۱)

ترجمہ:۔ اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کریں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں۔

مسئلہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کی معافی کی شرط کبائر سے بچنا ہے یا پھر فقط توبہ ہے یا نیک اعمال سے بھی وہ صیغیرہ گناہ معاف ہوسکتے ہیں اس میں معتزلہ کو غلطی لگی ہے مولانا اس آیت کا صحیح مفہوم ذکر کر کے ان کے عقیدے کو رد کر رہے ہیں پس وہ لکھتے ہیں:

> ''اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدہ مغفرت اور جنت کی توقع اور طمع دلائی جارہی ہے تاکہ اُس کو معلوم کر کے ہر ایک آدمی گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلماً قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گزرا تو اس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل و تکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اسی آیت میں چند باتیں بحث طلب مگر اصل سب کی یہ ہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ

مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے اور اُن کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہو گی۔ اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے۔ اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے اُس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں ہے کسی نے یہ کہا کہ لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا جائے اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعدد انواع شرک کو قرار دیا اور اسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آ گئیں مگر ہم ان سب امور کر نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کیے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد وارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم وانصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضمحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اس سے ابطال وتردید کی طرف توجہ کرنے کی حاجت ہی نہ رہے۔" (۲۰)

اس کے بعد مولانا اس آیت پر مفصل بیان کرتے ہیں طوالت کے خوف کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا جارہا تفصیل کے لیے یہ مقام دیکھ لیا جائے۔

۲۔ عصمت انبیاء:۔

سورۃ مائدہ میں نبی کریم ﷺ کو چند ہدایات اللہ کی طرف سے کی جارہی ہیں مثلاً اہل کتاب کے درمیان اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ کریں اور اسی ضمن میں سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۴۸ میں یہ کہا گیا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ۵:۴۸)

ترجمہ:۔ اور آپ اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں وہ سیدھا رستہ چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا۔

آیت کے اِس ٹکڑے کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

''آیات کے شان نزول سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ اُن کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے تو یہ آیات آپ کی استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لیے نازل ہوئیں جو لوگ اس قسم کی آیات کو شان عصمت کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں اول تو کسی چیز سے منع کرنا اسکی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جارہا ہے وہ اِسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انبیاء کی معصومیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت اُن سے صادر نہیں ہوسکتی۔ یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے واجتہاد کی غلطی سے راجح وافضل کی جگہ مرجوح ومفضول کو اختیار کرلیں یا غیر مرضی کو مرضی سمجھ کر عمل کرلیں جس کو اصطلاح میں ''زلۃ'' کہتے ہیں تو اس طرح کے واقعات مسئلہ عصمت کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت آدمؑ اور بعض دیگر انبیاء کے واقعات شاہد ہیں''۔(۲۱)

۳۔اثبات عذاب قبر:۔

اکثر لوگ عالم بزرح میں عذاب وثواب کے منکر ہیں مولانا عثمانی نے اس ضمن میں سورۃ مومن کی آیت نمبر ۴۶ میں کچھ کلام کیا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (المومن ۴۰:۴۶)

وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کروفرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

مولانا لکھتے ہیں:۔

''آیت ھذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔اس کے بعد حضور ﷺ کو معلوم کرادیا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ)

کماورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہدا کی روحیں ''طیور خضر'' کے ''حواصل'' میں داخل ہوکر جنت کی سیر کریں گی اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو ''طیور سود'' کے ''حواصل'' میں داخل کر کے ہر صبح شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع اُن کے احباب کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا۔اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق (اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ) اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث: عرض علیه مقعده بالغداة والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاہد اسی بنا پر ہوگا۔واللہ اعلم تعالیٰ (۲۲)

چند اور امثلہ کے حوالے حاشیہ میں ذکر ہیں (۲۳)

امثلہ بیان القرآن کی روشنی میں:۔

ا۔وفات عیسیٰؑ:۔

تفسیر بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵

کی وضاحت میں احمدیوں پر رداس طرح سے کرتے ہیں:۔

''تقریر تفسیر سے بعض اُن لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو آج کل دعوی بلا دلیل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہوگئی ہے اور آپ مدفون ہو گئے اور پھر قیامت کے قریب تشریف نہ لاویں گے۔اور اسی بناء پر جو احادیث عیسیٰؑ کی تشریف آوری کے متعلق آئی ہیں ان میں تحریف کی ہے کہ مراد اس سے مثل عیسیٰؑ ہے اور پھر اس تمثیل کا مصداق اپنے کو قرار دیا ہے اس مدعی کے کل شبہات کے دوامر ہیں ایک نقلی اور دوسرا عقلی۔نقلی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے بارے میں متوفیک فرمایا ہے۔عقلی یہ ہے کہ جسد عنصری کا آسمان پر جانا محال ہے۔اور اس بنا پر قصہ معراج میں تاویل کی ہے۔نقلی دلیل کا جواب ظاہر ہوگیا کہ اگر متوفیک کے معنی وفات کے بھی لیے جاویں تب بھی یہ وعدہ باعتبار وقت نزول من السمآء ہے اس سے وقوع موت کا یا نفی رفع یا حیات فی الحال کی لازم نہیں آتی اور دوسرے دلائل سے رفع وحیات ثابت ہے۔پس اس کا قائل ہونا واجب ہے۔

رفع تو آیت رفعہ اللہ الیہ سے جو اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے نص ہے رفع مع الجسد میں

اور بلا تعذر معنی حقیقی کے مجازی لینا ممتنع ہے اور دلیل تعذر مفقود ہے اور حیات احادیث و اجماع سے ثابت ہے چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان عیسیٰ علیہ السلام لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ اوردہ السیوطی فی الدرالمنشور واخرج ابن کثیر من آل عمرآن وقال ابن ابی حاتم۔۔۔۔۔۔۔الخ

اور اجماع نہایت ظاہر ہے کہ کسی مستند عالم سے سلفاً وخلفاً اس کے خلاف منقول نہیں اور اگر وفات کے معنی نہ لیے جائیں جیسے اور علماء اس طرف گئے ہیں کہ توفی کے معانی پورا لے لینے کے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ میں تم کو آسمان پر پورا یعنی مع الجسد لے لوں گا۔ تو جواب میں استدلال کی بناء ہی منہدم ہو جائے گی یا وفات کے معانی لیں اور پھر بعد حیات رفع کے قائل ہوں۔ بعض اس طرف بھی گئے ہیں تو بھی حیات فی الحال کی نفی لازم نہیں آتی اور عقلی دلیل کے جواب کے لیے ان اللہ علی کل شی قدیر کافی ہے۔(۲۴)

(۲)۔ جہنم میں گنہگار مومن کا ہمیشہ رہنا۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۸۱ اور ۸۲ میں دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے ایک وہ جو گناہ کریں اور گناہ اُن کا احاطہ کرلیں۔

دوسرے وہ جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور دونوں کا حکم اس طرح ذکر کیا گیا ہے

پہلے گروہ کے لیے ارشاد ہوتا ہے

فَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٨١﴾ (البقرۃ۲:۸۱)

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٨٢﴾ (البقرۃ۲:۸۲)

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے عاصی مومن کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ذکر کی ہے مولانا اشرف ان کا رد اِن الفاظ میں کرتے ہیں:۔

بلیٰ من کسب استدل المعترلۃ بالآیۃ علی خلود العاصی فی

النار لان القسمة ثنائية فمن لم يعمل الصالحات دخل
في من كسب الذي يستحق الخلود وانا اشرت الى
الجواب بتقسير الاحاطة وجعل القسمة ثلاثية ذكر
منها اثنان ولم يذكر الثالث ههنا۔ (۲۵)

'بلی من کسب' اس آیت سے معتزلہ نے عاصی مومن کے ہمیشہ جہنم میں رہنے پر استدلال کیا ہے کیونکہ لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جو نیک اعمال نہیں کرتے پس وہ اپنے اعمال کے مطابق جہاں داخل کیے جائیں گے اسکا استحقاق خلود ہے یعنی ہمیشہ رہنا ہے۔ (تھانوی جواب دیتے ہیں) میں نے لفظ ''الاحاطۃ'' کی تفسیر میں اس کا جواب دے دیا ہے وہ یہ ہے کہ: ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اسکو اس کی خطا احاطہ کرلے اس طرح کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے مراد اس سے کفار ہیں:۔

اور یہاں لوگوں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جو کہ مومن گنہگار ہیں یہاں ان آیات میں دو قسموں کا تذکرہ ہے (کافر اور مومن کا) قسم ثالث کا حکم یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

۳۔آخرت میں شفاعت کا قبول ہونا:۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۴۸ (وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝) میں ذکر ہوتا ہے کہ کوئی سفارش اُس (قیامت کے) دن قبول نہ کی جائے گی جبکہ اکثر نصوص سے شفاعت اور سفارش کا نافع ہونا ثابت ہے اس آیت کے جواب پر مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

''استدال المعتزلة بقوله تعالى لا يقبل منها شفاعة على
نفي الشفاعة واجيب بان هذا النفي في حق الكفار خاصةً
كما اشرت اليه في الترجمة'' (۲۶)

اس آیت کے جملہ ''لايقبل منها شفاعة'' سے معتزلہ نے قیامت کے روز

شفاعت کی نفی سے انکار کیا ہے اور میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ یہاں نفی کفار کے حق میں ہے گویا یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ میں نے ترجمہ میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۴۔اثبات معجزات:۔

یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء سے معجزات کا صادر ہونا ثابت ہے۔اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں اور آیات معجزات کا انکار یا باطل طریقے سے اُن کا مدلول کچھ اور بتلانا یہ کفر ہے۔پس سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۵۰ میں حضرت موسیٰ کے لیے سمندر کے پھٹنے کا تذکرہ ہے (واذفرقنا بکم الجر۔۔۔۔۔۔الخ) (البقرۃ: ۵۰)

بعض فلسفیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور آیت کا غلط مفہوم لیا ہے۔مولانا تھانوی اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

''دل فلق البحر علی صدور الخوارق من الانبیاء علیھم السلام ولا حجة علی امتناعھا عند المنکر کما انکر ھا متفلسوا ذماننا تقلیداً للملاحد للملاحد الأروبیین'' (۲۷)

سمندر کا پھٹ جانا انبیاء سے خرق عادت واقعات کے صادر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور منکرین کے لیے اس کے انکار کے خلاف یہ بڑی دلیل ہے جیسا کہ بعض ہمارے زمانے کے فلسفیوں نے یورپ کے ملحدین کی تقلید کرتے ہوئے معجزات کا انکار کیا ہے۔

۵۔اثبات وجود جنت:۔

بعض لوگ جیسے فرقہ مرجیہ کے لوگ جنت کے وجود سے انکار کرتے ہیں مولانا سورۃ قصص کی آیت نمبر ۸۳

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص ۲۸: ۸۳)

کے تحت ایسے لوگوں کا رد کرتے ہیں:۔

''استدل بقوله نجعلها على عدم وجود الجنة بالفعل والجواب ان الجعل ليس بمعنى الخلق بل بمعنى التخصيص والاعطا''۔ (۲۸)

اس آیت کے لفظ نجعل سے بعض لوگوں نے جنت کے بالفعل موجود نہ ہونے پر استدلال کیا ہے یہاں اس کا جواب یہ ہے کہ جعل یہ خلق ''پیدا کرنے'' کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اعطا اور تخصیص کے معنی کے ساتھ خاص ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تفسیر عثمانی: ۱/۳۶

(۲) تفسیر عثمانی: ۱/۳۰۲

(۳) تفسیر عثمانی: ۱/۳۲۰

(۴) تفسیر عثمانی: ۱/۴۳

(۵) تفسیر عثمانی: ۱/۲۳۶

(۶) تفسیر بیان القرآن: ۱/۴۶۶

(۷) تفسیر بیان القرآن: ۲/۳۲۹

(۸) بیان القرآن: ۱/۳۶۶

(۹) تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۷۵

(۱۰) تفسیر بیان القرآن: ۲/۱۰۷

(۱۱) اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں/ البقرہ: ۶۲. تفسیر عثمانی: ۱/۱۷؛ بیان القرآن: ۱/۶۰

(۱۲) اس کا جواب ملا فرمائیں: الاعرف: ۴۶. عثمانی: ۱/۲۲۸؛ بیان القرآن: ۲/۲۷

(۱۳) الکہف۱۸: ۹. عثمانی: ۲/۶۵۳؛ بیان القرآن: ۲/۴۰۵

(۱۴) الکہف۱۸: ۹۴. عثمانی: ۲/۶۷۰. ۶۷۱؛ بیان القرآن: ۲/۴۳۲

(۱۵) الکہف۱۸: ۶۵. عثمانی: ۲/۶۶۶

(۱۶) لقمان۲۱: ۱۲. عثمانی: ۲/۸۹۰؛ بیان القرآن: ۳/۱۴۹

(۱۷) تفسیر عثمانی: الانفال۸: ۶۷. ۱/۳۹۰. ۳۹۱؛ الاعراف۷: ۱/۳۶: ۱/۲۲۱؛ التوبہ۹: ۴۳. ۱/۴۱۰؛ التوبہ: ۸۱. ۱/۴۲۲؛ توبہ: ۱۰۱. ۱/۴۲۹؛ یونس۱۰: ۴۹. ۱/۴۵۱؛ یوسف۱۲: ۱۰۰. ۱/۵۲۳؛ یوسف۱۲: ۱۱۰. ۱/۵۳۶؛ الحجر: ۵۵. ۵۶. ۱/۵۷۶؛ النور: ۳. ۲/۷۷۰

تفسیر بیان القرآن: مائدہ: ۱۹. ۱/۴۶۳؛ الانعام: ۲۳تا ۲۴. ۱/۵۴۳؛ الانعام: ۵۲؛ ۱/۵۵۸؛ ۲/۶۸؛ ۲/۱۵؛ ۳/۲۲۹؛ الاعراف: ۱۷۲. ۲/۶۹؛ الانفال: ۲۴تا ۳۰. ۲/۹۱؛ توبہ: ۱۰۱تا ۱۰۶. ۲/۵۸؛ یونس: ۱۱. ۲/۱۷۵؛ یوسف: ۸۰تا ۸۷: ۲/۲۶۶. ۲۶۷؛ الرعد۱۳: ۴۱.

۲/۲۹۱؛ طٰہٰ: ۲۵ تا ۵۰۔ ۲/۳۴۳؛ الانبیاء: ۳۰۔ ۲/۳۸۷؛ حج: ۱۹ تا ۲۲: ۲/۵۱۲؛ الانفال:
۶۷۔ ۲/۱۰۷؛ الطٰک: ۳۔ ۲/۷۵۸؛ لقمان: ۲۷۔ ۲/۱۵۲

(۱۸) تفسیر عثمانی: ۸۸۔۱/۸۷

(۱۹) تفسیر عثمانی: ۲/۷۳۸

(۲۰) تفسیر عثمانی: ۱/۱۶۸

(۲۱) تفسیر عثمانی: ۱/۲۲۲

(۲۲) تفسیر عثمانی: ۲/۱۰۱۵

(۲۳) تفسیر عثمانی، المائدہ۵: ۱۱۷۔ ۱/۲۷۰؛ ہود۱۱: ۱۰۸۔ ۱/۵۰۰؛ النور۲۴: ۲۲۔ ۲/۷۷۶

(۲۴) بیان القرآن: ۱/۲۲۴

(۲۵) بیان القرآن: ۱/۶۷

(۲۶) بیان القرآن: ۱/۵۱

(۲۷) بیان القرآن: ۱/۵۳

(۲۸) بیان القرآن: ۲/۱۰۶

مزید ملاحظہ فرمائیے: بقرہ۲: ۶۔ ۱/۲۷؛ بقرہ۲: ۴۸۔ ۱/۵۱۔ بقرہ۲: ۵۵۔ ۱/۵۵ بقرہ۲: ۱۰۳۔
۱/۷۹؛ بقرہ۲: ۱۲۴۔ ۱/۹۳۔ بقرہ۲: ۲۶۰۔ ۱/۱۹۰؛ مائدہ۵: ۵۔ ۱/۲۹۱

❀❀❀❀❀❀❀

خلاصہ بحث

میرے لیے تحقیق کے اعتبار سے یہ موضوع بڑا دقیق اور مشقت طلب تھا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس کے ساتھ انصاف کرسکوں البتہ میری یہ تحقیق اور کاوش حرف آخر نہیں ہے اور یقیناً اس میدان میں مزید تحقیق کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ اس ساری بحث کا خلاصہ چند نکات کی صورت میں درج ذیل ہے۔

مشکل سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جن کا سمجھنا کسی بھی وجہ سے دشوار ہو جائے خواہ لفظ کی غرابت کے باعث یا جملہ کی ترکیب کے سبب، اختلاف قرأت کی وجہ سے یا اسلوب کلام کی پیچیدگیوں کے باعث یا آیات کے باہم تعارض کی وجہ سے پس ان تمام اسلوب کی بنا پر مفسرین کسی آیت کو مشکل کہہ دیتے ہیں۔

☆ مشکل کی اصطلاح دوسرے تمام علوم مثلاً علم حدیث، علم فقہ اور اصول حدیث میں یکساں معنی میں مستعمل ہے۔

☆ مشکل سے ملتی جلتی ایک اور اصطلاح بھی علوم القرآن اور کتب تفاسیر میں مذکور ہے جسے متشابہ کہا جاتا ہے متقدمین کے ہاں مشکل اور متشابہ میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ متاخرین نے اس میں فرق کیا ہے جہاں مشکل اور متشابہ میں فرق نہیں کیا گیا وہاں متشابہ سے مراد متشابہ لفظی ہے جس کا معنی غور وفکر سے سمجھ میں آ جائے۔

☆ مشکل آیات سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ان آیات کا مفہوم سمجھنا ناممکن ہے ایسی تمام آیات قابل وضاحت ہیں البتہ گہرے تدبر اور غور وفکر کی محتاج ہیں جب کہ متشابہ معنوی (یعنی حروف مقطعات، صفات باری تعالیٰ احوال قیامت وغیرہ) کا علم فقط اللہ کے پاس ہے اور اُس کو سمجھا نہیں جا سکتا۔

☆ متشابہ لفظی یا مشکل آیات کی جستجو اور اصل معنی تک رسائی باعث ثواب اور نجات ہے۔

☆ جو شخص کلام اللہ کی تفسیر کا ارادہ کرلے تو اس کے لیے قرآن کریم میں پائی جانے والی مشکلات کی معرفت اور ان اشکالات کو دور کرنے کی کیفیت میں کمال حاصل ہونا ضروری ہے۔

☆ مشکل یہ ایک نسبتی اصطلاح ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک آیت کسی ایک کے لیے مشکل ہو جب کہ وہی آیت دوسرے کے لیے آسان ہو۔

☆ قرآن کی آیات میں پائی جانے والی مشکل کا تعلق علم فقہ سے بھی ہوسکتا ہے علم لغت سے بھی۔ علم الصرف والنحو سے بھی، علم بلاغہ اور علم کلام سے بھی لہذا اُس مشکل آیت کو متعلقہ علوم یا متعلقہ تفاسیر میں تلاش کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اُس مفسر کو تمام علوم دینیہ اور خاص کر علم تفسیر میں کمال حاصل ہو۔

☆ علم تفسیر کی تاریخ دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبویؐ سے اور علم کے زمانے سے دوری ہوتی گئی اور جہالت کی کثرت ہوتی گئی تو وہاں مشکل کے بیان کی حاجت بڑھتی گئی جب کہ علم وفضل کے زمانے میں یہ حاجت قلیل تھی۔

☆ ''علم مشکل القرآن'' نے علم تفسیر کے ارتقاء کے ساتھ ہی ارتقاء کی منازل طے کی ہیں۔ صحابہ بھی قرآن فہمی میں مختلف درجات پر تھے۔ درجات میں اس تفاوت کا سبب اُن کا علم میں ایک دوسرے سے مختلف ہونا تھا۔

☆ قرآن کی ایسی آیات جو متعدد معانی کا احتمال رکھتی ہیں اور اپنے مطلب میں غور وفکر کے بغیر واضح نہیں ہوتیں ملحدین، اہل باطل و بدعت اور زنادقہ ایسی ہی آیات کو نشانہ بناتے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق اُن کی باطل تاویل کرکے اپنے حق میں دلیل بناتے ہیں لہذا مشکل آیات کی صحیح توضیح و تاویل ایسے لوگوں کے رد کے لیے بے حد ضروری ہے اور اس کے لیے عقل سلیم اور نیت صالح کی ضرورت ہے۔

☆ قرآن کی اصل لوگوں کے لیے ہدایت اور ان کی نجات کا ذریعہ ہونا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ سارا قرآن واضح اور محکم ہوتا کہ لوگ اس سے پورا فائدہ اٹھاسکیں۔اس کے باوجود ایسی مشکل آیات کا قرآن میں وجود کئی حکمتوں کا حاصل ہے۔جس کو تفصیلی طور پر ماقبل ذکر کیا جاچکا ہے۔ان حکمتوں میں سے ایک تو اہل عرب کو ان کی فصاحت و بلاغت کے باوجود اس کا مثل لانے سے عاجز کرنا تھا۔ نیز عالم کی جاہل پر اور اہل فضل کی عام لوگوں پر عظمت کو ظاہر کرنا تھا اس کے ساتھ ساتھ ان آیات کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ کون ان آیات کو محکم آیات کی طرف لوٹا کر سلف صالحین کی پیروی کرتے ہوئے صحیح مفہوم اخذ کرتا ہے اور کون باطل تاویل کا راستہ اختیار کر کے گمراہ ہوتا ہے۔

☆ اس علم پر کتب کی کثرت جو کہ اکثر عربی زبان میں ہیں اس علم کی اہمیت اور علماء کی اس کی طرف توجہ کو ظاہر کرتی ہے۔تمام کتب تفاسیر میں سے بھی تمام مشکل آیات کے مفہوم کو دیکھا جاسکتا ہے۔

☆ مشکل القرآن کی کئی انواع ہیں لیکن میں نے اپنے موضوع میں مذکورہ دو تفاسیر کے اعتبار سے اس کی فقط دو انواع کو ذکر کیا ہے۔ایک نوع تعارض آیات سے متعلق ہے اور دوسری نوع لغوی نحوی بلاغی اشکالات سے متعلق ہے۔ وجہ تقسیم یہ ہے کہ تفسیر عثمانی اور بیان القرآن میں زیادہ اُن مشکل آیات کی وضاحت مذکور ہے جن کا تعلق تعارض سے ہے۔اس لیے اس کو ایک نوع کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

مشکل آیات میں اشکال کو دور کرنے کے لئے جو طریقے ذکر کیے گئے ہیں وہ اس انداز میں اصولوں کے طور پر باقاعدہ علوم القرآن یا اصول تفسیر کی کتب میں موجود نہیں ہیں البتہ مفسرین کے منہج اور طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے کہ وہ مشکل آیت کی وضاحت کس طرح

کرتے ہیں یہ اصول ترتیب وار دوسرے باب کی تیسری فصل میں ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ سب سے پہلے اشکال کی وجہ تلاش کی جائے۔

۲۔ ایک موضوع کی تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے۔

۳۔ قرآن سے اُس مشکل حل کو تلاش کیا جائے۔

۴۔ احادیث صحیحہ کو اشکال کے حل کے لیے بنیاد بنایا جائے۔

۵۔ متشابہ آیات کو محکم آیات کی طرف لوٹایا جائے۔

۶۔ ناسخ و منسوخ کے ذریعہ اشکال دفع کیا جائے۔

۷۔ شانِ نزول سے واقف ہو کر تلاش کیا جائے۔

۸۔ اگر مفہوم واضح نہ ہو تو پھر وہاں توقف کیا جائے۔

☆ علم مشکل القرآن کے حوالہ سے اپنے موضوع میں موجود تفاسیر تفسیر عثمانی اور تفسیر بیان القرآن کے بارہا مطالعہ سے یہ بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ یہ تفاسیر ایک عام شخص کے لیے متشابہ آیات کے اصل مفہوم کے لیے بے حد معاون ہیں ان تفاسیر میں مشکل اصل مفہوم سے آگاہی کے لیے بے حد معاون ہیں ان تفاسیر میں مشکل آیات کی وضاحت میں سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین کے طریق کی مکمل پیروی کی گئی ہے اور آیات کا وہی مفہوم بیان کیا گیا ہے جو سلف صالحین سے منقول ہے۔

☆ ان تفاسیر کا مطالعہ کئی بڑی بڑی ضخیم اور مشکل تفاسیر سے ایک آدمی کو مستغنی کر دیتا ہے اور وہ بڑی آسانی سے قرآن کو سمجھ لیتا ہے۔ خاص کر تفسیر عثمانی کو کھول کر دیکھیں تو بڑے منظم خوبصورت اور دلنشیں انداز میں مشکل آیات کے حل کا منہج دکھائی دیتا ہے اور زبان بھی اس قدر آسان اور سادہ ہے کہ عام سے عام شخص کو بھی کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

☆ تفسیر بیان القرآن کی زبان مشکل اور انداز قدرے دقیق ہے۔ نیز لغوی، نحوی، بلاغی اور تمام کلامی اشکالات کا حل اُن کے ذکر کردہ عربی حاشیے میں موجود ہے۔ جو ایک عالم شخص ہی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ تفسیر مشکل القرآن کے حل میں کسی معجون سے کم نہیں اس کا نام ''حل مشکلات القرآن'' ہونا چاہیے ہر قسم کے اشکال کا جواب اس تفسیر میں با آسانی مل جاتا ہے اور مولانا اس میں حوالے بھی نقل کرتے ہیں۔ تا کہ کوئی چاہے تو اُن قدیم تفاسیر میں بھی ان کو دیکھ لے۔ جگہ اور وقت کی قلت کے باعث میں اپنے مقالہ میں اس تفسیر کے چند مشکل مقامات کا ہی ترجمہ کر سکی ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تفسیر بیان القرآن کے عربی حاشیے کو ''مشکل القرآن'' کے حوالہ سے اردو زبان میں منتقل کیا جائے تا کہ لوگ مشکل آیات کی اصل تاویل اور مفہوم سے آگاہ ہو سکیں اور اس تفسیر سے صحیح معنوں میں استفادہ حاصل کر سکیں۔

☆ اردو زبان میں مشکل القرآن کے موضوع پر کوئی مرتب اور منظم کام موجود نہیں ہے۔ اردو تفاسیر سے ہی ان آیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اردو تفاسیر سے اور عربی تفاسیر سے مشکل آیات کو الگ کیا جائے اور اس میں اشکال کی وجہ ظاہر کی جائے اور مفسر نے جس اسلوب کے تحت اُس مشکل کو حل کیا ہے اس کو واضح کیا جائے اور اس کام کو ترتیب دیا جائے۔

واللہ أعلم بالصواب

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مصادرومراجع

مصادرومراجع

❀ القرآن الکریم

❀ ابراهیم بن منصور الترکی، البحث البلاغی عند ابن تیمیه، منشورات نسادی القصیم الادبی، ط۱، ۱۴۲۱ھ

❀ ابن ابی الاصبح، تحریر التحبیر، نشر لجنة احیاء التراث الاسلامی بالمجلس الاعلی للشؤن الاسلامیه، بالجمهوریة العربیةالمتحدة، الکتاب الثانی، س۔ن۔

❀ ابن الاثیر، علی المتقی، علامه، الکامل فی التاریخ، دارالفکر عن طبعة دارصادر، س۔ن۔

❀ ابن الانباری، ابوالبرکات، البیان فی غریب اعراب القرآن، الهیئة المصریة العامة للکتاب، ۱۴۰۰ھ

❀ ابن الجوزی، عبدالرحمن بن علی، ابوالفرج، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، دارالوطن، السعودیة، ط۱، ۱۴۱۸ھ۔

❀ ابن العربی، محمد بن عبدالله بن محمد، ابو بکر، حافظ، علامه، احکام القرآن، دارالفکر، بیروت، لبنان، س۔ن۔

❀ ابن العربی، محمد بن عبدالله بن محمد، ابوبکر، حافظ، علامه، الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، مکتبه الثقافة الدینیة، ۱۴۱۳ھ

❀ ابن الکحاله، عمر، معجم المؤلفین، مکتب التحقیق فی مؤسسة

الرسالة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

* ابن المنادی، احمد بن المنادی، ابوالحسین، علامہ، متشابہ القرآن العظیم، مکتبة لینة، مصر، ۱۴۱۴ھ۔
* ابن امیر الحاج، محمد بن محمد، التقریر والتجبیر، شرح التحریر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۳ء
* ابن تیمیہ، تقی الدین احمد، ابوالعباس، شیخ الاسلام، تفسیر آیات اشکلت علی کثیر من العلماء، مکتبة الرشد، السعودیة، ط۱، ۱۴۱۷ھ
* ابن تیمیة، تقی الدین احمد، ابوالعباس، شیخ الاسلام، مقدمة فی اصول التفسیر، دارالقرآن الکریم، بیروت، ط۳، ۱۳۹۹ھ
* ابن تیمیہ، درء تعارض العقل والنقل، جامعہ الامام محمد بن مسعود، ط۱، ۱۳۹۹ھ
* ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، ابوالفضل، شہاب الدین، حافظ، الأصابة فی تمییز الصحابة، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۲ھ
* ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد ابوالفضل، شہاب الدین، حافظ، تہذیب التہذیب، مؤسسة الرسالة، بیرت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۶ھ
* ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، ابوالفضل، شہاب

الدین، حافظ. فتح الباری بشرح بصحیح الامام البخاری، المطبعة السلفیة، القاهرة، ۱۳۸۰ھ

❀ ابن سعد، الطبقات الکبری، دارالفکر، س۔ن

❀ ابن عاشور، التحریر والتنویر، مکتبه ابن تیمیه عن الدار التونسیه للنشر، س۔ن

❀ ابن عبدالبر، القرطی، جامع بیان العلم وفضله، دارابن الجوزی، السعودیة، ط۱، ۱۴۱۴ھ

❀ ابن فارس، احمد بن فارس، ابوالحسن، معجم مقاییس اللغة، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ

❀ ابن فورك الاصفهانی، محمد بن الحسن، ابوبکر، شیخ المتکلمین، امام، مشکل الحدیث وبیانه، المکتبة العصریة للطباعة والنشر، بیروت، س۔ن

❀ ابن قتیبة الدینوری، عبدالله بن مسلم بن قتیبه، تفسیر غریب القرآن، مکتبة توحید وسنة، پاکستان، ۱۳۹۸ھ

❀ ابن قتیبة الدینوری، عبدالله بن مسلم بن قتیبة، تأویل مشکل القرآن، المکتبة العلمیة، بیروت۔لبنان، س۔ن۔

❀ ابن قدامة المقدسی، عبدالله بن احمد، روضة الناظر، مکتبة الرشد، ط۴، ۱۴۱۶ھ

❀ ابن قیم الجوزیه، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی،

ابوعبداللہ، امام، التبیان فی اقسام القرآن، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، س۔ن

❀ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، امام، الصواعق المرسلہ علی الجہمیۃ والمعطلۃ، دارالعاصمہ، سعودیہ، ط۲، ۱۴۱۲ھ

❀ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، امام، بدائع الفوائد، دارالکتاب العربی، بیروت، س۔ن۔

❀ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، امام، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسۃ الرسالۃ ومکتبۃ المنار الاسلامیۃ، ط۱۳، ۱۴۰۶ھ

❀ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، امام، الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س۔ن

❀ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، امام، اعلام الموقعین عن رب العالمین، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ

❀ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، ابوالفداء، عماد الدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، دارطیبۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ ابن منظور محمد بن مکرم بن علی، ابوالفضل، جمال الدین، علامہ۔ لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ

❀ ابن ندیم، ابوالفرج الوارق، الفہرست، مترجم محمد بن اسحاق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔ ۱۹۶۹م

❀ ابوالحسن الباقولی، کشف المشکلات وایضاح المعضلات، مطبوعات مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق، ط۱، ۱۹۹۵م

❀ ابوالحسین الملطی الشافعی، التنبیہ والرد علی اہل الاہواء والبدع، رمادی للنشر، السعودیہ، ط۲، ۱۴۱۴ھ

❀ ابوالعباس المہدوی، شرح الہدایۃ، مکتبۃ الرشد، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

❀ ابوبکر الانباری، الزاہر فی معانی کلمات الناس، موسسۃ الرسالۃ، ط۱، ۱۴۱۲ھ

❀ ابوتراب الظاہری، شواہد القرآن، منشورات: النادی الادبی، جدہ، ط۱، ۱۴۱۴ھ

❀ ابوحیان، محمد بن یوسف بن علی بن یوسف، البحرالمحیط، بیروت، ط۲، ۱۴۱۱ھ

❀ ابوطاہر محمد اسحاق خان، عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن، دارالعلوم الاسلامیۃ، بکشمیر الحرۃ، ۱۴۲۶ھ

❀ ابوعبیدہ، معمر بن المثنی، فضائل القرآن، دارابن کثیر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

❀ ابو عبیدہ، معمر بن المثنی، مجاز القرآن، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۶، ۱۴۰۱ھ

❀ ابو یعلی، قاضی، طبقات الحنابلہ، دارالمعرفة، بیروت، س۔ن

❀ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، دارالسلام، السعودیة، ط۱، ۱۴۲۰ھ

❀ احمد بن حنبل، امام، الرد علی الزنادقة والجهمية، المطبعة السلفیة، القاهرة، ۱۳۹۳ھ

❀ احمد بن حنبل، امام، فضائل الصحابة، طبع مؤسسة الرسالة، مرکز البحث العلمی بجامعة ام القری، ط۱، ۱۴۰۳ھ

❀ احمدبن حنبل، امام، مسند امام احمد، مؤسسة الرسالة، توزیع، وزارة الشؤن الاسلامیة فی السعودیة، س۔ن۔

❀ احمد بن علی، ابو بکر، تفسیر غریب القرآن العظیم، والدیانة الترکی، ط۱، ۱۹۹۷م

❀ احمد شاہ منظور، ابوالنصر، علامہ، علم القرآن، مکتبہ نظامیہ، ساهیوال، س۔ن

❀ احمد فرحات، معانی المحکم ومتشابه فی القرآن الکریم، دارعمار، الاردن، ط۱، ۱۴۱۹ھ

❀ احمد محمد جمال، القرآن الکریم کتاب احکمت آیاته. مطبوعات رابطة العالم الاسلامی، سلسله دعوة الحق، ۱۴۰۲ھ رمضان (۱۸) السنةالثانية

❀ احمد موسی، سید، الرد علی المشکل، المکتبة الثقافیة، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

❀ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مکتبة الرشیدیه لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء

❀ الازهری، ابومنصور محمد بن احمد، معجم تهذیب اللغة، دارالمعرفة، بیروت،لبنان، ۱۴۲۲ھ

❀ الازهری، عبدالصمد صارم، تاریخ التفسیر، مکتبه معین الادب، اردوبازار،لاہور، س۔ن

❀ اسماعیل پاشا بن محمد امین، ایضاح المکنون، منشورات مکتبه المثنی، بغداد، س۔ن

❀ اسماعیل پاشا بن محمد امین، هدیة العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین من کشف الظنون، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۳ھ

❀ الاسنوی، جمال الدین، نهایة السؤال فی شرح منهاج الوصول، دارابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

❀ اصغر حسین، سید، حیات شیخ الهند، مطبع قاسمی، دارالعلوم

دیوبند، س-ن

❀ اکبر شاہ بخاری، اکابر علماء دیوبند، ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور، س-ن

❀ اکبر شاہ بخاری، تحریك پاکستان اور علمائے دیوبند، ایچ ایم سعید ادب منزل، پاکستان چوک، س-ن

❀ اکبر شاہ بخاری، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ادارہ تالیفات اشرفیة، ملتان، ۱۴۱۸ھ

❀ اکرام، شیخ محمد، موج الکوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۳ء

❀ الاجری، ابوبکر، الشریعة، دارالوطن، السعودیة ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ الاحام البعلی، المختصر فی اصول الفقه، جامعه الملك عبدالعزیز، مرکزالبحث العلمی، مکة المکرمة، ۱۴۰۰ھ

❀ انوار الحسن شیر کوٹی، حیات عثمانی، مکتبة دارالعلوم، کراچی، جون ۱۹۷۸ء

❀ انوارالحسین شیرکوٹی، انوار قاسمی، اداریہ سعیدیہ مجددیہ ۱۸حمیرلین روڈ، لاہور، ۱۹۶۹ء

❀ ایچ، بی، خان، برصغیر پاك و ھند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

❀ آلوسی، محمود بن عبداللہ، شہاب الدین، علامہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ

❀ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالولید، احکام الفصول فی احکام الاصول، دارالغرب الاسلامی، ط۲، ۱۴۱۵ھ

❀ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، امام، الجامع الصحیح البخاری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س-ن

❀ بدوی، طبانة، معجم البلاغة العربية، دارالمنارة بجدہ ودار ابن حزم، بیروت، ط۴، ۱۴۱۸ھ

❀ البہاری، محب اللہ بن عبدالشکور، الہندی، مسلم الثبوت شرح فواتح الرحموت، المطابع الانصاری، دہلی، ۱۸۹۹م

❀ الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورة، سنن الترمذی، اقرأ قرآن کمپنی، لاہور، ۱۴۳۱ھ

❀ تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم، کراچی، س-ن

❀ التھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، مولانا، ارواح ثلاثہ، مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر، اردوبازار، لاہور، س-ن-

❀ التھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، مولانا، بیان القرآن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲۰۰۵ء

❀ التھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، مولانا، تفسیر بیان

القرآن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان، پاکستان، ۱۴۲۸ھ

❀ التھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، مولانا، معاصرین، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

❀ ثناء اللہ، قاضی، تفسیر مظھری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۹۶۷م

❀ جرجانی، محمد بن علی، التعریفات، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۸ھ

❀ الجزری، النشر فی القرأت العشر، مکتبۃ الریاض المدینیۃ، س۔ن

❀ الجزری، منجد المقرئین ومرشد الطالبین، دار عالم الفوائد السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۹ھ

❀ حاجی خلیفہ، کاتب جلپی، ملا، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ

❀ حافظ الحکمی، معارج القبول بشرح سلم الوصول، دارابن الجوزی، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۲۰ھ

❀ حسین الحربی، قواعد الترجیح عند المفسرین، دارالقاسم، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

❀ الحملاوی، محمد بن احمد، شذالعرف فی فن الصرف، داربن

کثیر، ط۱، ۱۴۱۱ھ

❀ خالد السبت، قواعد التفسیر، دارابن عفان السعودیة، ط۱، ۱۴۱۷ھ

❀ خطیب الاسکانی، درة التنزیل وغرة التأویل فی بیان الآیات المتشابہات فی کتاب اللہ العزیز، دارالکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

❀ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیة، بیروت، س۔ن

❀ خطیب القزوینی، الأیضاح فی علوم البلاغة، دارلجیل، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

❀ خلیل بن احمد، کتاب العین، مؤسسة الاعلی للمطبوعات، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

❀ خلیق احمد نظامی، مشائخ چشت، دارالمؤلفین، اسلام آباد، پاکستان، س۔ن

❀ الدامغانی، حسین بن محمد، ابوعبداللہ، امام، الشیخ، الوجوہ والنظائر لالفاظ کتاب العزیز، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، س۔ن

❀ الدانی، ابوعمرو، الأحرف السبعة للقرآن، مکتبہ المنارة، السعودیہ، ط۱، ۱۴۰۸ھ

❀ داؤدی، محمد بن علی بن احمد المالکی، امام، طبقات المفسرین، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، س۔ن

❀ الذهبی، محمد بن احمد بن عثمان، علامه، سیراعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۳، ۱۴۰۶ھ

❀ الرازی، محمد بن عمر بن الحسین، ابو عبدالله، فخر الدین، امام، مفاتیح الغیب، دارالکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ

❀ راشد الفرحان، تفسیر مشکل القرآن، جمعیة الدعوة الاسلامیة العالمیة، لیبیا، ط۲، ۱۹۸۴م

❀ راغب الاصفهانی، حسین بن محمد، ابوالفضل، علامه، المفردات فی غریب القرآن، قدیمی کتب خانه، کراچی، س۔ن

❀ رشید احمد جالندهری، برطانوی هند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۹م

❀ رفیق العجم، موسوعة مصطلاحات اصول الفقه عند المسلمین، مکتبة لبنان، بیروت، ط۱، ۱۹۹۸ء

❀ الرمّانی، علی بن عیسی، ابوالحسن، النکت فی اعجازالقرآن، مکتبه مؤید، ریاض، ۱۴۱۲ھ

❀ زاهد الحسینی، قاجی، تذکرة المفسرین، دارالارشاد، اٹک، پاکستان، ط۳، ۱۴۲۵ھ

❀ الزبیدی، محمد بن محمد بن عبدالرزاق، ابوالفیض، علامه،

تاج العروس من جواهر القاموس، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ

❀ الزجاج، ابراہیم بن السری بن سہل، ابواسحاق، امام، اعراب القرآن، دارالکتاب المصری ودارالکتاب البنانی، ط۴، ۱۴۲۰ھ

❀ الزجاج، ابراھیم بن السری بن سہل، ابواسحاق، امام، معانی القرآن واعرابہ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

❀ الزرقانی، محمد بن عبدالعظیم، شیخ، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۱۰م

❀ الزرکشی، محمد بن عبداللہ بن بہادر، ابو عبداللہ، بدرالدین، علامہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۵ھ

❀ الزرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، امام، الأعلام، دارالعلم للملایین، بیروت، ط۹، ۱۹۹۰م

❀ زکریا الانصاری، فتح الرحمن بکشف مایلتبس فی القرآن، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ زمخشری، محمود بن عمر، جاراللہ، علامہ، اساس البلاغۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، س۔ن

❀ زمخشری، محمود بن عمر، جاراللہ، علامہ، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاتاویل فی وجوہ التأویل، دارالفکر، بیروت،

۱۴۱۸ھ

❀ زمخشری، محمود بن عمر، جار اللہ، علامہ، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۰۷ھ

❀ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن، ابوالحسن، علامہ، ھدایۃ المرتاب وغایۃ الحفاظ والطلاب فی تبیین، متشابہ الکتاب، دار الفکر المعاصر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

❀ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن، امام، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، دار الامام الطبری، ط۲، ۱۴۱۲ھ

❀ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی بکر، ابوبکر، امام، اصول السرخسی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س-ن

❀ سعود الفنسیان، شیخ، اختلاف المفسرین اسبابہ و آثارہ، دار اشبیلیا السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ سمیر عبدالحمید ابراھیم، اتجاھات التراجم التفاسیر القرآنیہ، مرکز الدراسات الشرقیہ، جامعہ قاھرہ، ۱۹۹۰م

❀ سمین الحلبی، عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

❀ سمین، الحلبی، الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۰۶ھ

❀ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، علامہ،

الاتقان فی علوم القرآن، قدیمی کتب خانه، آرام باغ، کراچی، س۔ن

❀ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، علامه، الاشباه و النظائر فی النحو، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

❀ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، علامه، الدرالمنثور فی التفسیر الماثور، دارالفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۰۳ھ

❀ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، علامه، طبقات الحفاظ، مکتبة وھبه، مصر، ط۱، ۱۳۹۳ھ

❀ الشاطبی، ابراھیم، بن موسی بن محمد، ابواسحاق، امام، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودیه، ط۱، ۱۴۱۲ھ

❀ الشافعی، محمد بن ادریس، امام، الأم، دارالکتب العلمیه، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

❀ شاہ ولی الله، احمد بن عبدالرحیم، محدث، الفوز الکبیر، مترجم عربی، سعید احمد پالن پوری، مکتبه البشری، کراچی، پاکستان، ۱۴۳۱ھ

❀ شرف الدین الطیبی، التبیان فی علم المعانی، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

❀ الشنقیطی، محمد امین، عالم الکتب، علامه، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، بیروت، س۔ن

❀ الشوکانی. محمد بن علی بن عبداللہ، امام، فتح القدیر، دارالوفاء. ط۱، ۱۴۰۴ھ

❀ الشوکانی. محمد بن علی بن عبداللہ، امام، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دارالسلام. القاہرہ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ شیروانی، وکیل احمد، مفتی، اشرف المقالات، مجلس صیانۃ المسلمین، جامعہ اشرفیۃ، لاہور، ۱۹۹۵م

❀ صادق حسین، ڈاکٹر، تحریک مجاہدین، م۔ن، س۔ن

❀ صبحی الصالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، دارالعلم للمایین، بیروت، ط ۱۵، ۱۹۸۳م

❀ صدیق حسن خان، فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

❀ الطبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان عن تأویل القرآن، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ

❀ الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی ابوجعفر، شرح مشکل الآثار، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

❀ عبدالباقی بن عبدالمجید، ابوالمحاسن، تاج الدین، علامہ، الترجمان عن غریب القرآن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ھ

❀ عبدالجبار المعتزلی، القاضی، تنزیہ القرآن عن المطاعن،

دارالنهضة، بیروت، ط۲، ۱۴۱۶ھ

❀ عبداللطیف، البرزنجي، التعارض والترجیح بین الادلة الشرعیة، دارالکتب العلمیة، ۱۴۱۷ھ

❀ عبداللہ بن حمد المنصور، مشکل القرآن الکریم، مکتبه ابن الجوزیه للنشر والتوزیع، دمام سعودیه، ۱۴۲۶ھ

❀ عبداللہ فهد فلاحی، تاریخ دعوت و جہاد، مکتبه تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷م

❀ عبدالجبار، قاضی، متشابه القرآن، دارالتراث، القاہرہ، س۔ن

❀ عبدالحی عارفی، ڈاکٹر، مأثر حکیم الامت، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۷ھ

❀ عبدالرحمان خان، مفتی، سیرت اشرف، شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۷ء

❀ عبدالرحمن السعدی، القواعد الحسان لتفسیر القرآن، مکتبة المعارف، الریاض، ۱۴۰۰ھ

❀ عبدالعلی الانصاری، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، مطبوع بهامش المستصفی للغزالی عن المطبعة الامیریة ببولاق، س۔ن

❀ عبدالوہاب سبکی، طبقات الشافعیه، ہجر للطباعة والنشر، ط۲، ۱۴۱۳ھ

❀ العبکری، عبداللہ بن الحسین، ابوالبقاء، التبیان فی اعراب القرآن، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۸ھ

❀ عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام، علامہ، اعجاز القرآن، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۵ء

❀ عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام، علامہ، تفسیر عثمانی، معھد ام القری، جامعہ اشرفیہ، لاہور، ۱۴۲۵ھ

❀ عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام، علامہ، تفسیر عثمانی، مکتبہ البشری، کراچی، س-ن

❀ عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام، علامہ، حیات شیخ الاسلام، ادارہ سیرت پاکستان، بھٹہ روڈ، لاہور، س-ن

❀ عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام، علامہ، صحیح مسلم مع شرح فتح الملہم، مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل کراچی، س-ن

❀ عدنان زرزور، علوم القرآن، المکتب الاسلامی، ط۲، ۱۴۰۴ھ

❀ عدنان زرزور، متشابہ القرآن، دراسۃ موضوعیۃ، مکتبۃ دارالفتح، دمشق، ط۱، ۱۳۸۹ھ

❀ عدنان زرزور، مدخل الی تفسیر القرآن وعلومہ، دارالقلم بدمشق، ودارالشامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

❀ عز ابن عبدالسلام، فوائد فی مشکلات القرآن، دارالشروق جدۃ، ط۲، ۱۴۰۲ھ

❀ عزیز الحسن ومولوی عبدالحق، اشرف السوانح، محمد عثمان مالك کتب خانه اشرفیه، جامع مسجد، دہلی، ۱۳۵۴ھ

❀ عزیز الرحمان، مفتی، تذکرہ مشائخ دیوبند، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل، مولوی مسافر کتب خانه، کراچی، ۱۹۶۴ء

❀ عطیة الاندلسی، ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عبدالرحمان، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، مکتبه ابن تیمیة عن المجلس العلمی بفارسی، س-ن

❀ علاء الدین الهندی، کنز العمال فی سنن أقوال والافعال، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۳۹۹م

❀ علی العریض، فتح المنان فی نسخ القرآن، مکتبة الخانجی، مصر، ط۱، ۱۹۷۳م

❀ علی بن سلیمان العبید، تفسیر القرآن الکریم، اصوله و ضوابطه مکتبة التوبة، الریاض، ط۱، ۱۴۱۸ھ

❀ عماد الدین الحنبلی، شذرات الذهب فی اخبار من الذهب، دار ابن کثیر، ط۱، ۱۴۰۶ھ

❀ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، س-ن

❀ الغزالی، محمد بن محمد بن محمد بن احمد، ابو حامد، زین

الدین، امام، المستفصی من علم الاصول، مؤسسة الرسالة، ط۱، ۱۴۱۷ھ

❀ غلام تغلب، ابو عمر محمد بن عبدالواحد البغدادی (م ۳۴۵ھ) الزاهد، یاقوته الصراط فی تفسیر غریب القرآن، س۔ن

❀ غلام رسول مہر، مولانا، سرگزشت مجاہدین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن

❀ غلام محمد، مولانا، حیات اشرف، مکتبۃ تھانوی، کراچی، ۱۹۶۳ء

❀ غلام مرتضی، ڈاکٹر، انوار القرآن، ملک سنز لاہور، پاکستان، ط۱، جنوری ۱۹۹۶ء

❀ فواد سیزگن، تاریخ التراث العربی، ادارة الثقافة والنشر بجامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة، ۱۴۰۳

❀ فیوض الرحمان، حافظ، قاری، مشاہیر علماء دیوبند، المکتبه العزیزیة، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۲ء

❀ فیوض الرحمان، حافظ، قاری، مشاہیر علمائے دیوبند، عزیز پبلشنگ کمپنی، اردو بازار، لاہور، س۔ن

❀ قاسم بن سلام بن عبداللہ، ابوعبید، امام، الناسخ والمنسوخ فی القرآن العزیز، مکتبه الرشید السعودیة، ط۱، ۱۴۱۱ھ

❀ قاسم بن علی الحریری، درة الغواص فی أوهام الخواص، دارالفکر العربی القاہرة، ۱۹۹۷ء

❀ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

❀ قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، دارالشروق، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ

❀ قطب شہید، سید، قرآن مجید کااسلوب بیان، مترجم: غلام احمد، طارق اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۸۳م

❀ قیسی، مکی ابن ابی طالب، امام، تفسیر المشکل من غریب القرآن، والنور الاسلامی، ط۱، ۱۴۰۸ھ

❀ قیسی، مکی ابن ابی طالب، امام، مشکل اعراب القرآن مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

❀ کاشمیری، محمد انور شاہؒ سید، مشکلات القرآن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان، ۱۳۵۲ھ

❀ کافیجی، محمد بن سلیمان، التیسیر فی قواعد علم التفسیر، دارالقلم، دمشق ودارالرفاعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

❀ کرمانی، محمود، البرہان فی متشابہ القرآن، دارصادر بیروت، ط۲، ۱۴۱۷ھ

❀ الکسائی، علی بن حمزہ، ابوالحسن، امام، متشابہ القرآن، کلیة الدعوة الاسلامیة، لیبیا، ط۱، ۱۴۰۶ھ

❀ گوهرالرحمن، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۲۰۰۲م

❀ گیلانی، مناظر احسن، سید، احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۱۸ھ

❀ اللبان الدمشقی، ازالۃ الشبہات عن الآیات والاحادیث المتشابہات، دارطویق، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

❀ مجذوب، عزیز الحسن، حضرت تھانوی نمبر، جامعہ اشرفیہ،لاہور، اکتوبر ۱۹۸۷ء

❀ محبوب رضوی، سید، تاریخ دارالعلوم دیوبند، ادارہ اہتمام دارالعلوم، دیوبند، یوپی، ۱۹۷۸ء

❀ محمد ادیب صالح، تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی، المکتب الاسلامی، ط۳، ۱۴۰۴ھ

❀ محمد اسلم شیخوپوری، تسہیل البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ رحمانیہ، کراچی، ط۴، ۱۴۲۶ھ

❀ محمد انور گنگوہی، مولانا، مشکلات القرآن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان، س۔ن

❀ محمد بن حسن بن عقیل موسی، اعجاز القرآن الکریم بین الامام السیوطی والعلماء، دارالاندلس الخضراء، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

❀ محمد بن سلیمان الاشقر، معجم علوم اللغة العربية، مؤسسة الرسالة، بيروت، ط ۱۴۰۳۱ھ

❀ محمد بن عثیمین، اصول فی التفسیر، دارابن القیم، السعودية، ط۱، ۱۴۰۹ھ

❀ محمد ثناء الله عثمانی، اشرف التفاسیر، اداره تالیفات اشرفیه، چوک فواره ملتان، پاکستان، س۔ن

❀ محمد حسن الاعظمی، منشور مؤتمر العالم الاسلامی، مطبع سعیدی قرآن محل، کراچی، س۔ن

❀ محمد حسین الذہبی، ڈاکٹر، تاریخ التفسیر والمفسرون، دارالکتب الحدیثیه، بغداد، ط۲، ۱۳۹۶ھ

❀ محمد شفیع، مفتی، مجالس حکیم الامت، دارالاشاعت، کراچی، ۱۳۶۶ھ

❀ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، اداره معارف کراچی، پاکستان، ۱۴۲۷ھ

❀ محمد عبدالخالق عضیمة، دراسات لأسلوب القرآن الکریم، دارالحدیث، القاہرہ، س۔ن

❀ محمد عبدہ، مشکلات القرآن، منشورات دار مکتبة الحیاۃ، بیروت، ۱۹۷۹م

❀ محمد علی التهانوی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبة

لبنان، ط۱، ۱۹۹۶ء

❀ محمد علی صابونی، علوم القرآن، مترجم: ظفر اقبال کلیار، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۶م

❀ محمد فتحی الدرینی، المناهج الاصولیة، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۳، ۱۴۱۸ھ

❀ محمد مالک کاندھلوی، التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل، مولوی مسافر خانه، کراچی، س۔ن

❀ محمد میاں، سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، مکتبه رشیدیه، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۲م

❀ محمود السید، شیخون، اسرار التقدیم والتاخیر فی لغة القرآن الکریم، مکتبة الکلیات الازهریة، القاهرة، ط۱، ۱۴۰۳ھ

❀ محمود الغزنوی، باهر البرهان فی معانی مشکلات القرآن، منشوارت معهد البحوث العلمیة بجامعة ام القری، ۱۴۱۸ھ

❀ محمود حامد ڈاکٹر، القاموس القویم فی اصطلاحات الاصولین، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۹۹۶م

❀ محمود صافی، اعراب القرآن وصرفه وبیانه مع فوائد نحویه هامة، انتشارات مدین مطبعة النهضة، ۱۴۱۲ھ

❀ مدنی، حسین احمد، مولانا، اسیر مالٹا، مکتبه زکریا بالمقابل جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ، لاہور، س۔ن

❀ مدنی، حسین احمد، مولانا، تحریک ریشمی رومال، دی مال، لاہور، ۱۹۶۶م

❀ مساعد الطیار، فصول فی اصول التفسیر، دارالنشر الدولی السعودیة، ط۱، ۱۴۱۳ھ

❀ مسلم، مسلم بن حجاج، امام، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ط۲، ۱۳۷۵ھ

❀ مصطفی الرافعی، تاریخ آداب العرب، دارالکتاب العربی، بیروت، ط۴، ۱۳۹۴ھ

❀ مصطفی زید، النسخ فی القرآن الکریم، دارالوفاء، مصر، ط۲، ۱۴۰۸ھ

❀ مصطفی سعید الخن، اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیة فی اختلاف الفقهاء، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۷، ۱۴۱۸ھ

❀ مطرف الکتانی، القرطین، مکتبة الخانجی، القاہرۃ، ۱۹۳۶م

❀ مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن

❀ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ وہبہ، القاہرۃ، ط۶، ۱۴۰۸ھ

❀ النجار الفتوحی الحنبلی، شرح الکواکب المنیر، مکتبہ العبیکان، السعودیة، ۱۴۱۸ھ

- ❀ النحاس، احمد بن محمد بن اسماعیل، ابوجعفر، امام، الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ عزوجل، مؤسسة الرسالة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ
- ❀ النحاس، احمد بن محمد، ابوجعفر، امام، علامہ، اعراب القرآن، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ
- ❀ النووی، یحيٰ بن شرف، ابوزکریا، محی الدین، امام، المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دارالمعرفة، بیروت، س-ن-
- ❀ نیشا پوری، محمود بن الحسن، علامہ، وضع البرهان فی معانی مشکلات القرآن، دارالقلم، دمشق، س-ن
- ❀ واحدی، ابوالحسن علی بن نیساپوری، اسباب النزول، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س-ن
- ❀ یاقوت الحموی، شہاب الدین، ابوعبداللہ، معجم البلدان، دارالبیروت للطباعة والنشر، بیروت، ۱۴۰۸ھ
- ❀ یوسف، سلیم چشتی، تاریخ تصوف، دارالکتاب، لاہور، س-ن

رسائل و جرائد

- ❀ ماهنامہ، البرهان، مرتبہ سعید احمد اکبر آبادی، مطبوعہ ندوہ المصنفین، دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء
- ❀ ماهنامہ، البلاغ، مرتبہ محمد تقی عثمانی، مطبع مشهورآفسٹ پریس، کراچی، جمادی الثانی تا شعبان، ۱۳۹۹ء

- ماهنامه، الرشید، مدیر اعلی، حبیب اللہ رشیدی، جامعہ رشیدیہ، جامعہ رشیدیہ، ساھیوال، اپریل، ۱۹۸۰ء
- ماهنامه، الفاروق، جامعہ مکتبہ فاروقیہ، کراچی، جولائی ۲۰۰۱ء
- ماهنامه، القاسم، جامعہ ابوھریرۃ، نوشهرہ، سرحد پاکستان، دسمبر ۱۹۹۹، جون ۲۰۰۲ء
- ماهنامه، فکرونظر، مدیر صاحبزادہ ساجد الرحمان، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اپریل، جون ۱۹۸۹ء
- ماهنامه، القاسم، مدیر مولانا حبیب الرحمان، مطبع قاسمی، محرم جمادی الاول، ۱۳۳۰ء

❀❀❀❀❀❀❀